

جامعہ حقانیہ کا ترجمان

الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا

مجلد

اشاعت خاص

سائٹھ سالہ اجتماع فضلاء جامعہ اشرفیہ لاہور
پیشہ الٹانی ۱۴۲۸ھ
اپریل ۲۰۰۷ء

جامعہ کی سائٹھ سالہ خدمات

بانی جامعہ کے حالات و کمالات

مشاہیر اساتذہ کے حالات

مدارس دینیہ کی ضرورت و اہمیت

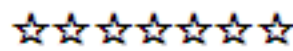
مدارس دینیہ کا نظام تعلیم

بانی فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالرشک کوریزندی قدس سرہ



فہرست

3	ساتھ سالہ اجتماع فضلاء جامعہ اشرفیہ لاہور..... مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم
5	درس قرآن کریم..... // //
7	درس حدیث..... شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ
9	ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ..... از قلم حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ
13	جامعہ منزل بمنزل..... حضرت مولانا محمد اکرم کشمیری صاحب مدظلہم
21	جامعہ اشرفیہ پراکھ نظر..... // //
29	حضرت تھانوی اور ان کے خلفاء صدیوں پہلے پیشین گوئی.. حضرت مولانا وکیل احمد صاحب شیروانی مدظلہم
33	مختصر تذکرہ حضرت مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ تعالیٰ.. فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ
49	مکاتیب حسن..... حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم
55	حالات و کمالات حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہم
77	ملفوظات وارشادات حضرت مفتی محمد حسن قدس سرہ..... مرسلہ: محمد صدیق سابیوال
87	مادر علمی جامعہ اشرفیہ لاہور..... حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم
119	جامعہ حقائق سے جامعہ اشرفیہ تک..... مولانا محمد فیروز الدین شاہ
123	ہمارے دینی مدارس..... فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ
139	مدارس دینیہ اور ان کا نظام تعلیم..... // //
153	ترجمہ قرآن کریم اور دینی مدارس، ایک غلط فہمی کا ازالہ..... // //
157	اخبار الجامعہ..... مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی
159	خراج عقیدت حضرت اقدس مفتی محمد حسن قدس سرہ.. مولانا محمد زکی کیفی رحمہ اللہ



خط و کتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ الحقائق جامعہ حقائق سہیوال سرگودھا

فون: 048-6786002 / 6786899

E-mail: alhaqqania@yahoo.com

کمپوزر: جناب حافظ سید عبدالغفور صاحب ترمذی پرنٹر: جناب محمد منیر صاحب فائزر پرنٹنگ پریس بلاک 8 سرگودھا

کلمۃ الحق

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ساتھ سالہ اجتماع فضلاء جامعہ اشرفیہ لاہور

درس گاہ علم دیں ایں جامعہ اشرفیہ از معارف لامعہ
یا دگا رمولوی معنوی مولوی اشرف علی تھانوی
اسے خدایں جامعہ قائم ہمار فیض او جاری بودیل و نہار

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم اما بعد:

مادر علمی جامعہ اشرفیہ نے صرف ملک پاکستان بلکہ عالم اسلام کی ایک عظیم اسلامی و دینی یونیورسٹی ہے جو ساٹھ سال سے علوم اسلامیہ کی خدمت انجام دینے میں مصروف ہے، لاکھوں مسلمانوں نے اس سے استفادہ کیا اور ہزار ہا علماء کرام نے درس نظامی کی تکمیل کے بعد سند فراغت حاصل کی۔

جامعہ اشرفیہ کا علمی فیض بھم اللہ تعالیٰ اس وقت پوری دنیا میں ہے اس کے فضلاء دنیا کے کونے کونے میں دین کی خدمت سرانجام دینے میں مصروف ہیں، حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے جامعہ تعلیمی، تربیتی اور تعمیری اعتبار سے روز بروز ترقی پذیر ہے، ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی اس کی شاخیں بھی خوب کام کر رہی ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم، ہانی جامعہ حضرت اقدس مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ العزیز اور بزرگوں کے اخلاص کی برکت ہے۔

نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط جامعہ اور اس کے فضلاء کرام کی خدمات کو اگر جمع کیا جائے تو بلا مبالغہ ایک ضخیم کتاب کی ضرورت پڑے گی، ساٹھ سالہ دو ریں جامعہ سے فارغ ہونے والے حضرات کا اجتماع وقت کی اہم ضرورت ہے اس سے جہاں ایک دوسرے سے ملاقات و تعارف اور باہم ربطہ کا موقع ملے گا وہیں امت کو درپیش مسائل میں تباہ خیال اور رہنمائی میں بھی پیش رفت ہوگی۔

صاحبزادہ حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب دامت برکاتہم نے مدرسہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھا میں فضلاء جامعہ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مخدومنا المکرم حضرت اقدس مولانا محمد عبید اللہ القاسمی مدظلہم مدیر و رئیس جامعہ اشرفیہ نے ایک مرتبہ اس خواہش کا شدت سے اظہار فرمایا کہ:

”میرا دل چاہتا ہے ایک مرتبہ جامعہ کے تمام فضلاء جمع ہوں اور میں انہیں دیکھ لوں“

حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کا یہ ارشاد اس عظیم اجتماع کے انعقاد کا سبب بن گیا اور دن رات کی محنت و کوشش اور جدوجہد سے ایک عظیم مہم کے سر کرنے میں کامیابی ہو گئی۔

حضرت اقدس مولانا محمد عبید اللہ صاحب مدظلہم، صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالرحمن اشرفی مدظلہم، صاحبزادہ حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب مدظلہم، حضرت مولانا محمد اکرم صاحب کشمیری، حضرت مولانا قاری ارشد عبید صاحب، مولانا فہیم الحسن تھانوی، عزیز محترم مولانا زبیر حسن سلمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے تمام رفقاء و معاونین اس عظیم کانفرنس کے انعقاد پر مبارکباد کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرماویں اور مادر علمی جامعہ اشرفیہ کو مزید ترقی عطا فرمائیں، فضلاء کرام کے اس بابرکت اجتماع کو عالم اسلام کی اجتماعیت و اتحاد کا ذریعہ بنائیں، آمین۔

احقر کا رہنے والے بھی دو سال جامعہ اشرفیہ کے مبارک ماحول میں گزارے ہیں اپنے بزرگوں اور اساتذہ کرام نیز مادر علمی کا حق سمجھتے ہوئے خیال آیا کہ اس موقع پر جامعہ کے حوالہ سے چیدہ چیدہ مضامین کا ایک مجموعہ شائع کر دیا جائے، احباب سے مشورہ ہوا تو انہوں نے بھی تائید کی اور طے پایا کہ اس موضوع پر ”مجلہ الحقانیہ“ کی خصوصی اشاعت منظر عام پر لائی جائے، مجلہ الحقانیہ کے نگران عزیز مولانا محمد صدیق و معاون خصوصی عزیز القدر مولوی محمد محسن سلمہ اللہ تعالیٰ نے مختصر وقت میں اس حوالہ سے مفید مضامین کا ایک مجموعہ تیار کر کے احقر کو دکھایا اور جامعہ میں بیٹے ہوئے دو سال کے متعلق مضمون لکھنے کیلئے احقر سے اصرار کیا چنانچہ احقر نے بھی اس کار خیر میں شرکت کی غرض سے ایک مضمون لکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سب کیلئے اس اشاعت کو نافع و مفید فرماویں اور کارکنان کو جزائے خیر و فلاح دارین سے نوازیں، آمین۔

کمپوزنگ کی خدمت حسب سابق برادر معظم جناب حافظ سید عبدالغفور صاحب ترمذی نے انجام دی۔ قارئین الحقانیہ سے التماس ہے کہ وہ نہ صرف خود بلکہ دیگر حضرات تک بھی اس مجلہ کو پہنچا کر شکریہ کے مستحق بنیں۔ فقط

احقر عبدالقدوس ترمذی

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرکودھا

۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورت بقرہ جو مصحف عثمانی کی ترتیب کے لحاظ سے دوسری سورت ہے گزشتہ قسط میں اس کی ابتدائی آیات کی تفصیل کا خلاصہ، زمانہ نزول، فضائل و احکام سے متعلق معروضات پیش کی گئی تھیں، اس قسط میں حروف مقطعات کی مختصر بحث اور پیش کردہ آیات کی ضروری تشریح و تفسیر ملاحظہ فرمائی جائے:

حروف مقطعات کی بحث

الہم یہ حروف مقطعات میں سے ہے اور حروف مقطعات اسیس سورتوں کے شروع میں آئے ہیں

اور وہ یہ ہیں:

الہم، الراء، المص، العر، حم، حمعسق، کہلہعص، طس، طسس، طہ، یس، ص، ق، ن۔

ان میں الہم چھ جگہ ہے اور الراء پانچ جگہ ہے اور حم چھ جگہ ہے اور طسس چھ جگہ ہے اور ان کے علاوہ باقی سب ایک ایک جگہ ہیں، کیونکہ یہ متشابہات میں سے ہیں اس لئے مفسرین ان کے سامنے یوں لکھ دیتے ہیں اللہ اعلم بمراده بالذک (اللہ کو اس کا معنی معلوم ہے)

بہت سے اکابر جن میں خلفاء اربعہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ہیں ان کا موقف یہی ہے جیسا کہ

ابن کثیر نے نقل کیا ہے۔

بعض حضرات نے ان کے کچھ معنی بھی بتائے ہیں کسی نے کہا ہے کہ یہ ان سورتوں کے نام ہیں جن کے شروع میں آئے ہیں، حضرت مجاہد کا قول ہے کہ الہم قرآن کے ناموں میں سے ایک نام ہے، حضرت شعبی نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ الہم میں الف لفظ اللہ کا پہلا حرف ہے اور لام اللہ کے نام لطیف کا پہلا حرف ہے اور میم مجید کا پہلا حرف ہے اور ایک قول یہ ہے الف سے آلاء اللہ یعنی اللہ کی نعمتیں اور لام سے لطف اللہ یعنی اللہ کی مہربانی اور میم سے مجد اللہ یعنی اللہ کی بزرگی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، لیکن اس میں سے کوئی بات رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں ہے۔

مفسرین نے حروف مقطعات کے ذریعہ سورتیں شروع کرنے کی یہ حکمت بھی لکھی ہے کہ اہل عرب

کو بتانا تھا کہ یہ کتاب جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی ہے اس کے کلمات انہی حروف سے مرکب ہیں جو تمہاری گفتگو اور محاورات میں استعمال ہوتے ہیں، تم فصیح و بلیغ ہو اس جیسی کتاب بنا کر لاؤ۔

جب ماہرین اس جیسی کتاب بنا کر نہیں لاسکتے تو ایک امی جس نے کسی سے کچھ نہیں پڑھا اس کے بارے میں کیسے کہتے ہو کہ اس نے اپنے پاس سے بنالیا، اگر یہ کلام کسی غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو تم لوگ اس جیسا کلام بنانے سے کیوں عاجز رہ جاتے، اس کے علاوہ اور بھی حکمتیں بیان کی ہیں جو مفسر بیضاوی نے لکھی ہیں۔

ان حروف کو اسی طرح الگ الگ پڑھا جاتا ہے، ان میں تجوید کے قواعد کے مطابق مد بھی ہیں جو مد حرفی مشغل اور مد حرفی مخفف کے نام سے کتب تجوید میں بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھا تو اس کی وجہ سے اسے ایک نیکی ملے گی اور نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوگی، میں یہ نہیں کہتا کہ الہم ایک حرف ہے (بلکہ) الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (رواہ الترمذی ص ۴۱۳، وقال حدیث حسن صحیح)

لاریب فیہ کا مطلب

ذلک الكتاب لاریب فیہ (یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں) مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی اس کا وحی الہی ہونا اور خداوند قدوس کی طرف سے نازل ہونا یہ ایک ایسی چیز ہے جس میں نظر صحیح کی جائے تو کسی عاقل کیلئے کسی طرح کے کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں، اگر کسی کو کوئی شک ہے تو اس کی کج فہمی کی وجہ سے ہے اس کے شک کا اعتبار نہیں اور جو شخص فکر صحیح کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے لیکن پھر بھی منکر ہے اور کہتا ہے کہ مجھے شک ہے تو اسے حقیقت میں شک نہیں ہے ضد اور عناد نے اسے اس پر آمادہ کیا ہے کہ حق اور حقیقت کا انکار کرے۔

درس حدیث

رحمۃ (لقد رسی) ترجمہ بہجۃ (لنفوس)

مؤلف: حضرت امام حافظ ابو محمد عبد اللہ بن ابی جمرہ الازدی الاندلسی رحمہ اللہ

مترجم: شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ

حضرات سلف کا ایمان اتباع شریعت کی وجہ سے کامل تھا

(۳۱) حضرات سلف کا ایمان اسی وجہ سے کامل تھا کہ وہ (شریعت کی) امر و نہی کا اتباع کرتے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے اور باہم ایک دوسرے کی خیر خواہی کرتے تھے، چنانچہ جب وہ کسی سے ملتے تو یوں کہتے تھے ”آؤ ایمان حاصل کریں“ (وہ آپس میں باتیں کرنے کو ایمان سمجھتے تھے) تو ان کے ایمان کا درخت عمدگی اور شیرینی میں انتہائی درجہ کو پہنچ گیا تھا، اور آج کل تو یہ باتیں مفقود ہو گئیں اور اسی بات کا ظہور ہو گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی (کہ آدمی اس وقت تو ایسے ہیں جیسے پھل والا درخت اور عنقریب ایسے ہو جائیں گے جیسے کانٹوں والا درخت ہو)۔

واقعی وہ کانٹوں والے درخت ہی ہو گئے کیونکہ انہوں نے امر و نہی کا اتباع چھوڑ دیا اور آپس میں ایک دوسرے کی خیر خواہی چھوڑ دی، ان کے دلوں میں کھوٹ آ گیا، اب خیر خواہی کی جگہ کھوٹ نے اور اتباع شریعت کی جگہ مخالفت نے لے لی، اور لوگوں کی عام حالت یہ ہو گئی کہ ان میں سوائے کلمہ کو ہونے کے ایمان کی کوئی شان باقی نہ رہی، کلمہ پڑھ لینے کے سوا ان کے جتنے بھی کام ہیں مقتضائے ایمان کے خلاف ہیں، پس جڑ تو باقی رہ گئی مگر پھل یعنی عمل ضائع ہو گیا جیسے پھل والے درخت کی جگہ جھڑ پیری کا درخت رکھ دیا گیا ہو کہ پہلا درخت تو پھل دیتا اور حلاوت بخشتا تھا اور دوسرا کانٹے ہی اگاتا ہے۔

آج کل عام مسلمانوں کی تو یہی حالت ہے بجز شاذ و نادر تھوڑے سے آدمیوں کے (کہ وہ سلف کے طریقہ پر قائم ہیں) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا یزال طائفة عن امتی ظاہرین علی السحق الی قیام الساعة لا یضرہم من خالفہم میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی کسی کی مخالفت سے ان کو نقصان نہ پہنچے گا۔

پس یہ جماعت جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اس کے ایمان کا درخت ہمیشہ بار آور اور اس کا پھل غایت درجہ شیریں رہے گا جیسا حضرات سلف رضی اللہ عنہم کا ایمان تھا، اور اگر (دنیا میں) ان کا

وجود نہ ہوتا تو آسمان (بارش کا) ایک قطرہ نہ برساتا اور (زمین سے) ذرا سی بھی سبزی نہ اگتی اور ان لوگوں کی وجہ سے جن کا اوپر ذکر آیا ہے (عالم میں) تباہی آ جاتی، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی خاطر سے اور ان کی رفعت ظاہر کرنے کیلئے ان سچے ایمان والوں کی وجہ سے دوسروں کو بھی مہلت دے دیتے ہیں، خدا تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے ہم کو بھی اپنے اولیاء میں داخل کر دیں (قولہ لان من تقدم من السلف كان ايمانهم كاملا بمتبعهم الامر والنهي الى قوله جعلنا الله من اوليائه بمنه و بيمينه) فہ: کمال اتباع شریعت ہی کا دوسرا نام طریقت ہے کیونکہ طریقت کا مقصود عمل کو ریاء وغیرہ سے پاک کر کے اخلاص کی دولت حاصل کرنا اور حلاوت ایمان سے کامیاب ہونا ہے اور معلوم ہو چکا ہے کہ حلاوت ایمان بدون اتباع شریعت اور کمال اتباع سنت کے حاصل نہیں ہو سکتی، پس یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو طریقت کو شریعت سے اور شریعت کو طریقت سے جدا سمجھتے ہیں۔

.....

علم کی شان: ہارون الرشید نے حج کیا، ارکان حج ادا کرنے کے بعد وہ مدینہ منورہ پہنچا، وہاں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بن انس رضی اللہ عنہ کی علمی شہرت سن کر اسے ان کی زیارت کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ اس نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو لانے کیلئے ان کی طرف ایک آدمی روانہ کیا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے قاصد سے کہا:

قل لا ميسر للمؤمنين ان طالب العلم يسعني اليه اما العلم فلا يسعني الي احد (ترجمہ) امیر المؤمنین سے کہہ دو کہ علم کا طلبگار علم کے پاس چل کر آتا ہے علم کسی کے پاس چل کر نہیں جاتا۔

چنانچہ بادشاہ ہارون الرشید نے ان کے گھر میں زیارت و ملاقات کا پروگرام طے کیا اور ان کی مجلس میں حاضر ہوا، اندر داخل ہونے سے پہلے اس نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنی مجلس سے لوگوں کو اخراجات میں ان سے تنہائی میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس پر بھی آمادہ نہ ہوئے اور فرمایا کہ لوگ جیسے بیٹھے ہیں اسی طرح بیٹھے رہیں گے، انہوں نے مزید فرمایا:

اذا منع العلم عن العامة فلا خير فيه للخاصة ترجمہ جب علم کو عوام الناس سے روکا جائے تو خاص کیلئے اس میں کوئی خیر (بھلائی) باقی نہیں رہتی۔ (ازلکاف و نوادر ص ۳۵۶)

مرسلہ: محمد صدیق ساہیوال

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

جمع کردہ: حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور

○ فرمایا صوفیاء میں انتظام عام کی شان نہیں ہوتی اس واسطے بہت سے اعمال کو حد جواز تک کر گزرتے ہیں اور فقہاء میں چونکہ انتظام کی شان ہے اس واسطے بہت سے مباحات اور مندوبات کو جن سے عوام کے مفاسد میں پڑ جانے کا خطرہ ہو منع کر دیتے ہیں اور اسی واسطے فقہاء نے سماع کو علی الاطلاق منع کیا ہے کہ اس کا فساد غالب ہے اور محدثین آلات کو منع کہتے ہیں اور صوفیہ میں ایسے بھی ہوئے ہیں جو خاص شرائط کے ساتھ مطلقاً جائز کہتے ہیں اور بعض محدثین کے موافق فرماتے ہیں۔

○ فرمایا مشائخ جو زیادہ تر ذکر بتلاتے ہیں تلاوت زیادہ کرنے کو نہیں بتلاتے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ ابتدا میں زیادہ مقصود صرف یکسوئی پیدا کرنا ہے اور تلاوت سے خاص شان کی یکسوئی پیدا نہیں ہوتی، لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ تلاوت باوجودیکہ افضل ہے مگر صوفیہ اس کی تعلیم نہیں کرتے مگر یہ اعتراض بالکل بے موقع ہے کیونکہ ذکر کی تلقین تلاوت ہی کا مقدمہ ہے اس لئے کہ اس سے یکسوئی ہو کر تلاوت کامل ہونے لگتی ہے باقی زیادہ تر مقصود تلاوت ہی ہے یہ ایسا ہے جیسا کہ وضو یا دیگر شرائط صلوٰۃ مقدم ہوتے ہیں نماز پر یہی وجہ ہے کہ جب ایک خاص درجہ کی یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے پھر زیادہ تر تلاوت ہی میں مشغول کر دیتے ہیں باقی غیر محققین کا ذکر نہیں۔

○ فرمایا حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے صرف لطیفہ قلب کا اہتمام سنت ہے کیونکہ حدیث میں اسی کی اصلاح کی ترغیب ہے باقی لطائف کا اہتمام وارد نہیں ہوا وہ از خود درست ہو جاتے ہیں چنانچہ صلاح الجسد کلاہ وارد بھی ہے۔ سبحان اللہ اس میں کس قدر سنت کی کامل موافقت ہے۔

○ فرمایا ہر قل نے زمانہ جنگ میں سفیر اسلامی سے کہا کہ ہم میں اور تم میں تو ایک اشتراک ہے کہ ہم تم دونوں اہل کتاب ہیں مگر آتش پرستوں سے تو کوئی مناسبت ہی نہیں، چاہئے یہ تھا کہ ان سے پہلے قتال کرتے تو تم ہم پر کیوں آئے؟

قاصد اسلامی نے کیا خوب جواب دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے قلب میں عمل کی دلیل پہلے آتی تھی پھر عمل کرتے تھے اسی واسطے موقع پر اس بنا کو روایت کر دیا، اس زمانہ کے لوگوں کی طرح نہ تھے

کہ عمل تو پہلے اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے لگ کر شروع کر دیا اور پھر پوچھنے پر قرآن کو اس پر چپکاتے پھرتے ہیں، وہ جواب یہ دیا کہ قرآن شریف میں حکم ہے قاتلوا الذین یلونکم اور تم قریب ہو اس لئے پہلے تم سے ہی جنگ کی تیاری کی گئی۔

○ فرمایا اور اوو وظائف میں اکثر لوگ اجازت کو مؤثر سمجھتے ہیں اور بعض لوگوں سے میں جب اس اجازت مانگنے کی وجہ دریافت کرتا ہوں تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ اس میں برکت ہے، میں اس پر ان سے کہتا ہوں کہ اگر میں برکت کی دعا کر دوں اس وقت قلب کو ٹوٹل کر دیکھئے اگر اس پر بھی وہی قناعت ہو جو اجازت دینے سے ہوئی تب تو یہ دعویٰ ٹھیک ہے ورنہ اندر چور ہے، معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ خراب ہے کہ اثر کے اس درجہ کے معتقد ہیں جس پر کوئی دلیل نہیں۔

○ فرمایا دنیا بھر میں قابل تحصیل صرف ایک چیز ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق ہے باقی سب بچہ ہے۔

○ فرمایا سنن عادیہ میں ثواب اس واسطے ہوتا ہے کہ وہ علامت اس کی ہے کہ اس کو حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت ہے اور یہ محبت عین عبادت ہے۔

○ فرمایا صالحین کی اولاد کی بھی رعایت ضروری ہے، عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے کہ ایک سید زادہ نے دیکھا کہ لوگ عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا بہت ادب کرتے ہیں اور مجھ کو کوئی پوچھتا بھی نہیں میرا ادب نہیں کرتے، عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے متعلق سوال کیا انہوں نے فرمایا یہ میرا ادب نہیں بلکہ درحقیقت تمہارا ہی ادب ہے کیونکہ میرا ادب صرف اس وجہ سے ہے کہ میرے اندر علم ہے اور وہ آپ کے گھر کی چیز ہے اور تمہارے اندر جو چیز ہمارے گھر کی ہے یعنی جہالت یہ بے ادبی اس کی ہے۔

رات کو حضور ﷺ کی زیارت خواب میں دونوں کو نصیب ہوئی اور تو عبد اللہ بن مبارک کو فرمایا میری اولاد کو تم نے طعن سے رنجیدہ کیا اور اُدھر سید صاحب کو فرمایا کہ عبد اللہ بن مبارک جو میرا نائب ہے تم نے ان کے ساتھ بے ادبی کی گفتگو کیوں کی؟ چنانچہ صبح ہوتے ہی دونوں صاحب اپنی اپنی جگہ سے ایک دوسرے کو راضی کرنے کے واسطے چلے راستہ میں ملے وہ ان سے معذرت کر رہے ہیں اور یہ اُن سے۔

○ فرمایا مسجد دارالعمل ہے اور مدرسہ دارالعلم سو جس طرح مساجد متعدد دہونے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح مدارس کے متعدد دہونے میں بھی کوئی حرج نہ ہونا چاہئے مگر حالت یہ ہے کہ مدرسوں کے متعدد دہونے سے گرانی ہوتی ہے سو ایسا نہیں ہونا چاہئے بلکہ خوشی ہونی چاہئے کہ کام کرنے والے بہت ہو گئے مگر چونکہ

مدارس میں اکثر غلبہ امراض نفسانیہ کو ہوتا ہے اس لئے ان کے تعدد میں گرائی ہوتی ہے۔

○ فرمایا اکثر اہل کشف متفق ہیں کہ مردہ کو سلام وغیرہ کا ادراک ہوتا ہے، یہ مسئلہ کشفی ہے جو ظن کا درجہ رکھتا ہے اور اہل ظاہر اس میں اختلاف کرتے ہیں، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص اپنی والدہ کی قبر پر جا کر قرآن پڑھتا تھا تو والدہ نے خواب میں کہا پہلے تھوڑی دیر چپکے بیٹھ جایا کرو کیونکہ جب تم آتے ہی قرآن شریف پڑھنے لگ جاتے ہو تو انوار اس قدر تم کو محیط ہو جاتے ہیں جس سے تمہارا چہرہ چھپ جاتا ہے اور میں تمہارا چہرہ دیکھ نہیں سکتی اور ترستی رہ جاتی ہوں، اس واسطے تم پہلے تھوڑی دیر چپکے بیٹھ جایا کرو پھر پڑھا کرو تا کہ میں جی بھر کر دیکھ سکوں۔

○ فرمایا کشف کو طریق باطن میں کیا دخل! طریق باطن کی حقیقت تو یہ ہے کہ اعمال باطنیہ کی تحصیل اور تکمیل کریں۔

○ فرمایا میں نے مولانا رفیع الدین صاحب کے ہمراہ توکل شاہ صاحب کی زیارت کی ہے وہ فرماتے تھے کہ میں جب اللہ کا نام لیتا ہوں تو زبان میٹھی ہو جاتی ہے اور خیالی نہیں حسا میٹھی ہو جاتی ہے۔

○ فرمایا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا بے حد ادب فرماتے تھے ایسا کہ جیسا شیخ کا ادب کیا جاتا ہے، میرے سامنے حضرت گنگوہی کا دیا ہوا عمامہ ایک شخص نے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت حاجی صاحب نے اس کو آنکھوں سے لگایا، سر پر رکھا اور فرمایا کہ مولانا کا تبرک ہے۔

○ فرمایا ایک محقق انگریز نے لکھا ہے کہ اسلام ہندوستان میں تلوار سے نہیں پھیلا بلکہ دو فرقوں نے اسلام زیادہ پھیلا یا، ایک صوفیہ نے دوسرے تجارتی، لوگوں نے تبلیغ سے زیادہ ان کے صدق و امانت اور حالت معاملات کو دیکھ کر اسلام قبول کیا۔

○ فرمایا ترک دنیا ایسی اچھی اور پسندیدہ چیز ہے کہ طالبین دنیا کو بھی ان ہی لوگوں سے محبت ہوتی ہے جو ترک ہیں اور ترک دنیا کو طالبین دنیا سے محبت نہیں ہوتی تو معلوم ہوا کہ ترک دنیا طالبین دنیا کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

○ فرمایا سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک چھوٹے رسالہ میں سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرت شیخ احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور جا کر سلام کیا چونکہ آپ سید تھے اس لئے سلام کا صیغہ یہ اختیار کیا فرمایا السلام علیکم یا جدی جواب آیا و علیکم السلام یا ولدی اس پر بے ساختہ ان

سے دو شعر صادر ہوئے۔

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها تقبل الارض عنی وھی نا ئبتي
فہذا د ولہ الاشباح قد حضرت قام الی مینک کی تخطی بہا شفتی
نوراً قبر شریف سے ایک ہاتھ ظاہر ہوا جس سے تمام مسجد منور ہو گئی اور سب لوگ بے ہوش ہو گئے
حضرت شیخ نے اس ہاتھ کو بوسہ دیا اس کے بعد بے ہوش ہو گئے اور مسجد کے دروازہ پر آ کر لیٹ گئے اور سب
لوگوں کو قسم دی کہ مجھ کو پاؤں میں روند کر جاویں یہ انہوں نے جاہ کا علاج کیا۔

○ فرمایا حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ بہت عمدہ بات فرمائی کہ حدیث
مسالنا علیہ واصحابی میں ما عام ہے عقائد، لباس، وضع قطع وغیرہ سب امور کو شامل ہے کہ فرقہ ناجیہ وہ
ہے جو سب امور میں حضرات صحابہ کرام کے طرز پر ہو۔

○ حضرت ابوالحسن جو علم کلام کے امام تھے ان کی ملاقات کے واسطے ایک شخص آیا اور ان ہی سے ان کا
پتہ پوچھا وہ اس وقت خلیفہ کے بلائے ہوئے ایک مجمع علماء میں جا رہے تھے وہاں مختلف مذاہب کے علماء بعض
مسائل کلامیہ میں اپنا اپنا کلام کیا انہوں نے اخیر میں ایک مبسوط تقریر فرمائی جس سے سابق مقررین پر سکوت
کا عالم طاری ہو گیا، اس شخص کو معلوم ہوا کہ یہ ابوالحسن ہیں اس نے کہا واقعی جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا، اس شخص
نے امام سے کہا کہ آپ نے پہلے ایسی تقریر نہ کر دی جس کے بعد کوئی تقریر ہی نہ کر سکتا، فرمایا ایسے مسائل میں
بلا ضرورت کلام بدعت ہے، جب مبتدع لوگوں نے تقریر کی تو ان کے رد کی ضرورت پیدا ہو گئی اس لئے اس
ضرورت سے پہلے تقریر نہیں کی۔

○ فرمایا صوفیہ پر مشاہدہ کا غلبہ ہوتا ہے بعض اوقات اغنیاء کی رعایت اس واسطے کرتے ہیں کہ یہ
حق تعالیٰ کے وصف غناء کے مظہر ہیں، گویا کہ ان کو ہر شے میں محبوب کی ہی شان معلوم ہوتی ہے۔

○ فرمایا میں نے اہل بدعت کے سامنے کانپور میں غیر مقلدوں کی ایک نشانی بیان کی تھی جس سے وہ
بدعتی غیر مقلد ثابت ہو گئے وہ یہ کہ غیر مقلد مسائل میں ہمیشہ قرآن و حدیث سے تمسک کرے گا اور فقہ سے
کبھی مسئلہ نہ لے گا بخلاف ہمارے حضرات احناف کے، کو لوگ ان کو غیر مقلد کہتے ہوں مگر وہ ہر مسئلہ میں فقہ
سے تمسک کرتے ہیں اور یہ تعریف بدعتیوں پر اس لئے صادق آگئی کہ ان کی بدعات کا کتب مذہب میں
توپتہ نہیں لامحالہ وہ آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہیں کو استدلال غلط ہی ہو۔

(ماخوذ از الکلام الحسن)

حضرت مولانا محمد اکرم کشمیری مدظلہم لاہور

جامعہ منزل بمنزل

وطن عزیز کے معرض وجود میں آنے کے ٹھیک ایک ماہ دس دن بعد یعنی ۲۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کو جامعہ اشرفیہ کا آغاز شہر لاہور کے محلہ نیلا گنبد کے ایک قدیم عمارت ”مولچند بلڈنگ“ سے کیا گیا، اس کے بانی حکیم الامت مجدد المملکت حضرت تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری نور اللہ مرقدہ نے اپنے بعض رفقا اور خدام کی معیت میں اس جامعہ کی بنیاد ایسے وقت میں رکھی جبکہ ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والا ہر شخص اپنا سر چھپانے اور دو وقت کی روٹی کی فکر میں تھا، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ہر طرف سے بے نیاز ہو کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے رسول کے لائے ہوئے دین کی اشاعت کیلئے دینی مدرسے کی بنیاد رکھی، یہ ان کے کمال اخلاص اور لگہیت کا نتیجہ تھا۔

سنگ بنیاد کی اس تقریب میں ہر مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کرام اور مسلم لیگ کے ممتاز زعماء نے شرکت کی، پاکستان بن جانے سے قبل جس طرح حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی ذات گرامی مسلم لیگی عمائدین کیلئے مرجع و مرکز کی حیثیت رکھتی تھی قائد اعظم محمد علی جناح سمیت اکابرین مسلم لیگ حضرت تھانوی سے ہدایات لیتے تھے اسی طرح پاکستان بن جانے کے بعد حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری قدس سرہ کی ذات مسلم لیگی حضرات کیلئے بے پناہ اہمیت کی حامل تھی۔

سردار عبدالرب نشتر مرحوم ہوں یا چودھری محمد علی مرحوم، نواب امیر محمد خان ہوں یا نواب ذاکر حسین قریشی سب ہی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی مجلس صدق و صفا کی رونق تھے، مفتی صاحب کا اصل وطن اگرچہ مل پور حسن ابدال تھا لیکن ایک مدت تک امرتسر میں قیام نے ان کو امرتسری بنادیا تھا، اکثر و بیشتر حضرات آپ کو امرتسری ہی کے حوالے سے جانتے ہیں۔

جامعہ کو شروع دن ہی سے ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ دور دراز سے تشنگان علم کچھے چلے آنے لگے، انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں درس نظامی کی تدریس کا آغاز کیا گیا، جہاں اساتذہ کرام فقر و فاقہ برداشت کرتے تھے تو وہاں طلبہ بھی پیٹ پر پتھر باندھ کر علم دین حاصل کرنے کیلئے تیار ہوتے تھے، جامعہ اشرفیہ اکابر علماء کرام کا مرکز تھا، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب، مؤرخ اسلام سید سلیمان ندوی، حضرت مفتی محمد شفیع، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا عبدالماجد دریا آبادی ایسی شخصیات جب بھی لاہور

تشریف لائیں تو جامعہ اشرفیہ ہی کو اپنی میزبانی کا شرف بخشا تھا، اس کے ساتھ ساتھ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے جامعہ میں پڑھانے کیلئے ایسے اساتذہ کا انتخاب فرمایا جو اپنی علمی حیثیت کے اعتبار سے نہ صرف برصغیر بلکہ عالم اسلام میں لازوال شہرت رکھتے تھے، امام المعقول والمعتول، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد رسول خان اور خاتم المحدثین جانشین امام العصر حضرت مولانا نور شاہ کشمیری حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہم اللہ ان ہی اکابرین میں شامل تھے۔

یہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ ہی کی ذات گرامی تھی جن کے ادنیٰ اشارے پر یہ جہاں علمی تشریف لے آئے ورنہ ان حضرات میں سے ہر ایک شخص بجائے خود ایک انجمن اور ایک ادارہ تھا، یہ حضرات بلاشبہ ان افراد اور شخصیات میں سے تھے جن کی اداروں کو ضرورت ہوتی ہے نہ کہ ان حضرات میں جو اداروں کے محتاج ہوتے ہیں، حضرت مفتی صاحب ایک بڑے فقیہ، محدث اور عظیم مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ مصلح اور مربی بھی تھے اس لئے انہوں نے اپنے ادارے جامعہ اشرفیہ کی بنیاد اس طریق پر رکھی کہ یہ جامعہ بیک وقت درسگاہ اور خانقاہ کی حیثیت اختیار کرے گا، شروع دن ہی سے اس جامعہ میں درسگاہی نظام کے ساتھ ساتھ خانقاہی سلسلہ بھی شروع کر دیا گیا تھا، ایک طرف درس نظامی کے ابتدائی درجے سے لے کر دورہ حدیث شریف تک اسباق ہوتے تھے تو دوسری طرف بیعت و ارشاد کا فریضہ بھی انجام دیا جا رہا تھا ان حالات میں تشنگان علوم ظاہری و باطنی کی تعداد میں اضافہ ایک فطری امر تھا۔

جامعہ جدید کا قیام

ابھی چند سال کا انتہائی مختصر عرصہ بھی نہیں گزرا تھا کہ مولچند کی اس بلڈنگ (جو اپنی وسعت کے لحاظ سے چار منزلوں پر مشتمل تھی) نے مزید طلبہ کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، نیلا گنبد کی مسجد اور پھر جامعہ اشرفیہ کے بالمقابل مسجد پشاور (ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی شائقین علم و تربیت سے بھر گئیں، حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ جو ہر وقت امت کے درویش کھوئے رہتے تھے، جنہیں اپنے مفادات سے دوسروں کی راحت ہر وقت زیادہ عزیز رہتی تھی جو دنیا پر دین کو یقیناً ترجیح دیا کرتے تھے جن کے زہد و تقویٰ کا یہ حال تھا کہ مدرسے کا فون اور بجلی تک کو استعمال کرنے سے گریز کرتے تھے جو ہر وقت جامعہ کے اساتذہ، طلبہ اور متعلقین و معاونین کے بارے میں ہر وقت متفکر رہتے تھے، جن کی زندگی کا لمحہ لمحہ خوف خدا سے لبریز تھا، جن کو دیکھ کر خدا یا د آ جاتا تھا غرض جن کی زندگی زہد، تقویٰ اور ورع کا مجسمہ تھی نے ایک مرتبہ پھر یہ سوچنا شروع فرما دیا کہ جامعہ کیلئے مزید جگہ لی جائے تاکہ حصول علم کیلئے دور دراز سے آنے والے طلبہ حسب منشا علم

کی دولت سے مالا مال ہوئیں، اس خیال کے مد نظر حضرت مفتی صاحب نے اس وقت کی مجلس شوریٰ سے مشورہ فرمایا، مشورے میں یہی طے ہوا کہ لاہور شہر یا اس کے مضافات میں آٹھ دس کنال کا قطعہ اراضی خرید کر اس پر خاطر خواہ عمارت تعمیر کی جائے اور زائد طلبہ کو وہاں منتقل کر دیا جائے، چنانچہ اس مشورہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کی معیت میں ایک وفد زمین کے انتخاب کیلئے شاہد رہ ٹاؤن ملتان روڈ سے ہوتا ہوا فیروز پور روڈ پر اس جگہ پہنچا جہاں آج یہ ادارہ موجود ہے، اس وقت یہاں جنگل ہوتا تھا دو درو رو تک آبادی کا نشان تک نہیں تھا، اس زمین کے مالک سے بات ہوئی اس نے بتایا کہ میں زمین فروخت کرنا چاہتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ پوری کی پوری زمین فروخت کروں گا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ زمین ایک سو بیس کنال سے زائد ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کی کرامت

جامعہ اشرفیہ کی مجلس شوریٰ کے سابق بانی ممبر جناب حاجی شیخ غیاث محمد مرحوم راوی ہیں کہ زمین کی خریداری کا مشورہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد کے صحن میں کھڑے کھڑے فرمایا تھا جب حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی سے دریافت فرمایا کہ حضرت آپ کی رائے میں کتنی زمین ہونی چاہئے؟ حضرت کاندھلوی نے فرمایا کہ حضرت کم از کم ایک سو بیس کنال۔ اس پر تمام ممبران نے غیر اختیاری طور پر ایک قہقہہ لگایا وہ اس وجہ سے کہ پانچ چھ کنال لینے کی استطاعت نہیں، جھونگے میں کل پانچ ہزار روپے ہیں اور حضرت کاندھلوی ایک سو بیس کنال کا فرما رہے ہیں، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا بھی یہی خیال تھا کہ زیادہ سے زیادہ آٹھ دس کنال زمین لے لی جائے۔

زمین کے مالک کے منہ سے یہ بات سن کر کہ ایک سو بیس کنال سے زائد ہے ممبران نے حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ کی طرف دیکھا، حضرت نے مسکرا کر فرمایا ”ہاں بھائی ہمیں اتنی ہی زمین درکار ہے سب کا سودا کرو“ یہ ساری صورت حال جب حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا بالکل ٹھیک ہے لے لیں اللہ تعالیٰ غیب سے مدد فرمائیں گے۔

بہر حال یہ ان حضرات کا خلوص تھا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی خریداری پر آنے والی خطیر رقم کا غیب سے بندوبست فرمادیا، کچھ نقد اور کچھ ادھار کی بنیاد پر فیروز پور روڈ پر نہر کے کنارے تقریباً ایک سو پچیس کنال اراضی کا یہ قطعہ حاصل کر لیا گیا، یہ ۱۹۵۳ء کا واقعہ ہے۔

زمین کی خریداری کے بعد یہاں ابتدائی کام شروع کر دیا گیا زمین کو ہموار کروایا گیا اور پھر یہاں

تعمیر کا سلسلہ شروع کیا گیا، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت (کہ حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے بیت اللہ اور آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد سب سے پہلے مسجد کی بنیاد رکھی تھی) کے مطابق سب سے پہلے مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔

مسجد کا الہامی سنگ بنیاد

نقشہ کے مطابق اس مسجد کو فیروز پور روڈ کے ساتھ بننا تھا لیکن جس دن افتتاحی تقریب منعقد ہونا تھی اس رات کو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو آنحضرت ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی جس میں آپ ﷺ نے فرمایا مسجد یہاں نہیں بلکہ یہاں بنائی جائے (یعنی اس وقت جہاں مسجد حسن ہے یہاں کافر مایا) پھر اگلے دن اس جگہ مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا جہاں آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا، اس طرح جامعہ اشرفیہ کی زمین کی طرح مسجد کی جگہ کا انتخاب بھی الہامی ہے۔

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب قاسمی نور اللہ مرقدہ خلیفہ اقدس حضرت تھانوی اور سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند فرمایا کرتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کا قیام الہامی تھا (اس سلسلہ میں آپ نے بہت سے واقعات بھی سنائے تھے یہ چند صفحات ان کی تفصیل کے متحمل نہیں ہو سکتے) اس طرح جامعہ اشرفیہ کا قیام بھی الہامی تھا، پاکستان بننے کے فوراً بعد لاہور شہر کے دل نیلا گنبد میں اتنی بڑی عمارت کا مہیا ہو جانا، بڑے بڑے شیوخ کا جامعہ میں آ جانا، پھر قلیل عرصہ میں اتنا بڑا علمی مرکز بن جانا یقیناً حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے اخلاص اور آپ کی کرامت کے علاوہ الہامی بھی تھا۔

جامعہ جدید میں تعلیم کا آغاز

۱۹۵۷ء میں مسجد کی تکمیل کے ساتھ اساتذہ کے چند مکانات اور دارالافتاء کا ایک حصہ بھی مکمل ہو چکا تھا، ۱۹۵۸ء میں دورہ حدیث کے اسباق کا آغاز جامعہ جدید میں کر دیا گیا، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی سمیت اکابر اساتذہ نیلا گنبد سے فیروز پور روڈ جامعہ کی جدید عمارت میں منتقل ہو چکے تھے، جوں جوں تعمیرات میں ترقی ہوتی گئی درس نظامی کے دیگر درجات بھی جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ منتقل ہوتے گئے، جبکہ ابتدائی درجات حفظ و ناظرہ اور تجوید کے شعبہ جات جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد میں ہی کام کرتے رہے، اب جامعہ جدید میں ابتدائی درجہ سے لے کر دورہ حدیث شریف تک درس نظامی کی مکمل تعلیم ہو رہی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جامعہ نیلا گنبد میں بھی درجہ خامسہ تک درس نظامی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ شعبہ حفظ و ناظرہ اور قرأت و تجوید کی تعلیم بھی ہو رہی ہے۔

حضرت مفتی صاحب کا سانحہ ارتحال

کیم جون ۱۹۶۱ء کو حضرت مفتی صاحب قدس سرہ رحلت فرما گئے، حضرت مفتی صاحب کا انتقال پر ملاں اگرچہ جامعہ اشرفیہ کیلئے ایک بڑا دھچکا تھا لیکن حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کے صاحبزادگان خاص طور پر حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا عبدالرحمن اشرفی مدظلہ العالی نے بکمال جرأت اور انتہائی استقامت اور ثابت قدمی سے جامعہ کو خوب سہارا دیا، حضرت مفتی صاحب کے انتقال کے بعد اہتمام کی ذمہ داری حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب مدظلہ کے سپرد کر دی گئی اور نظامت تعلیمات کا گراں قدر بوجھ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب مدظلہ کے کندھوں پر پڑا، ان حضرات نے شب و روز کی محنت شاقہ سے جامعہ کی ترقی اور شہرت میں مزید چار چاند لگا دیئے، حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب کے اہتمام میں جامعہ نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے دور سے بھی زیادہ ترقی کی، جامعہ کے ہر شعبہ کو عروج پر پہنچایا، درس نظامی ہو یا شعبہ حفظ و ناظرہ، تجوید و قراءت ہو یا شعبہ افتاء و ارشاد سب ہی نے کمال کی ترقی کی۔

مدرسہ فیصل للبنات کا قیام

۱۹۷۵ء میں حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب دامت برکاتہم جامعہ کی توجہ بچیوں کی دینی تعلیم و تربیت کی طرف مبذول کروائی گئی آپ نے جامعہ کی مجلس شوریٰ اور منظمہ سے مشاورت فرمائی جس کے بعد یہ طے پایا کہ ماڈل ٹاؤن کے خوبصورت علاقے میں بچیوں کی دینی تعلیم و تربیت کیلئے ایک ادارہ کھول دیا جائے، اس مقصد کیلئے ابتدائی طور پر تین کنال زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کر لیا گیا، اس پر تہہ خانے کے علاوہ دو منزلہ عمارت بنائی گئی اور اس میں عالم اسلام کی ممتاز اور مشہور شخصیت شاہ فیصل مرحوم کے اسم گرامی سے منسوب کرتے ہوئے مدرسہ فیصل للبنات کی بنیاد رکھ دی گئی، یہ وہ دور تھا جب خواتین میں دینی تعلیم و تربیت کا رواج نہیں تھا، بس قرآن کریم ناظرہ یا زیادہ سے زیادہ ہشتی زیور پڑھانے کو بہت بڑی تعلیم و تربیت خیال کیا جاتا تھا، کجرات میں ایک ادارہ خواتین کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دے رہا تھا، اس ادارے سے ایک انتہائی ذی استعداد اور فہیم معلمہ محترمہ سعیدہ ہاشمی کو مدرسہ فیصل کی ذمہ داری سونپی گئی انہوں نے شب و روز محنت کر کے پڑھانے والی معلمات کی ایک ٹیم تیار کر لی اس کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب مدظلہ خود بھی پڑھاتے رہے اس طرح تھوڑے ہی عرصہ میں اس مدرسے کی علمی شہرت پورے ملک میں پھیل گئی، ملک کے کونے کونے سے سینکڑوں طالبات حصول علم کی خواہشات لے کر آنے لگیں یہاں تک کہ تین کنال پر بننے والی یہ عمارت طالبات کیلئے باوجود وسعت دامنی کے تنگ ہو گئی، ایک دفعہ پھر حضرت مولانا

محمد عبید اللہ صاحب نے جامعہ کی مجلس شوریٰ کا اجلاس بلایا، جس میں مشاورت کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ موجودہ عمارت کے ساتھ والی کوٹھی (جس کی مالک نے ازراہ ہمدردی اور بچیوں کے دینی شوق و رغبت اور پھر جامعہ کی مجبوری کو بھانپتے ہوئے خود ہی پیش کی تھی) خرید لی جائے، چنانچہ یہ کوٹھی خرید کر مدرسہ فیصل کا حصہ بنادیا گیا کچھ عرصہ اسی پرانی اور بوسیدہ کوٹھی میں تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری رہا چونکہ یہ کوٹھی اپنی بوسیدگی کی وجہ سے ہر وقت باعث خطرہ تھی اس لئے اس کو گرا کر نئے نقشے کے مطابق اس کی جگہ بھی تہہ خانے کے علاوہ دو منزلہ عمارت اس طرح تعمیر کروائی گئی ہے جس سے طالبات کی ضرورت پوری ہو جائے۔ بحمدہ تعالیٰ یہاں پر بھی (یعنی مدرسہ فیصل للبنات میں) پانچ صد سے زائد بچیاں زیر تعلیم ہیں، میٹرک پاس بچیوں کو درس نظامی کا مروجہ نصاب دورہ حدیث تک پڑھایا جاتا ہے۔

مدرسہ القبا للمساکین اور دوسری شاخوں کا قیام

جامعہ اشرفیہ نے ہمیشہ وقت کی نبض پر ہاتھ رکھا ہے، وقت کی ضرورت تھی کہ ایک ایسا ادارہ ہو جس میں مساکین، فقراء اور بیوہ خواتین کی تعلیم و تربیت کا بھی انتظام ہونا چاہئے ایسی خواتین کہ جو بظاہر کسی بھی وجہ سے بے سہارا ہو جاتی ہیں ان کی اس طرح سرپرستی کی جائے کہ یہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکیں، اس مقصد کی برآوری کے چونکہ کئی ایک اسباب ہیں اس لئے جامعہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس قسم کے تمام اسباب کو بروئے کار لایا جائے، اس عظیم مقصد کے پیش نظر پہلا قدم مدرسہ القبا للمساکین کے افتتاح کی صورت میں اٹھایا گیا، لاہور کے جدید اور خوبصورت ترین علاقہ جوہر ٹاؤن کے سوک سنٹر کے قریب آٹھ کنال کا پلاٹ ایل، ڈی، اے سے خرید کر اس مقصد کیلئے وقف کر دیا گیا چونکہ جامعہ کی کوئی مستقل آمدن نہیں اس کا انحصار کلیۃً اللہ تعالیٰ کے بھروسہ اور عامۃ الناس کی اعانت پر ہے جامعہ نے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر زمین خرید لی مگر اس کی تعمیر کا بھاری بوجھ جامعہ کیلئے ناقابل تحمل تھا، اللہ تعالیٰ کو مدرسہ القبا للمساکین کا چلانا منظور تھا اس لئے اس نے اپنے ایک نیک بندے ڈاکٹر عبداللطیف کولندن سے بھیج دیا عجیب اتفاق یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب بھی ایک ایسا ہی ادارہ قائم کرنا چاہتے تھے، ان کو جب یہ معلوم ہوا کہ جامعہ اشرفیہ ایک ایسا ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ پہلے ہی کر چکا ہے تو انہوں نے جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب مدظلہ سے رجوع فرمایا، چنانچہ ان دونوں حضرات نے یہ طے کیا کہ جامعہ کی خرید کردہ زمین پر ڈاکٹر صاحب بقدر ضرورت عمارت بنوادیں اس طرح اس صدقہ جاریہ میں ڈاکٹر صاحب بھی شریک ہو جائیں گے، ڈاکٹر صاحب نے حسب وعدہ القبا للمساکین کی ضرورت کے مد نظر عمارت کا ایک بڑا حصہ تعمیر کروا دیا ہے، اس ادارے میں باقاعدہ تعلیم

وترہیت کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔

اسی طرح خواتین کی ابتدائی اور ضروری تعلیم وترہیت کیلئے جامعہ اشرفیہ نے کئی ایک شاخیں قائم کی ہیں جن کا مختصر تعارف یہ ہے:

(۱) مدرسہ اشرفیہ گارڈن ٹاؤن لاہور، اس میں بچیوں کو قرآن کریم ناظرہ اور حفظ پڑھایا جاتا ہے اس کے ساتھ ساتھ تجوید و قراءت بھی پڑھائی جاتی ہے ابتدائی ضروری ضروری کتابیں بھی داخل نصاب ہیں۔

(۲) احسن الکاتب کالج روڈ راولپنڈی، اس ادارے میں بچیوں کو قرآن کریم ناظرہ پڑھانے کے ساتھ ساتھ ابتدائی دینی کتب بھی پڑھائی جاتی ہیں۔

(۳) مدرسہ الحسن مل پور حسن ابدال، مل پور حضرت مفتی محمد حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کا گاؤں ہے وہاں کے لوگوں کا دیرینہ مطالبہ تھا کہ یہاں ایک دینی ادارہ قائم کیا جائے چنانچہ وہاں کے بانیوں کے مطالبے اور وقتی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے جامعہ نے بچیوں کی دینی تعلیم وترہیت کیلئے ایک اداہ کھولا ہے، اس ادارے کیلئے دس کنال زمین مل پور کے ملک حضرات نے وقف کی ہے البتہ اس پر عمارت اس میں کام کرنے والے عملہ اور پڑھنے والی بچیوں کے جملہ اخراجات جامعہ کے ذمہ ہیں، اس ادارے میں بھی بچیوں کی اچھی خاصی تعداد علم دین حاصل کر رہی ہے۔

جامعہ اشرفیہ نے، جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور اور جامعہ نیلا گنبد کے علاوہ بھی بچیوں کی تعلیم وترہیت کیلئے متعدد شاخیں کھول رکھی ہیں، لاہور شہر کے سمن آباد کے علاقے میں بیت القرآن کے نام سے (جس میں بچیوں کو حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ ناظرہ اور ابتدائی دینی کتب کی تعلیم دی جاتی ہے) کھولی ہے، سمن آباد والی شاخ کیلئے جناب ڈاکٹر شفقت بیگ نے اپنی کوٹھی وقف کر رکھی ہے تاہم طلبہ، حضرات اساتذہ اور دیگر مصارف جامعہ ہی کے ذمہ ہیں، یہاں بھی کافی طلبہ زیر تعلیم ہیں۔

مدرسہ صادق جامعہ اشرفیہ

یہ ادارہ جامعہ اشرفیہ کے ایک مخلص اور ہمدرد جناب محمد صادق بھٹی نے رانیوٹ روڈ پر (لاہور سے تیس کلومیٹر پر) موضع رانیاں میں ۲۹ کنال اراضی پر بنایا ہے، یہ اراضی بھٹی برادرز نے مدرسے کیلئے اپنی ذاتی ملکیتی زمین سے وقف کی ہے، اس ادارے کے دو حصے ہیں ایک میں بچوں کو جامعہ اشرفیہ کے نصاب کے مطابق تعلیم جاری ہے اور دوسرے حصہ میں بچیوں کی تعلیم وترہیت کا نظام ہے، یہ ادارہ بھی جامعہ اشرفیہ کی ایک مستقل شاخ کی صورت میں دینی خدمات بجالا رہا ہے۔

اقرأہدرا لاطفال

جامعہ اشرفیہ کے ایک بھی خواہ اور مخیر جناب میاں محمد اکرم اور ان کی اہلیہ محترمہ نے لاہور شہر کے خوبصورت ترین علاقے علامہ اقبال ٹاؤن میں اپنی کوٹھی (A-64 کریم بلاک) بطور صدقہ جاریہ جامعہ اشرفیہ کی وساطت سے وقف فرمائی، واقفین کی خواہش کے مطابق اس وقف شدہ کوٹھی میں اقرأہدرا لاطفال کے نام سے ایک ایسا ادارہ قائم کیا گیا ہے جس میں بچوں کو حفظ قرآن، مآظرہ اور تجوید کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم پرائمری، مڈل اور میٹرک تک دینے کا بھی پروگرام ہے، بھمدہ تعالیٰ اس وقت جامعہ کی اس شاخ میں کثیر تعداد میں بچے اور بچیاں دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اس ادارے کو بانی جامعہ اشرفیہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کی اہلیہ محترمہ جن کا اسم گرامی بدرا النساء تھا کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کی یہ اہلیہ محترمہ ایک ایسی خاتون تھیں جن کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے نہ صرف یہ کہ خود کہہ کر بیعت فرمایا بلکہ آپ نے ان کو وقت کی راجہ بصریہ کا لقب بھی عطا فرمایا تھا۔

جامعہ اشرفیہ پشاور

جامعہ اشرفیہ پشاور جو ایک مشہور دینی ادارہ ہے کی ایک شاخ برائے تحفیظ القرآن بھی جامعہ اشرفیہ کے تحت ہے، اس شاخ میں بھی اچھی خاصی تعداد طلبہ کی حفظ، مآظرہ اور تجوید قرآن کریم کی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ الغرض اس کے علاوہ بھی جامعہ اشرفیہ کی کئی ایک شاخیں مختلف مساجد میں کام کر رہی ہیں۔

غالباً جامعہ اشرفیہ پاکستان بھر کی واحد ایسی دینی درسگاہ ہے جس کی سند فراغت ”شہادۃ العالمیہ“ ڈبل ایم اے یعنی ایم اے عربی اور ایم اے اسلامیات کے مساوی حکومت پاکستان کے ہاں تسلیم شدہ ہے۔ اس وقت جامعہ اشرفیہ میں تقریباً بیس ممالک کے طلبہ زیر تعلیم ہیں، سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد وہاں کی اسلامی ریاستوں میں تبلیغ دین اور درس نظامی پڑھانے والے علماء کرام کی بڑی تعداد جامعہ اشرفیہ کے فارغین کی ہے، پاکستان اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ اس کی دینی درسگاہوں سے پڑھ کر جانے والے علماء بلا معاوضہ پاکستان کی سفارت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

حضرت مولانا محمد اکرم کشمیری مدظلہم

جامعہ اشرفیہ پراک نظر

مختصر تاریخ: جامعہ اشرفیہ ۱۳۳۰ھ بمطابق ۱۹۰۷ء مسجد نور امیر میں مدرسہ نعمانیہ کے نام سے خدمات دین انجام دے رہا تھا اس کے بانی مہانی حضرت مولانا مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی تھے، قیام پاکستان کے بعد ۸ ذیقعدہ ۱۳۶۶ھ ۱۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کو نیلا گنبد لاہور کی ایک مٹروکہ بلڈنگ میں مدرسہ کا قیام عمل میں آیا، بعد میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ کے نام پر اس درسگاہ علم و فن کو مدرسہ نعمانیہ کے بجائے ”جامعہ اشرفیہ“ کے نام سے موسوم کیا۔

نیلا گنبد کی یہ مٹروکہ عمارت جب مدرسہ کی روز افزوں ترقی کے راستے میں حائل ہونے لگی تو فیروز پور روڈ پر نہر کے قریب تقریباً ایک سو پچیس کنال (۶۳۳۰۰۰ مربع گز) وسیع قطعہ اراضی جامعہ کیلئے حاصل کیا گیا، ۱۴ شعبان ۱۳۴۴ھ کو اس نئی جگہ مدرسہ جدید کا سنگ بنیا درکھا گیا۔

عمارات جامعہ

جامع مسجد حسن

جامعہ کے وسط میں جامع مسجد حسن کسی حسین انگشتی کے خوبصورت تھمنے کی طرح موجود ہے، مسجد کا اندرونی ہال ۳۲۲ فٹ ہے، اس کے دونوں طرف اسی طول و عرض کے دو بغلی ہال ہیں، ان دونوں بغلی ہالوں کے اوپر مستورات کیلئے گیلریاں بنی ہوئی ہیں۔ صحن کے شمال اور جنوب کی سمتوں میں دس دس کمرے ہیں جو ایک مکمل خانقاہ کی حیثیت رکھتے ہیں ان کے آگے برآمدے ہیں، مشرقی سمت صدر دروازے کے ایک طرف ۳۲۲ فٹ کا وسیع دارالخجود ہے دوسری سمت خوبصورت حوض اور وضو خانے ہیں، شمال کونے میں ۱۹۰ فٹ کا ایک حسین و جمیل مینار ہے جو بہت دور سے اپنی بہار دکھلا رہا ہے۔

درسگاہیں

مسجد حسن کے جنوبی دروازے کے عین سامنے جامعہ کے دفاتر اور ان کے اندرونی حصے کے چاروں طرف درسگاہیں موجود ہیں، یہاں ابتدائی درجہ (متوسطہ) سے لے کر دورہ حدیث پاک کی کلاسز ہوتی ہیں، درسگاہوں کے شمالی طرف عظیم الشان تین منزلہ لائبریری ہے، حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کو عوام تک پہنچانے کیلئے قائم کی گئی عالمی تنظیم ”مجلس صیانتہ المسلمین“ کا صدر دفتر بھی یہاں ہی موجود ہے۔

دارالاقامہ قدیم

جامعہ اشرفیہ میں حصول تعلیم کی غرض سے آنے والے طلبہ کی رہائش کیلئے ایک دو منزلہ دارالاقامہ (ہوسٹل) کا خوشنما بلاک تعمیر کیا گیا ہے، اس میں چونتیس کھلے کمرے، برآمدے، دو کانفرنس ہال، ہاتھ رومز اور کچن بنائے گئے ہیں، طلبہ کا یہ ہاسٹل اپنی تعمیر اور دلکشی میں اپنی مثال آپ ہے، دارالاقامہ کے سامنے ایک خوبصورت لان ہے جہاں طلباء اپنے فارغ اوقات میں بیٹھتے ہیں۔

دارالاقامہ جدید

جامعہ میں پاکستانی طلباء کے علاوہ بیس ممالک سے زائد طلباء کثیر تعداد میں زیر تعلیم ہیں، سعودی عرب، امریکہ، انگلینڈ، ملائیشیا، تھائی لینڈ، انڈیا، افریقہ، آسٹریلیا کے طلبہ کیلئے ڈیڑھ کروڑ کی لاگت سے ایک نیو ہاسٹل تعمیر کیا گیا ہے، اس میں اسی (۸۰) سے زائد کمرے، تین کانفرنس روم، ایک میس اور ڈسپنسری بھی بنائے گئے ہیں، ہاسٹل میں جدید ترین سہولیات کا انتظام کیا گیا ہے تاکہ بیرون ممالک سے تعلق رکھنے والے طلباء کو کسی قسم کی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

ہسپتال

جامعہ اشرفیہ کے طلباء اور عوام کو طبی سہولیات بہم پہنچانے کیلئے جامعہ کی انتظامیہ نے بارہ بستروں پر مشتمل ایک جدید ہسپتال قائم کیا ہے، یہاں تمام شعبوں کے مستند اور اسپیشلسٹ ڈاکٹرز اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں، ہسپتال میں مریضوں سے کسی قسم کی کوئی فیس نہیں لی جاتی بلکہ ادویہ بھی مفت دی جاتی ہیں، ہسپتال روزانہ بارہ گھنٹے کھلا رہتا ہے۔

جامعہ کے ذیلی ادارے

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جامعہ اشرفیہ نے وطن بھر میں بالخصوص اور پوری دنیا میں بالعموم اسلامی تعلیمات کی ترویج و اشاعت کرنے کیلئے اپنی کوششوں کا آغاز کرتے ہوئے درج ذیل ادارے قائم کئے ہیں:

جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد

جامعہ ہذا میں ابتدائی درجات (درجہ متوسط تا درجہ خامسہ) تک کی کتب کے علاوہ حفظ و تجوید کے اسباق پڑھائے جاتے ہیں، یہاں طلبہ کا رہائشی ہاسٹل میس، لائبریری اور درس گاہیں موجود ہیں۔

مدرسۃ الفیصل للبنات

ملک کے ہونہار بچوں کے ساتھ ساتھ بچیوں کی دینی تعلیم و تربیت کیلئے بھی جامعہ نے نمایاں

خدمات انجام دی ہیں، اس حوالے سے ماڈل ٹاؤن لاہور میں لڑکیوں کیلئے ایک بڑا ادارہ مدرسۃ الفیصل للبنات قائم کیا گیا ہے، یہاں تحفیظ و تجوید کے علاوہ درس نظامی کا مکمل نصاب پڑھایا جاتا ہے، یہاں پانچ سو سے زائد طالبات زیر تعلیم ہیں جن کیلئے مستقل رہائشی ہاسٹل اور دیگر سٹاف موجود ہے۔

مدرسہ اشرفیہ مدینہ مسجد

مدرسہ ہذا میں درس نظامی کے علاوہ حفظ و تجوید کی درسگاہیں قائم ہیں جہاں ماہر اساتذہ سینکڑوں طلباء کو دینی تعلیم سے بہرہ ور کر رہے ہیں۔

القباء للمساکین

یتیم بچوں کیلئے حال ہی میں جامعہ اشرفیہ کی انتظامیہ نے جوہر ٹاؤن لاہور میں القباء للمساکین کے نام سے ادارہ قائم کیا ہے، یہاں طالبات کو دینی اور عصری علوم کے ساتھ ساتھ میٹرک تک تعلیم اور فن دستکاری کی تعلیم دی جاتی ہے، بچیوں کی رہائش کیلئے مستقل ہاسٹل اور میس بھی قائم ہے۔

مدرسہ اشرفیہ گارڈن ٹاؤن لاہور

یہ مدرسہ بھی طالبات کی تحفیظ و تجوید کی تعلیم سے متعلق ہے، یہاں ماہر خواتین اساتذہ درس نظامی کی ابتدائی کتب اور حفظ و تجوید کی تعلیم دیتی ہیں۔

مدرسہ بیت القرآن سمن آباد لاہور

مدرسہ ہذا عوام علاقہ کے اصرار پر قائم کیا گیا ہے اور ادارہ ہذا میں علاقہ کے بچوں کو قرآن کریم حفظ کروایا جاتا ہے۔

معہدام القرئی

فارغ التحصیل علماء کیلئے جامعہ نے معہدام القرئی کے نام سے یہ جدید ادارہ قائم کیا ہے، یہاں علماء کو عربی، انگلش، جرمن، روسی اور دیگر بین الاقوامی زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے، معہدام میں ملک کے ماہر اساتذہ تدریس کے فرائض سرانجام دیتے ہیں، علاوہ ازیں کمپیوٹر کی تعلیم کیلئے کمپیوٹر لیبل قائم کی گئی ہے۔

مسجد الاسلام امریکہ

بیرون ملک مسلمانوں کی دینی تربیت کے سلسلے میں امریکہ میں روڈ کی کے مقام پر مسجد الاسلام اور مدرسہ قائم کیا گیا ہے جہاں عوام کی دینی معاملات میں رہنمائی اور ابتدائی تعلیم کا اہتمام کیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا اداروں کے علاوہ اقراء ہدرا لطفال علامہ اقبال ٹاؤن لاہور، مدرسہ اشرفیہ پشاور،

مدرسۃ الحسن بیدیاں، مدرسۃ تحفیظ القرآن کوجہ پورہ، احسن الکاتب راولپنڈی، مدرسۃ الحسن ملہ پورہ، جامعہ اشرفیہ لاہور کی زیر سرپرستی علوم نبوت کی اشاعت میں مصروف ہیں۔
جامعہ کے تعلیمی شعبے

جامعہ میں درس نظامی، تجوید و قراءت، تحفیظ، خطاطی اور تصنیف و تالیف کے شعبے قائم ہیں، درس نظامی کا مکمل کورس آٹھ سال کا ہے، اس کے اختتام پر شہادۃ العالمیہ مساوی ایم، اے اسلامیات (عربی) کی ڈگری دی جاتی ہے، تجوید و قراءت کا دو سالہ کورس ہے جس کے بعد شہادۃ الفرائغ للتجوید و القراءۃ کی سند عطا کی جاتی ہے، حفظ کلام پاک کیلئے دس درگاہیں قائم ہیں۔

جامعہ اشرفیہ کا مسلک و مشرب

اس عظیم علمی و فکری درس گاہ کا نام ”جامعہ اشرفیہ“ ہے جس کا صدر مقام لاہور ہے۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے یہ حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی کی طرف منسوب ہے، جن کا نام آسمان علم و عمل میں چمکتا و مکتا رہے گا، جن کی تحریری خدمات تا قیام ہنگامہ یوم النشو راہیک یادگار کے طور پر زندہ و تابندہ رہیں گی، جن کا دیا ہوا النح عمل اور پھیلائی ہوئی فکر اور جن کا علمی ذخیرہ آفتاب کی طرح روشنی پھیلاتا رہے گا۔

مسلک

جامعہ اشرفیہ کا مسلک عقائد اہل سنت والجماعت مذہب حنفی اور مشرب دیوبند کے مطابق ہے، جامعہ کا طریقہ فکر و عمل حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی، امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے مطابق ہے، جامعہ اکابرین علماء دیوبند کے عقائد و نظریات پر مشتمل کتاب ”المہند علی المنہد“ کو ایک محور کی حیثیت سمجھتا ہے، جامعہ کے ارکان، عہدیداران اور مدرسین کے تقرر میں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ وہ مسلک و مشرب کے مطابق ہوں۔

طریق کار

جامعہ اشرفیہ مثبت انداز میں دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ کو امت کے مفاد عامہ میں بہتر خیال کرتا ہے، اس لئے مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر میں پائے جانے والے فروعی اختلاف کو درخور اعتناء نہیں سمجھتا، اس میں حضرت تھانوی کے مشہور قول ”اپنا مسلک چھوڑو نہیں دوسروں کو چھیڑو نہیں“ پر سختی سے عمل پیرا ہے، جامعہ مختلف مذاہب کے مابین پائے جانے والے اصول و فروعی اختلافات کو دور کرنے کیلئے سلف صالحین کے طرز عمل کو اپناتے ہوئے سوائے منزل رواں دواں ہے۔

جامعہ اشرفیہ کی غرض و غایت

جامعہ اشرفیہ کے قیام کے اغراض و مقاصد یہ ہیں:

(۱) عامۃ الناس میں دینی علوم، قرآن و حدیث، عقائد اہل سنت والجماعت، فقہ حنفی اور ان کے متعلقہ علوم کی ترویج و اشاعت۔

(۲) قرآن، حدیث، اور فقہ کی ایسی مکمل اور محققانہ تعلیم کا انتظام اور انصرام کرنا جس سے ضروریات دین اور عصر حاضر کے جدید تقاضوں کا خیال رکھا جائے۔

(۳) ایسے محقق اور ماہر علماء تیار کرنا جو دین اسلام کو ٹھوس اور مضبوط بنیادوں پر پورے عالم میں پہنچا سکیں۔

(۴) ایسے ماہر مدرسین تیار کرنا جو مسند تدریس پر بیٹھ کر تشنگان علوم کی علمی پیاس بجھا سکیں۔

(۵) علماء و فضلاء پر ایسی محنت کرنا جو دین کے مختلف شعبہ جات مثلاً قضاء، تبلیغ، مناظرہ، عربی و اردو زبان

میں تحریر و تقریر کے علاوہ تصنیف و تالیف کے میدان میں دین اسلام کی نمایاں خدمات سرانجام دے سکیں۔

جامعہ اشرفیہ کا نصاب تعلیم

انسانوں اور حیوانوں کے درمیان حد فاصل علم اور عقل و دانش کی وجہ سے قائم ہوتی ہے، حضرت انسان کی تخلیق خاک کے ذروں اور کیچڑ سے ہوئی، مگر اسے عظمت، بلند اور رفعت فرشتوں سے بھی زیادہ ملی، اس کی وجہ کیا ہے؟ نہ مال، نہ دولت، نہ کثرت، نہ سامان ضرب و حرب، نہ محلات اور نہ ہی قصر ہائے عالی شان، بلکہ علم کی بدولت انسان اوج ثریا پہ پہنچا، ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو عزت و عظمت کے خلعت سے علم کی بدولت نوازا گیا، آدم مجھو دلائم کیوں ٹھہرے؟ علم کی وجہ سے، حضرت انسان کے علم کے آگے ملائکہ کو بھی سپر انداز ہونا پڑا۔ رب تعالیٰ نے اپنی کتاب زندہ قرآن میں اہل علم اور جاہلوں کو یکساں نہیں قرار دیا، واضح، دو ٹوک، واضح و اشکاف اور کھلے لفظوں میں ارشاد فرمایا قل هل يستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جہلاء کو حکم دیا گیا کہ اپنی جہالت کی سیاہی و تاریکی کا فوراً کرنے کیلئے اہل علم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کریں، ارشاد فرمایا قسما سئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون اسے طائفہ جہالت! اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو۔

علماء کے مقتدی اور قافلہ اہل علم کے سپہ سالار حضرت محمد عربی علیہ السلام یوں تو ساری کائنات کیلئے رحمت کا مجسمہ بن کر جلوہ گر ہوئے لیکن ان کی نسبت سب سے پہلے جس چیز کی طرف ہوئی وہ علم کا حصول ہے، وہ ہنام خدا پڑھنا ہے سب سے پہلی وحی بخاری شریف کی روایت کے مطابق یہ اتری کہ اقرأ باسم ربک

الذی خلق اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھیے۔

ان آیات سے واضح ہوا کہ:

(۱) علماء اور جہلاء کا مقام ایک سا نہیں ہے۔

(۲) اہل علم سے جہلاء کو استفادہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

(۳) امت ختم المرسلین کیلئے سب سے اولیں فرمان جو جاری کیا گیا وہ پڑھنے سے متعلق ہے،

حصول علم کا ذکر کیا گیا، علم کو مسلمانوں کا دستور العمل اور لائحہ عمل قرار دیا گیا۔

رحمۃ للعالمین ﷺ نے علم کے مرتبہ کو یوں چار چاند لگائے کہ فضائل المعالم علی العابد کفضل علی ادناکم عالم جاہل پر اتنی ہی فوقیت رکھتا ہے جتنا میں تم میں سے کسی عام شخص پر فضیلت رکھتا ہوں۔ امام جلال الدین سیوطی کی نقل کردہ روایت کے مطابق ارشاد نبوی ہے علمماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل میری امت کے علماء کا وہ مرتبہ ہے جو بنی اسرائیل کے انبیاء کا تھا۔

ہمارے نزدیک علم کسی زبان کو پڑھنا اور سیکھنا نہیں ہے، کسی زبان کو پڑھنا اور اس کی گرامر سیکھنا علم نہیں ہے، انگریزی، عربی، اردو یا پشتو زبان سیکھنا علم نہیں ہے بلکہ قرآن و سنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا اور معرفت خداوندی حاصل کرنا علم ہے، قرآن کریم لائحہ عمل اور دستور ہے، یہی علم کا منبع اور سرچشمہ ہے۔

بانی پاکستان محمد علی جناح صاحب نے کہا تھا ”قرآن مسلمانوں کا ضابطہ حیات ہے، اس میں مذہبی، مجلسی، دیوانی، فوجداری، عسکری، تعزیری، معاشی تک روح کی نجات سے لے کر عقبی کی سزا و جزا تک ہر فعل و قول اور حرکت پر مکمل احکام کا مجموعہ ہے“ (بحوالہ آئینہ آئین و قواعد مؤلفہ مولانا خیر محمد جالندھری)

حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرما کر انسان پر احسان عظیم کیا گیا اور مقصد بعثت بھی سنہری الفاظ میں بیان کیا گیا، ارشاد ہے لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولاً من انفسہم یتلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ آیت مبارکہ میں رحمت و عالم ﷺ کے یہ مقاصد بعثت بیان کئے گئے:

(۱) تلاوت آیات (۲) تزکیہ نفوس (۳) تعلیم کتاب (۴) تعلیم حکمت

ایک مقام پر ارشاد ہے انا انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم ولعلہم یتفکرون اس میں قرآن حکیم اتارے جانے کی حکمت بالغیبان کی گئی ہے تاکہ لوگوں کو قرآنی علم کی روشنی میں آگاہ کیا جاسکے جو احکامات خداوندی اترتے ہیں ان کیلئے ان ارشادات کو واضح بیان کرے تاکہ فکر و فراست سے ان پر عمل کر سکیں۔

اس آیت میں کیا بیان کرنا مقصود ہے؟ اس میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ حضور ﷺ شارح قرآن ہیں، اب آپ ﷺ کو شارح قرآن کی حیثیت سے بھی کام کرنا پڑے گا، شارح قرآن ﷺ نے کتاب ہدایت کی جزئیات اس سہل انداز سے بیان فرمادیں کہ ہر فرد بشر پر عمل کرنا آسان ہو گیا۔

مغربی مفکر ڈاکٹر گبن نے یوں لکھا تھا ”قرآن کی نسبت بحر اٹلانٹک سے لے کر دریائے گنگا تک نے مان لیا ہے کہ یہ پارلیمنٹ کی روح ہے قانون اساسی ہے“۔ وہ لکھتا ہے ”حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی شریعت سب پر حاوی ہے، وہ اپنے تمام احکام میں بڑے سے بڑے شہنشاہ سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے فقیر و گدا تک کیلئے مسائل و مہمانی رکھتی ہے“ (بحوالہ آئینہ)

ایک امریکی کمپنی جو حکومتوں کے آئین کا جائزہ لے رہی تھی، نے سلطنتوں سے قانون و دستور کی کتاب طلب کی تو سلطان ابن سعود نے قرآن حکیم کا ایک نسخہ دے دیا اور بانگ دہل کہا کہ ہماری سلطنت کا آئین و دستور یہی کتاب ہے جس پر موزمملکت چلائے جا رہے ہیں۔

قرآن، قرآن کی تفسیر اور توضیحات کے ساتھ ساتھ حدیث رسول ﷺ کی دین میں بڑی اہمیت ہے، دین اسلام سے احادیث کو حذف کر دیا جائے تو انسان جادہ حق سے بھٹک جائے اور چاہ ضلالت میں گر جائے۔ حدیث کے بعد فقہ ہے، جس کی روشنی میں انسان قرآن و سنت کی روشن تعلیمات پر آسانی عمل کر سکتا ہے، فقہ کے بغیر انسان قرآن و حدیث کو نہیں سمجھ سکتا۔

جامعہ اشرفیہ کے طلباء کیلئے کو یا بنیادی طور پر تین چیزوں کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنا کہ ان کی زندگی کے بقاء کیلئے پانی اور ہوا کی ضرورت ہے، جس طرح پانی اور ہوا کے بدوں زندگی برقرار نہیں رہ سکتی، ان مبادی کو ترک کرنے سے ایمان برقرار نہیں رہ سکتا بقول مولانا خیر محمد جالندھری ”مولوی بننا ہر شخص کیلئے ضروری نہیں ہے لیکن دین سے آگاہ رہنا ضروری ہے، میں کہتا ہوں کہ قرآن و حدیث و فقہ کا زبانی یاد کرنا ضروری نہیں، لیکن ان کی وہ باتیں جو ایمان کیلئے اور دیندار بننے کیلئے ضروری ہیں ان کا سیکھنا اور جاننا ازل سے ضروری ہے“۔

حضرت محمد عربی ﷺ نبی و رسول ہیں، وہ قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا نظام حاصل کر سکتے تھے کہ جس کی بدولت لوگ دیندار بن جائیں، لیکن آپ ﷺ نے ایسا کرنے کی بجائے مدرسہ کی بنیاد رکھی، جس کو مدرسہ نبوی کہا جاسکتا ہے، جو مسجد نبوی میں قائم کیا گیا ”اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم“ کا ایک حلقہ بنا جن میں ایک شخص قرآن کی تلاوت کرتا تھا اور باقی سب ہمہ تن گوش ہو کر سنتے تھے۔

حضرت ﷺ کا یہ طریقہ چلتا رہا، دین کا کام بڑھتا رہا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے زمانہ کے

تقاضوں کے مطابق اس کام کو وسعت دی، اب فرق یہ ہوا کہ پہلے علوم و فنون انسانی سینوں میں محفوظ ہوتے تھے اب سینوں سے نکل کر سفینوں میں آنا شروع ہو گئے، تحریر و تصنیف کا آغاز ہوا، مکاتب قائم ہوئے، اساتذہ کے مشاہیر مقرر ہوئے، جہاں جہاں جس جس جگہ مدرسہ کی ضرورت پیش آتی وہاں مسجد تعمیر کر دی جاتی، بوقت نماز نماز پڑھی جاتی، باقی تمام اوقات میں پڑھائی ہوتی۔

عمر بن عبدالعزیز کے بعد پانچویں صدی میں ایک انقلاب یہ آیا کہ مسجدوں سے مدرسہ کی عمارت کو الگ کیا جانے لگا، مدرسوں کی عمارت الگ سے بنائی جانے لگیں، طلبہ و اساتذہ کیلئے رہائش گاہیں بھی بنائی جانے لگیں اور بہت ساری تہذیبیں رونما ہونے لگیں، اس کے بعد سے اب تک تھوڑی بہت تہذیبی و ترمیم کے ساتھ مدارس کا یہ نظام جوں کا توں چل رہا ہے۔

ان ادوار میں کسی نہ کسی حد تک دین کی خوب خوب اشاعت و ترویج ہوئی، مساجد اور مدارس کی عمارت اگرچہ کچی تھیں لیکن نمازی اور علماء علم و عمل کے اعتبار سے مضبوط تھے، مسلمانوں میں باہمی رواداری اور محبت تھی، امن، سکون اور چین کی زندگی بسر کی جاتی تھی، طلبہ صبح و شام مطالعہ تکرار اور اسباق یاد کرنے میں اپنے اوقات صرف کرتے تھے۔

جامعہ اشرفیہ میں پہلے دارالعلوم دیوبند میں پڑھایا جانے والا نصاب تعلیم پڑھایا جاتا تھا، لیکن جب سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی بنیاد ڈالی گئی، جامعہ اشرفیہ کا وفاق سے الحاق ہوا پھر اس کے نصاب کو وفاق کے نصاب کے مطابق کرنا پڑا، بلکہ وفاق المدارس کا نصاب ہی جامعہ کا نصاب بنا دیا گیا۔

یہ بات ارباب علم اور شائقین علوم دینیہ کیلئے خوش کن ہے کہ جامعہ اشرفیہ کی درجہ عالمیہ کی سند کو مسلمہ حیثیت حاصل ہے، سرکاری و غیر سرکاری اداروں میں اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے جامعہ کی سند کو ایم اے عربی و اسلامیات کے برابر تسلیم کیا ہے، جامعہ اشرفیہ کی سند کی حیثیت اور وقعت بعض مقامات پر وفاق المدارس العربیہ کی سند سے بھی زیادہ سمجھی جاتی ہے، اسی لئے جامعہ اشرفیہ کا سند یافتہ عالم جامعہ کی سند پر پی ایچ ڈی کی ڈگری کیلئے اپنا داخلہ کروا سکتا ہے۔

حضرت مولانا وکیل احمد شیروانی مدظلہم

حضرت تھانوی اور ان کے خلفاء

صدیوں پہلے پیشین گوئی

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی وفات سے کچھ عرصہ قبل حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند ڈھاکہ سابقہ مشرقی پاکستان تشریف لے گئے، وہاں اپنے میزبان سے معلوم ہوا کہ بنارس میں ایک کتاب سنسکرت زبان میں ہے جس کی بے شمار جلدیں ہیں، اس کتاب کی ایک جلد یہاں ڈھاکہ میں اس خاندان کے ایک فرد کے پاس موجود ہے، اس جلد میں ممتاز دینی شخصیتوں کے حالات اور واقعات درج ہیں، اگر آپ دیکھنا چاہیں تو چل کر دیکھ لیں، حضرت قاری صاحب نے احقر کے نام اپنے ایک گرامی نامہ کے اندر اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے جو قارئین کی دلچسپی کیلئے پیش خدمت ہے، فقط۔ وکیل احمد شیروانی غفرلہ خادم مجلس صیانت المسلمین پاکستان

.....

السلام علیکم..... تحریر فرمودہ واقعہ میں تحریف ہو گئی ہے شاید نقل کی یادداشت کی کمی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے، اصل واقعہ یہ ہے کہ:

تقریباً ۳۵ سال قبل میں ڈھاکہ گیا تھا، قیام حکیم حبیب الرحمن صاحب مرحوم کے یہاں ہوا جو اصل سے لکھنؤ کے باشندے تھے، باپ کے زمانہ سے ڈھاکہ میں آباد ہو گئے تھے، نہایت ذکی اور ذہین تھے، انہوں نے اتفاقی طور پر ذکر کیا کہ بنارس کے رہنے والے ایک صاحب یہاں ہیں، ان کا بیان ہے کہ ایک کتاب جو سنسکرت میں لکھی ہوئی ہے اس کی بارہ جلدیں تو بنارس میں ہیں اور باقی جلدیں (شاید دس بیس یا کم و بیش ہوں صحیح یا نہیں رہا) ہردوار میں ہیں، صرف ایک جلد کی نقل ان صاحب کے پاس ہے جو ہندوستان سے متعلق ہے، ان جلدوں میں ممتاز شخصیتوں کے حالات اور واقعات درج ہیں۔

میں نے حکیم صاحب سے عرض کیا کہ اس شخص سے تو ہمیں بھی ملاؤ شاید کچھ واقعات کا علم ہو، اس سے ملاقات کا وقت لے لیجئے، چنانچہ وقت مقررہ پر ان سے ملاقات ہوئی، وہ صاحب نوجوان اور خوش رو تھے، بات چیت شروع ہوئی، ان صاحب نے حکیم صاحب کے بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ وہ کتاب میرے پاس

موجود ہے، میں نے کہا کہ اگر ہندوستان کی شخصیتوں کے حالات دریافت کروں تو آپ بتلائیں گے؟ انہوں نے کہا ضرور مگر شرط یہ ہے کہ جن صاحب کے بارے میں معلوم کرنا ہو تو ان کا سن ولادت آپ بتلائیں، میں نے کہا بہت اچھا۔

حکیم الامت حضرت تھانوی کا ذکر

اس کے بعد میں نے کہا کہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے بارے میں بتلائیے اور ان کا سن ولادت میں نے بتلادیا، اس نے فوراً کتاب کھولی اور بیان کرنا شروع کیا، یعنی اس میں سے پڑھ پڑھ کر سنایا کہ ”ہندوستان کی ایک یگانہ روزگار شخصیت ہوگی، علم بہت وسیع ہوگا، شہرت کافی ہوگی، ایسا رشی صدیوں میں پیدا ہوتا ہے، اس سے ہزاروں آدمی مستفید ہوں گے، وطن تھانہ بھون ہوگا، ان کے ایک بھائی ہوں گے جو ذہانت اور ذکاوت میں اوروں سے کم نہیں ہوں گے، مگر علمی لائن کے آدمی نہیں ہوں گے، نہ شہرت یافتہ ہوں گے، مولانا کے اولاد نہ ہوگی مگر روحانی اولاد بہت کثیر ہوگی اور سب دیندار لوگ ہوں گے، متقی ہوں گے۔“

غرض حضرت تھانوی کی بڑی عظمت بیان کی، میں نے دل میں خیال کیا کہ حضرت تھانوی کی شخصیت معروف و مشہور رہے ممکن ہے کہ اس شہرت پر سنی سنائی باتیں نقل کر دی ہوں، تو میں نے حضرت کے کچھ خانگی حالات پوچھے تو اس نے وہ بھی من و عن بیان کئے جو عام لوگوں کے علم میں نہیں آ سکتے تھے، تو پھر میں نے پوچھا کہ ان کے خلفاء میں سے کسی کا حال بیان کیجئے، اس نے کہا کہ ان کی ولادت کا سن بتائیے۔

حضرت مولانا محمد عیسیٰ الہ آبادی کا ذکر

میں نے حضرت کے خلیفہ نما حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی کے متعلق پوچھا اور ان کا سن ولادت بتایا تو اس نے کہا کہ ”یہ حضرت کے خلفاء میں ممتاز شخصیت ہیں، ان کی عمر اتنی ہے، حال ایسا ہے، (اور وہ صحیح کہا حتیٰ کہ اس نے کہا کہ) وہ اپنی جائیداد وقف علی الاولاد کریں گے۔“

حالانکہ یہ واقعہ ایسا تھا کہ صرف میرے ہی علم میں تھا، مولانا الہ آبادی دیوبند تشریف لائے تھے اور وقف علی الاولاد کے بارے میں مسودات ساتھ لائے تھے اور مجھے فرمایا کہ میں نے اس کا ذکر کسی سے نہیں کیا صرف تجھ سے کیا ہے، اس کا افشاء نہ کیا جائے مگر اس شخص نے کتاب سے پورا پورا واقعہ جو مجھ پر پیش آیا تھا سب بیان کر دیا۔

حضرت تھانوی کے خلفاء کرام کا ذکر

پھر اس کے بعد میں نے پوچھا کہ ان کے خلفاء کتنے ہیں؟ تو اس نے پوری فہرست سنادی، حالانکہ اس

وقت بعض خلفاء کو اجازت بیعت ہونی تھی، ان کے بعد پھر دوسروں کو ہوئی، مگر اس نے ان کے نام بھی بتائے۔
حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا ذکر

اس فہرست میں میرا نام بھی آیا، اس نے کہا کہ ”ان کے ایک خلیفہ طیب (طیب) ہیں جو دیابان (دیوبند) کے رہنے والے ہیں۔“

حالانکہ میں نے ابھی اس سے اپنا تعارف نہیں کرایا تھا، نہ میزبان نے کرایا اور نہ وہ مجھ سے واقف تھا، میں نے اپنا سن ولادت بتلایا اور پوچھا کہ ان کے حالات کیا ہیں، اس نے کہا ”بڑے عالم ہیں ان کی شہرت بہت ہونے والی ہے اور وہ سفر کثرت سے کریں گے حتیٰ کہ بیرون ہند کے سفر بھی بہت کریں گے۔“

اس وقت تک میں نے صرف افغانستان کا سفر کیا تھا، دوسرے ممالک کا جن میں ایشیا، یورپ، مڈل ایسٹ اور افریقہ وغیرہ شامل ہیں ابھی تک سفر نہیں ہوا تھا، مگر اس نے ساری تفصیل بتلا دی۔

پھر کہا کہ ”وہ تین بھائی ہیں، ایک نوعمری میں انتقال کر جائے گا، دو بھائی زندہ رہیں گے، ان کی دو بہنیں ہوں گی، ایک نوعمری میں گزر جائے گی، دوسری زندہ رہے گی اور وہ صاحب اولاد ہوگی، ان کے والد کی دو شادیاں ہوں گی، پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوگی، یہ سب اولاد دوسری بیوی سے ہوگی۔“

اب یہ سارے واقعات خانگی تھے جن کا علم میرے سوا شاید آج تک بھی کسی کو نہیں، پھر اس نے میری شادی کا ذکر کیا اور رامپور (سسرال) کا قصبہ بیان کیا کہ ”بیوی وہاں کی رہنے والی ہوگی اور اپنے گھر کی رئیسہ ہوگی۔“

پھر میں نے مزید احتیاط کے طور پر کہا کہ ایک شخص مولوی وصی الدین ہیں (جو اس وقت سفر میں میرے ساتھ تھے اور دارالعلوم دیوبند کے طالب علم تھے) میں نے ان کے بارے میں پوچھا اور ان کا سن ولادت بتلایا اس نے مولوی وصی الدین کے خانگی حالات سنائے جو صرف مولوی صاحب ہی کے علم میں تھے، وہ بھی حیران رہ گئے۔

حضرت حکیم الامت سے اس واقعہ کا ذکر اور حضرت کا ارشاد

اس سفر سے واپسی کے بعد تھانہ بھون حاضر ہو کر سارا واقعہ حضرت تھانوی کو سنایا، حضرت نے فرمایا کہ ”اس واقعہ کی تعلیٰ کی کوئی وجہ نہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ سارے واقعات کتاب میں درج ہوں اور ممکن ہے کہ انبیاء سابقین پر منکشف ہوئے ہوں اور وہ لکھ لئے گئے ہوں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ ایک دن گھر سے باہر تشریف لائے اور آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں، اور فرمایا اَلْهَذَا كِتَابُ مَنْ رَبِّ

العلمین و هذا کتاب من رب العلمین دائیں ہاتھ کی کتاب کے بارے میں فرمایا کہ اس میں تمام ان بنی آدم کے نام اور حالات لکھے ہوئے ہیں جو جنتی ہونے والے ہیں، اور بائیں ہاتھ کی کتاب کے بارے میں فرمایا کہ اس میں تمام ان لوگوں کے اسماء و احوال لکھے ہوئے ہیں جو جہنمی ہونے والے ہیں، اور پھر دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر ارشاد فرمایا تو دونوں کتابیں غائب تھیں۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شام میں ایک کتاب برآمد ہوئی جس میں خاص قواعد کے ذریعہ دنیا کے ماضی اور مستقبل کے بارے میں واقعات کا استخراج کیا جاسکتا تھا، لوگوں میں اس کتاب کا چرچا ہوا اور وہ فتنہ کی صورت اختیار کر گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کا سفر کیا اور اس کتاب پر قبضہ کیا اور گیارہ قبریں کھودنے کا حکم دیا، جب قبریں تیار ہو گئیں تو ایک دن شب میں کسی وقت پہنچ کر اس کتاب کو ایک قبر میں دفن کر کے گیارہ کی گیارہ قبروں کو اوپر سے برابر کر دیا جس سے یہ فتنہ ختم ہو گیا۔ یہ ہے وہ واقعہ جس کے بارے میں آپ نے تصحیح چاہی۔ فقط

محمد طیب رئیس عمومی دارالعلوم دیوبند

وارد حال لاہور، ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ

نیز حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور نے بھی ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے بھی اس کتاب کو دیکھا تھا اور فرمایا تھا کہ اس کتاب میں حضرت تھانوی کی وفات کی تاریخ اور دن بھی درج تھا۔

ایک دفعہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ نے اپنی مجلس میں اس واقعہ کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ جب مولانا طیب صاحب اس واقعہ کو بیان کرتے کرتے اس جملہ پر پہنچے کہ ”ایسا رشتی صدیوں میں پیدا ہوتا ہے“ تو اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، فوراً دیوار سے ہٹ کر فرمایا کہ ”میری ہی کیا خصوصیت ہے جو بھی آتا ہے اس کی نظیر صدیوں میں آتی ہے“ حضرت کے اس ارشاد سے تواضع، انکسار بیت اور فنا نیت اتم درجے میں ظاہر ہوتی ہے۔

نوٹ: حضرت قاری محمد طیب صاحب کی اصل تحریر مجلس صیائہ المسلمین لاہور کے دفتر میں محفوظ ہے۔

فقیر العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور رزمی رحمہ اللہ

مختصر تذکرہ

مخدوم الامۃ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمہ اللہ تعالیٰ

بازگوار نجد و از یاران نجد تا درود پوار را آری بوجد

کز برائے صحبت حق سالہا بازگور مزے ازاں خوش حالہا

ماہنامہ ”الحسن“ لاہور کا خصوصی نمبر کل پہنچا جو حضرت اقدس مرشدی مفتی محمد حسن صاحب امرتسری بانی جامعہ اشرفیہ لاہور، سابق صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ حال بازار امرتسر سے متعلق تھا، اس کو بقدر فرصت و ہمت دیکھ کر طبیعت میں تقاضا لکھنے کا ہوا، میری طبیعت کسی تفصیلی تحریر کی متحمل نہیں، دل کا مریض ہونے کے ساتھ ساتھ بیٹائی بھی کمزور ہو چکی ہے، حافظے کا تویہ حال ہے کہ یہ بھی یاد نہیں کہ اس وقت جو کچھ لکھوں گا وہ پہلے ہی میں نے کہیں لکھ نہ دیا ہو، تو اب بے ضرورت ہی مشقت ہوگی، لیکن اہل اللہ کی صحبت اور ان کے تذکرے بھی خالی از نفع نہیں ہوتے اس لئے یہی خیال غالب آیا کہ کچھ لکھنا ہی چاہئے اور اس ”بزم حسن“ میں شریک ہونا ہی چاہئے، لانی۔

احب الصالحین ولست منهم لعل اللہ یرزقنی صلاحاً

ماہنامہ ”البلاغ“ کراچی کے ”مفتی اعظم نمبر“ میں بھی ”تر بیت باطنی“ کے تحت احقر حضرت مفتی صاحب کا مختصر تذکرہ لکھ چکا ہے۔

مدرسہ خانقاہ اشرفیہ

اس ناکارہ کی ظاہری تعلیم حکیم الامت حضرت تھانوی کے مدرسہ خانقاہ میں شروع ہوئی، حضرت والد صاحب قدس سرہ (مفتی سید عبدالکریم گمٹھلوی) حضرت حکیم الامت کے خاص صحبت یافتہ اور وہاں کے مدرسہ کے مفتی رہے تھے، ناکارہ بھی ہمراہ رہا اور حضرت حکیم الامت کی زیارت و صحبت بلکہ تبرکات بیعت کی سعادت سے بھی مشرف ہوا، اگرچہ یہ ناکارہ۔

تہی دستان قسمت را چہ سودا ز رہبر کامل کہ خضر از آب حیواں تشنمی آرد سکندر را

کا مصداق بن کر رہ گیا، البتہ حسب بشارت حضرت اقدس ﷺ ہم القوم الذی لا یشغی جہاں سہم امید ہے کہ محرومی نہ رہے گی، اس پر اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ادا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے قطب دوران مجدد زمان

حکیم الامت کے جلیس ہونے کی دولت سے نوازا اور مجلس باہرکت کی باریابی اور حاضری سے مشرف و معزز فرمایا، امید ہے کہ بقول حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مرحوم ”میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے“ ان شاء اللہ العزیز محرومی نہ ہوگی یوما ذلک علی اللہ بعزیز۔

میرے محترم بھائی مولانا محمد عبید اللہ صاحب زادہ فیضیہم حضرت مفتی صاحب کے ہمراہ ہر سال ماہ رمضان المبارک تھانہ بھون کی خانقاہ اشرفیہ میں ہی گزارتے تھے، احقر تو کھیل کود میں ہی وقت گزارتا تھا، برادر موصوف حسب فرصت ہماری اس کھیل کی ٹیم میں شرکت کر لیتے، خاص کر دوپہر کو چھٹی کے وقت حضرات اہل خانقاہ شب بھر کے ذکر و اذکار سے تھکے ہوئے آرام فرماتے تھے اور ہم اپنے کھیل کود کے کاروبار میں مشغول ہو جاتے، میدان خانقاہ کے سامنے اور متصل ہی تھا، جب اذان ظہر ہوتی تو اکثر حضرت مفتی صاحب خانقاہ کے دروازے پر آ کر آواز دیتے عبید اللہ، عبدالشکور! یہ آواز سنتے ہی سب کھیل ختم اور مسجد میں آ جاتے تھے۔ مجھے ایک دن (روزے کی حالت میں) پیاس لگی ہوئی تھی، حضرت مفتی صاحب کی آواز سنتے ہی مسجد کی طرف بھاگے، وہاں دروازے میں داخل ہوتے ہی کنواں ہے اور پانی بھی مشکوں میں رکھا ہوتا تھا، جاتے ہی مشکے میں سے پانی پینا شروع کر دیا کسی نے روکا نہیں اور روکنے سے ہوتا کیا، بس پانی بھی پی لیا اور روزہ بھی رہ گیا، حضرت مفتی صاحب بھی مسکراتے رہے، پہلے شاید یہ خیال ہوگا کہ روزہ رکھا ہوا نہیں ہے۔

ایک خاص اعزاز

برادر محترم ہمارے ساتھ بس کھیل کے شریک تھے، تعلیم میں وہ ہم سے بہت فائق تھے اور اعزاز میں تو ان کا کوئی سہیم و شریک ہی نہیں کہ ان کی ہر کتاب کی ابتدا حضرت حکیم الامت نے کرائی، کوئی ایک آدھ طالب علم ایسا ہوگا جس نے حضرت حکیم الامت سے ایک دو کتابوں کی بسم اللہ کی ہو ورنہ ہمارے برادر محترم ہر کتاب میں حضرت حکیم الامت کے تلمیذ ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بارک اللہ فی عمرہ وفی حیاتہ امین ثم امین۔

بہر حال اس ناکارہ کی مثال تو وہی ہو گئی کہ بارہ برس دلی میں رہے اور بھاڑ ہی جھونکا، واقعی استعداد ہی نہ ہو اور عمل کی جگہ صفر ہو تو مرشد کامل اور خضر طریق کی صحبت سے بھی کچھ ہاتھ نہیں آتا جیسا کہ پہلے شعر میں گزر چکا ہے۔

تجدید بیعت

حضرت مفتی صاحب پر فنائیت فی الشیخ غالب تھی اور حدیث من تواضع للہ رفعہ اللہ کے

صحیح مصداق تھے، اس لئے حضرت حکیم الامت تھانوی کی وفات کے بعد جب احقر نے اپنی تربیت کا باضابطہ تعلق حضرت مفتی صاحب سے کیا اور تجدید بیعت کی درخواست کی تو اس پر تحریر فرمایا ”تم کو بیعت کی ضرورت نہیں، البتہ اصلاحی تعلق کی اجازت دے دی، اس سلسلہ میں بعض خطوط ارسال کرنے کی نوبت بھی آئی۔
بارہ تسبیح

ایک مرتبہ لاہور حاضری پر بکمال شفقت دوازدہ تسبیح معمولہ مشائخ کی تعلیم بھی دی اور خود کر کے دکھلایا، بھمد اللہ حضرت مفتی صاحب کی برکت سے اس پر عمل کی توفیق ہوتی رہی۔
ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ

جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد بالائی منزل پر حضرت مفتی صاحب کی بوجہ معذوری نشست گاہ تھی، وہیں ظہر کے بعد کچھ دیر کیلئے مجلس ہوتی اور فنایت فی الشیخ کا اس میں ظہور ہوتا کہ اپنے ملفوظات کی بجائے عزیز محترم مولانا عبید اللہ صاحب سلمہ سے حضرت حکیم الامت تھانوی کے ملفوظات پڑھائے جاتے۔
عظیم بشارت

ایک دن ملفوظات پڑھتے ہوئے اذان عصر ہو گئی، مسجد قریب ہی ہے، اذان کے بعد فرمایا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مؤذن کے ساتھ اذان کے کلمات جواب میں کہے اور پھر دعاء وسیلہ پڑھے تو میں اس کی شفاعت کروں گا، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اذان کا جواب دے اور دعاء وسیلہ پڑھے اس کی موت ایمان پر آئے گی، جب ہی تو آنحضرت ﷺ اس کی شفاعت کا وعدہ فرما رہے ہیں، آپ کافر کی شفاعت تھوڑا ہی کریں گے (شفاعت کبریٰ کے علاوہ) حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ اس حدیث میں اس عمل کرنے والوں کو بشارت دی ہے کہ ان کی موت ایمان پر ہوگی، سبحان اللہ! کیا عجیب استنباط فرمایا، ساری عمر یہ حدیث پڑھتے پڑھاتے گزر جاتی ہے بس اس سے جواب اذان اور دعاء وسیلہ کرنے کی فضیلت ہی بیان کی جاتی ہے آگے ذہن جاتا ہی نہیں ہے کہ اس میں کس قدر عظیم بشارت موت علی الاسلام کی مخفی ہے، اللہ تعالیٰ فہم سلیم اور عمل مستقیم کی دولت سے نوازیں، آمین۔

آیت کی تشریح

ایک مرتبہ مجلس میں احقر بھی حاضر تھا، احقر کو مخاطب ہو کر فرمایا قل ان کنتم تحبون اللہ فساتبعونی یحببکم اللہ میں ربط کس طرح ہے؟ احقر کیا عرض کرنا خاموش رہا، عرض کیا حضرت فرمائیں، تو فرمایا پھر بتلائیں گے، احقر کو ساہیوال واپس آنا تھا، اجازت لے کر واپس آ گیا، دل میں خلجان رہا واپس

لاہور حاضر ہوا، اوپر اطلاع کی، حضرت مفتی صاحب نے اوپر ہی بلالیا حالانکہ وہ وقت ملاقات کا نہیں تھا دوپہر کا وقت تھا، احقر نے عرض کیا کہ احقر اس آیت مبارکہ کے سلسلہ میں خلجان رفع کرنے آیا ہے، بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے اتنے محبوب ہیں کہ جو ان کی چال چلتا ہے یعنی اتباع کرتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے، ان کستم تحبون اللہ سے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا طریقہ معلوم کرنا تھا، اللہ تعالیٰ نے فساتبعونسی میں محبوب بننے کا طریقہ بتلادیا کہ آنحضرت ﷺ کی اتباع سے صرف ”محبت“ ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے، واللہ درہ۔

پیر مہر علی شاہ صاحب کا تذکرہ

ایک مرتبہ فرمایا تم نے پیر مہر علی شاہ صاحب کی کتاب ”اعلاء کلمۃ اللہ“ کے آخری ورق ”الاعتبار“ کا عنوان پڑھا ہے، احقر نے عرض کیا پڑھا ہے، حضرت مفتی صاحب نے فرمایا اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ جس طرح حلال جانور کا آخری سانس اللہ کے نام کے بغیر نکل جاتا ہے تو وہ جانور مردار، حرام ہو جاتا ہے، ارشاد ربانی ہے ولا تأکلو مما لم یذکر اسم اللہ علیہ و انہ لفسق اس طرح انسان کا جو سانس اللہ تعالیٰ کے نام کے بغیر نکلتا ہے وہ مردار ہوتا ہے (پاس انفس کی صوفیاء کرام اسی لئے مشق کراتے ہیں تاکہ کوئی سانس بغیر اللہ کے نام کے نہ نکلے، جاگتے میں نہ سوتے میں) حضرت مفتی صاحب نے یہ واقعہ بھی سنایا کہ ایک صوفی عبدالرحمن نامی نے ایک رسالہ توحید و جود پر لکھا، پیر صاحب موصوف نے جواب لکھا اور اس کے نام کی تعریف حضرت حکیم الامت تھانوی نے بھی فرمائی تھی، غالباً ”کلمۃ الحق“ نام تھا۔

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ اس زمانہ میں اپنے علاقہ کے جس عالم کے پاس پڑھتا تھا ان کے پیر صاحب موصوف ہم سبق ساتھی تھے، انہوں نے پیر صاحب کے نام ایک خط اس رسالہ کے بارہ میں لکھا تھا کہ صوفی عبدالرحمن کے رسالہ کی فلاں شق کا جواب آپ کے رسالہ میں نہیں آیا اور وہ دتی میرے ذریعہ پیر صاحب کے پاس بھیجا تھا، مفتی صاحب فرماتے تھے کہ پیر صاحب نے اس کے جواب میں صرف یہ کہا کہ بندہ کو استیجاب مقصود نہیں تھا۔ پیر صاحب کی کتاب ”سیف چشتیائی“ کا حوالہ رد قادیانی کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامت تھانوی نے آیت بل رفعہ اللہ الیہ کے تحت تفسیر بیان القرآن میں بھی دیا ہے۔

نماز جنازہ میں بطور دعا سورہ فاتحہ پڑھنا

دوپہر کی حاضری کے وقت (غالباً احقر کی وہ آخری حاضری ہوگی) یہ بھی فرمایا کہ میرے استاد مولانا نور احمد صاحب نقشبندی امرتسری عید گاہ کے امام تھے، انہوں نے مجھے عید گاہ کا امام مقرر فرمایا اور وصیت

فرمائی کہ میرے جنازے کی نماز تم پڑھانا اور اس میں سورہ فاتحہ بھی پڑھنا احقر نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے بھی اپنے وصیت نامہ میں یہ ارقام فرمایا ہے، تو حضرت اس موافقت سے بڑے خوش ہوئے اور بار بار فرمایا کہ تم نے خود پڑھا ہے، احقر نے عرض کیا وہ وصیت نامہ طبع شدہ ہے اور ”مالا بد منہ“ کے آخر میں لگا ہوا تھا، اب شاید نہیں ہے۔ حضرت مفتی صاحب جب لکھی بات سے خوش ہوتے بار بار اس کا تکرار فرمایا کرتے تھے، ذکر ہوتے ہوتے یہ بھی ذکر آ گیا کہ بطور دعا فاتحہ کا جنازہ کی نماز میں پڑھنا فقہائے احناف نے بھی لکھا ہے، حضرت مفتی صاحب نے فرمایا اس کو عام لوگوں کو نہیں بتلانا چاہئے۔

ایک مجلس میں فرمایا مولانا داؤد غزنوی ملنے آئے تھے انہوں نے عجیب بات بیان کی کہ حدیث میں لا صلوة الا بغاتحة الكتاب آیا ہے، شوافع لاکئی نئی سے ڈر گئے اور انہوں نے صلوة جنازہ میں بھی جس کی حقیقت دعا ہے ”فاتحہ“ کو ضروری قرار دے دیا کہ بغیر فاتحہ اس کی بھی نئی نہ ہو جائے، اصل میں تقویٰ اور خوف دل کی کیفیت ہے، جس کے اندر یہ زیادہ ہو گا وہ شبہات سے بچے گا اور یہی تقویٰ ہے، آج کل لوگوں نے اس کو جنگ و جدال کا ذریعہ بنالیا ہے جو قابل اصلاح بات ہے۔

قربانی کیلئے جانور کا ذبح کرنا

خطیب شاہی مسجد لاہور مولانا غلام مرشد کی طرف سے جب قربانی کے مسئلہ پر بے احتیاطی کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی تو حضرت مفتی صاحب نے معزز علماء کرام اور صاحب قلم لوگوں کو جمع کر کے اس کے خلاف اجتماعی بیان دیا اور تین جمعہ تک جامع مسجد نیلا گنبد میں جمعہ سے پہلے اس پر بیان فرماتے رہے اور ثابت فرمایا کہ قربانی جان کا بدلہ ہے مال کا نہیں، مال کے دینے سے بغیر ذبح کے قربانی ادا نہ ہوگی، یہ تینوں تقریریں حضرت مفتی صاحب کی شائع شدہ ہیں ”انوار العلوم“ میں شائع ہوئی تھیں۔

تعمیر مسجد کی فضیلت

مسجد حسن کی چھت بن گئی پر صحن بے فرش تھا، جمعہ کے بعد حضرت الاستاذ مولانا محمد ادریس کاندھلوی کا وعظ ہوا جس کی وہ پورا سال تیاری کیا کرتے تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی بھی خوب ملاحظہ ہو رہے تھے، شروع پارہ سبقتوں پر تفصیلی بیان عصر کی اذان تک ہوا، اذان کیلئے وقت ہوا تو حضرت مفتی صاحب نے خلاف معمول فرمایا سب رک جائیں میں نے کچھ کہنا ہے، یہ تو مجمع کی خواہش اور آرزو تھی سب بیٹھے رہے، حضرت مفتی صاحب نے حدیث من بنی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنة پڑھی اور فرمایا کہ اس میں ولو کمفحص قضاة کی بھی زیادہ ہے قضاة بہت چھوٹا پرندہ ہے چڑیا سے بھی چھوٹا،

کنویں میں اکثر گھونسلا بناتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص قسطاً کے گھونسلا کی مقدار بھی مسجد میں حصہ لے گا اس کیلئے بھی جنت میں بہت بڑا محل تیار کیا جائے گا (ہیٹا میں تنوین تعظیم کی ہے) دس منٹ کے قریب حضرت مفتی صاحب نے ایسی تقریر فرمائی کہ مجمع بے خود ہو گیا، خصوصاً جب حضرت مفتی صاحب نے یہ فرمایا کہ یہ بات ہمیں تھانہ بھون کی خانقاہ سے حاصل ہوئی تو خود بھی حضرت مفتی صاحب بے خود ہو گئے اور مجمع بھی اپنی حالت میں نہ رہا اور حضرت مفتی صاحب بار بار فرما رہے تھے تھانہ بھون عجیب تھا، حضرت تھانوی عجیب تھے، بس اس پر وعظ ختم ہو گیا، جماعت عصر شروع ہو گئی، اس عجیب و غریب وعظ کے بعد پھر احقر نا لائق کو حضرت مفتی صاحب کی مجلسوں میں شرکت کا شرف تو حاصل ہوتا رہا مگر وعظ سننے کی سعادت پھر حاصل نہیں ہوئی۔

حکیم الامت حضرت تھانوی سے عقیدت و محبت

حضرت مفتی صاحب کی کوئی مجلس ہی شاید حضرت تھانوی کے ذکر سے خالی ہوتی ہو تو ہو، مجلس میں کسی نہ کسی طریقہ سے حضرت تھانوی کا ذکر یا ملفوظ کا آنا ناگزیر تھا، آپ من احب شیئا اکثر ذکرہ کے پورے مصداق تھے۔ حافظہ ایسا عمدہ تھا کہ حضرت تھانوی کے ملفوظات بلنظہ یاد تھے اور محبت کا بھی اس میں دخل تھا، محبوب کی نہ صرف بات یاد رہتی ہے بلکہ اس کی بیعت اور ادا کی کیفیت بھی یاد رہتی ہے۔ ایک مرتبہ یہ احقر رخصتی مصافحہ کر رہا تھا حضرت مفتی صاحب نے ایک ملفوظ حضرت تھانوی کا سنایا اور ساتھ ہی فرمایا یہ حضرت (تھانوی) کے الفاظ ہیں محمد حسن (یعنی حضرت مفتی صاحب) اگر چاہے بھی تو ایسے الفاظ نہیں بنا سکتا۔ جب اس چودھویں صدی کے بزرگوں کے یہ آثار طیبہ ہیں تو اس پر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ عشق و محبت کا حال معلوم کر کے غور کرو کہ انہوں نے آنحضور ﷺ کے اقوال و افعال و احوال کو کس قدر یاد رکھا ہوگا اور آپ کی احادیث کو کس درجہ ضبط کیا ہوگا۔

ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اب اس داستان عشق و محبت کو ایک واقعہ محبت پر ختم کرنا ہوں۔

حاضری کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ یہ احقر صبح کے وقت نیلا گنبد کے جامعہ اشرفیہ میں حاضر ہوا سردی کا موسم تھا حضرت مفتی صاحب نے اوپر بلا لیا، ایک صاحب پہلے سے بیٹھے تھے حضرت مفتی صاحب نے مجھ سے پوچھا ناشتہ کرنا ہے، احقر نے عرض کیا جی ہاں کرنا ہے، گھنٹی بجائی اسے ناشتہ کیلئے فرمایا، حضرت مفتی صاحب چارپائی پر تشریف فرما تھے برابر میں ایک میز تھی اس پر ایک اخبار کی کنگ رکھی تھی، حضرت مفتی صاحب نے فرمایا یہ پڑھو، احقر اٹھا وہ

کننگ اخبار کی ہی تھی، اندر سے ماشتہ آ گیا، ہم نیچے فرش پر بیٹھے تھے تو حضرت مفتی صاحب متوجہ ہوئے جھک کر پوچھا کیا ہے؟ احقر نے عرض کیا چائے ہے، پھر پوچھا اور کیا ہے؟ احقر نے عرض کیا گاجر کا حلوہ ہے، فرمایا کھاؤ سردی کے موسم میں عجیب تحفہ ہوتا ہے اور پھر حضرت مفتی صاحب کے گھر سے اس تبرک کو کیسے کھائیں، مگر ہم جیسے مائتروں، مائتقوں کو ایسے قابل قدر تحفوں کی کیا قدر؟ احقر ماشتہ سے فارغ ہوا وہ اخباری کننگ پڑھی پھر اس میز پر رکھ دی جہاں سے اٹھائی تھی، یہ بھی آداب اشرفیہ میں بڑی اہمیت کا ادب تھا کہ جس جگہ سے چیز اٹھاؤ اسی جگہ رکھو تا کہ دوسرے کو پریشانی نہ ہو وہ ڈھونڈنا نہ پھرے، المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویلہ میں یہ بھی داخل ہے، ہر عمل سنت کے مطابق اس کا ماخذ حدیث پیغمبر ﷺ، یہ دربار اشرفیہ سے تربیت حاصل کرنے والوں کی ہی خصوصیات میں سے ہے۔

جب میز پر وہ کننگ رکھ چکا تو حضرت مفتی صاحب نے ان صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آپ نے بھی یہ کننگ پڑھی تھی مگر آپ کو اس کے پڑھنے سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی عبدالشکور کو اس کے پڑھنے سے ہوئی کیونکہ اس نے حضرت تھانوی کو دیکھا ہے آپ نے نہیں دیکھا۔

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ احقر کے پڑھتے ہوئے حضرت مفتی صاحب احقر کے چہرہ بشارہ پر نظر رکھے ہوئے تھے اور مخفی طریقہ پر دونوں پر ہونے والے آثار کا موازنہ کر رہے تھے، حضرت مفتی صاحب کا ارشاد بالکل حق اور صحیح ہے ولقد صدق من قال ۔

شنیدہ کے بودمانند دیدہ ترا دیدہ و یوسف راشنیدہ

حضرت مفتی صاحب کی للہیت

ایک واقعہ مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھوی مرحوم کا سنایا ہوا یا د آ گیا، انہوں نے امرتسر میں حضرت مفتی صاحب سے چار سال میں موقوف علیہ تک تمام کتابیں پڑھ لیں، پھر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کے مشورہ سے پہلے مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب سے پھر دیوبند سے فراغت کے بعد اپنے وطن سے قریب خوشاب کی جامع مسجد میں ایک عرصہ تک خطیب رہے، اسی زمانہ میں حضرت مجدد صاحب کے روضہ مبارک پر سرہند حاضری ہوئی، واپسی پر حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کیلئے امرتسر بھی اتر گئے، حضرت مفتی صاحب سے ملاقات مسجد نور میں ہوئی، وہ وہاں درس قرآن دیا کرتے تھے، درس کے بعد گھر لے گئے، کھانا کھلایا، حالات معلوم کئے، میری زبان سے اہل بدعت کے بارہ میں ذرا سخت الفاظ نکل گئے تو حضرت مفتی صاحب نے روک دیا، میں نے عرض کیا کہ جب ہم آپ کے پاس پڑھتے تھے تو ایک بہت بڑے بدعتی کے انتقال کی

خبر اخبار میں پڑھ کر آپ نے بڑا سخت کلمہ فرمایا تھا، اب اس سے بھی کم درجے کے الفاظ سے منع فرمایا جا رہا ہے، فرمایا اس وقت ہم تھانہ بھون حاضر نہیں ہوئے تھے جب سے وہاں حاضری ہوئی اپنی برائیاں سامنے آگئیں اور دوسرے کی برائیاں پیچھے چلی گئیں، پہلے اپنی برائیاں پیچھے تھیں اور دوسرے کی برائیاں سامنے نظر آتی تھیں اس لئے ان کی اصلاح کی فکر تھی اب اپنی اصلاح کی فکر ہے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالکریم مختلوی کا تذکرہ

حضرت مفتی صاحب نے ایک مجلس میں احقر کو مخاطب کر کے فرمایا تمہارے والد مولانا مفتی عبدالکریم ایک مرتبہ امرتسر تشریف لائے اور طلبہ کا امتحان لیا، ایک سوال یہ کیا کہ لفظ ”مہتمم“ میں دو میم جمع ہیں صرفی قاعدہ سے ادغام ہونا چاہئے تھا اس میں ادغام کیوں نہیں ہوا؟ حضرت مفتی صاحب نے طلبہ کا جواب بھی ذکر فرمایا تھا جو مجھے اب یاد نہیں رہا، بہر حال اتنا سوال یاد ہے۔

اعمال صالحہ کا فائدہ

ظہر کے بعد کی ایک مجلس میں فرمایا کہ بندہ نیک اور صالح بن جائے تو اس کیلئے ہر نمازی مشرق و مغرب اور تمام سمتوں سے نماز میں دعا کرتے ہیں جیسا کہ التحیات میں السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین میں دعا کی تعلیم دی گئی ہے۔

نتیجہ

قد كنت كتبت هذه الوریقات فی مجلس واحد فی عدة ساعات و ختمت ولكن لاح لی بعد ذلك بعض الوقعات یناسب ذکرها ههنا فاذا ذکرها تذكرة للناظرین۔

طریق اصلاح

حضرت مفتی صاحب حضرت والد ماجد کے تعلق کے سبب احقر سے بہت ہی محبت و شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، اس کے ساتھ ہی اصلاح و تربیت کا خصوصی خیال فرماتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کی مجلس میں سرکاری سکے نوٹ کا ذکر آیا، حضرت مفتی صاحب نے حضرت تھانوی قدس سرہ کی تحقیق کا ذکر فرمایا کہ حضرت کے نزدیک یہ سداور رسید ہے، احقر بھی مجلس میں حاضر تھا احقر نے جرات کی اور یقیناً بے محل تھی، عرض کیا کہ فلاں بزرگ عالم ایک روپیہ کے نوٹ کو مال قرار دیتے ہیں کیونکہ اس پر وہ عبارت لکھی ہوئی نہیں ہوتی جو دوسرے نوٹوں پر ہوتی ہے جس سے نوٹ کا سداور رسید ہونا معلوم ہوتا ہے، یہ بات چونکہ مجلس کے موضوع اور آداب کے خلاف اور مجلس کو بحث کی مجلس بنادینے والی تھی اس پر فوراً تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ یہ مجلس مسائل کی

تحقیق کی نہیں ہے، احقر کو بھی محسوس ہوا یہ عرض اس وقت مناسب نہیں تھی، ایک عریضہ میں اس پر معذرت لکھی تو حضرت مفتی صاحب نے خوشی کا اظہار فرمایا، شفقت و محبت کے ساتھ اصلاحی پہلو غالب رہتا تھا۔

اسی طرح خیر المدارس ملتان کے جلسہ پر حضرت مفتی صاحب تشریف لے گئے، احقر بھی حاضر ہوا اور ملاقات کی مگر آداب ملاقات کے خلاف اپنا تعارف نہیں کرایا تو حضرت مفتی صاحب نے اصلاح میں فرمایا کہ حضرت تھانوی کے یہاں تھا نہ بھون لوگ جاتے تھے تو اپنا نام وغیرہ بتلاتے اور تعارف کراتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کی اصلاح بر محل تھی، اس کو تا ہی پرندامت ہوئی، حضرت مفتی صاحب اس وقت معذوری کی وجہ سے مدرسہ میں اپنے کمرہ سے دوسرے کمرہ میں دو آدمیوں کے سہارے سے تشریف لے جا رہے تھے، ایسے وقت میں بھی اپنے وظیفہ اصلاح کا حق ادا فرمایا جزا ہم اللہ خیر الجزاء۔
محسوسہ صبر و شکر

حضرت مفتی صاحب کا یہ ارشاد تو بہت مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ ایک ٹانگ لے لی اور کئی ٹانگیں اس کے بدلے میں دے دیں، اس تکلیف کو جس انداز سے برداشت فرما رہے تھے اور اس کا تذکرہ جس عجیب بشارت سے فرمایا کرتے تھے صبر و شکر کا عجیب طرح سے اظہار تھا، یہ کاملین اور اوصالیین صبر و شکر کے جامع حضرات کا ہی حصہ ہے اللہم اجعلنا من التابیین لہم آمین۔
شفقت کا ایک واقعہ

۱۹۴۹ء میں بے سرو سامانی کا زمانہ تھا، ساہیوال میں بھی معاش کا کوئی ظاہری سامان نہ تھا، حضرت مفتی صاحب نے ازراہ شفقت خود ہی پیر جی عبداللطیف صاحب مرحوم سابق ناظم جامعہ اشرفیہ سے والا نامہ لکھوایا کہ بھیرہ ضلع سرکودھا میں مدرسہ خضریہ ہے، حاجی عبداللہ صاحب پراچہ منتظم ہیں، یہ حضرت تھانوی سے بیعت ہیں، اگر اس مدرسہ سے تعلق ہو جائے تو دیکھ لو، اس کے قریب قریب الفاظ تھے والا نامہ اس وقت سامنے نہیں، یہ سارا مضمون یاد سے ہی لکھا گیا ہے۔

احقر بھیرہ گیا ایک شب قیام کیا، حاجی صاحب مرحوم کے پاس ہی قیام کیا، صبح کو مدرسہ بھی دیکھا، ابتدائی حالت میں تھا، حاجی صاحب کی شرافت و لیاقت کیلئے یہی کافی تھا کہ وہ حضرت اقدس تھانوی سے بیعت اور حضرت مفتی صاحب سے متعلق تھے مگر ان کے خاندان کے ایک صاحب وزیر تھے، وہ آئے ہوئے تھے اور ہر طرف سے لوگ اپنے اپنے کاموں کیلئے بکثرت جمع تھے، ہر طرف کاریں ہی کاریں نظر آ رہی تھیں، یہ منظر خلاف طبیعت تھا اس کو دیکھ کر طبیعت گھبرا گئی اور اگلے روز ہی وہاں سے واپسی ہو گئی اور حضرت مفتی

صاحب کو اطلاع کر دی گئی، حضرت والد ماجد حیات تھے ان سے بھی معذرت کر دی گئی، ہر واقعہ سے حضرت کی شفقت ظاہر ہوتی ہے۔

اہل اللہ سے تعلق کی ضرورت و اہمیت

ایک بہت بڑے عہدہ دار حضرت مفتی صاحب سے تعلق رکھتے تھے، ان کے والد صاحب مرحوم سے بھی حضرت مفتی صاحب کا خصوصی تعلق تھا، انہوں نے سرکودھا کے علاقہ میں شاہ پور وغیرہ میں کئی مقامات پر حضرت مفتی صاحب کے وعظ کہلائے تھے، سیال شریف پنجاب کی مشہور گدی ہے حضرت مفتی صاحب کا وہاں بھی وعظ کہلایا، پاکستان بننے سے پہلے کے یہ واقعات ہیں، اس وعظ میں حضرت مفتی صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ بزرگوں کے پاس کیا چیز ہوتی ہے جو دنیا اس کے حاصل کرنے کیلئے ان کے درباروں میں حاضری دیتی ہے اور وہ چیز سوائے بزرگوں کے اور جگہ نہیں ملتی؟ وہ چیز تعلق مع اللہ ہے یہ سوائے بزرگوں کی صحبت کے کہیں نہیں ملتا، اس کے حاصل کرنے کیلئے اللہ والوں کے پاس نجوم لگا رہتا ہے (لو کما قال) ان کا انتقال پاکستان بننے کے بعد لاہور میں ۱۹۴۹ء میں غالباً ہوا تو حضرت مفتی صاحب لاہور سے ان کے جنازہ کے ساتھ رادھن تشریف لائے، یہ گاؤں ساہیوال سے سات میل پر سرکودھا جاتے ہوئے آتا ہے، میرے والد صاحب بھی ساہیوال سے ان کے جنازہ پر رادھن تشریف لے گئے تھے، ان صاحب کا آبائی وطن صابووال شاہ پور کے قریب ہے، وہاں کیلئے حضرت مفتی صاحب نے پیر جی عبداللطیف مرحوم سے خط لکھوایا مگر وہاں جانا نہیں ہوا۔

حضرت مفتی صاحب کی شفقت و محبت کے واقعات جو اس کا کارہ پر بغیر استحقاق ہوتے رہے ان کا احاطہ کیسے کیا جاسکتا ہے، حافظہ پہلے بھی اچھا نہیں تھا اب ۸۷ سال کی عمر اور امراض میں گھر کر بالکل صفر ہو گیا، جو کچھ یاد آتا رہا ارتجالاً لکھتا چلا گیا، جو شروع میں لکھی تھی اس کو آخر میں لکھ کر اس داستان محبت کو ختم کرنا ہوں۔

۱۔ احب الصالحین ولست منهم لعل اللہ یرزقنی صلاحاً

کمال شفقت

اب ایک واقعہ نہایت شرمندگی کے ساتھ بطور تحدیث بالعمۃ لکھتا ہوں کہ جب حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی قدس سرہ کا جامعہ اشرفیہ میں بطور مفتی کے تقرر ہوا تو کام کی کثرت کے پیش نظر حضرت مفتی صاحب سے عرض کیا کہ ساہیوال سے عبدالشکور کو بلا لیا جائے تو افتاء کے کام میں مدد مل جائے گی، ایک دو سبق بھی وہ پڑھالے گا، حضرت مفتی صاحب اس پر آمادہ ہو گئے، خیر بات یہ ہوئی کہ حضرت مفتی صاحب نے اس کا تذکرہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب سے فرمایا تو انہوں نے فرمایا کہ تجویز تو اچھی ہے مگر

ساہیوال کا مدرسہ نیا ہے، ماحول بھی اجنبی ہے، عبد الشکور تو وہاں رہ رہا ہے اس کی جگہ شاید دوسرا عالم وہاں کے حالات کو برداشت نہ کر سکے، ان حضرات نے بھی اس پر اتفاق کر لیا ورنہ احقر کیلئے بڑی شرمندگی کا باعث تھا کہ اس دریائے علم میں اس قطرہ کا کیا حال ہوتا، بقول حضرت سعدی علیہ الرحمہ ۔

کیکے قطرہ از ابر نیساں چکید
نخل شد چوں پنہائے دریا پذیر

سوائے شرمندگی اور خجالت کے جامعہ اشرفیہ سے اس مالائق کو اور کیا حاصل ہوتا، حضرت سعدی تو قطرہ کی خجالت کا دریا کے سامنے ذکر فرما رہے ہیں یہ مالائق تو اس دریائے علوم کے سامنے قطرہ بھی نہیں، یہ صرف محبت و شفقت کے کرشمے تھے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، احقر ان کیلئے سوائے دعا خیر کے اور کیا کر سکتا ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ سے بیعت کا واقعہ

اہل علم کے مواعظ میں اپنے اکابر کے واقعات کا تذکرہ برائے عبرت و نصیحت بہت مفید اور نہایت ہی مؤثر ثابت ہوا ہے اور یہ معمول ہمیشہ سے ہمارے حضرات اکابر کا رہا ہے کہ وہ اپنے مواعظ اور ملفوظات میں بزرگوں کے ایمان افروز واقعات کا ذکر کرتے ہیں، اسی سلسلہ کا ایک واقعہ مرشدی حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری کی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے بیعت کا بھی ہے اس کا تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوا، اس میں کئی پہلو سبق آموز اور افادیت کے ہیں۔ ایسے واقعات چونکہ اکثر سماعی ہوتے ہیں اور نقل و نقل میں کچھ تھوڑا بہت تعبیر و الفاظ کا فرق بھی ہو جاتا ہے جو نفس مقصد کیلئے مضرت نہیں ہے، اصل مقصد پر نظر ڈالنی چاہئے۔

آپ کے الصیانتہ بابت ماہ صفر ۱۲۱۶ھ میں اس کا مختصر طور پر ذکر پڑھ کر احقر کا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ احقر بھی اس واقعہ کے بارہ میں کچھ عرض کرے، الصیانتہ میں ضمناً ذکر آیا ہے یہ مستقلاً ہو جائے گا۔

۱۲۴۰ھ کے بعد کی بات ہے کہ یہ واقعہ بیعت پیش آیا، اس سے پہلے حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری مدرسہ نعمانیہ میں صدر مدرس تھے اور علم معقول و منقول کے درس میں آپ کو ید طولیٰ اور کامل دستگاہ حاصل تھی، علم معقول منطق میں سلم کی شرح ”ملاحسن“ کے نام پر ”ملاحسن“ کے لقب سے طلبہ میں آپ مشہور تھے اور سلم کی شرح ”حمد اللہ“ اس طرح پڑھاتے تھے کہ شاید ہی دوسرا کوئی شخص اس طرح پڑھاتا ہو، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ جو خود منقولی ہونے کے ساتھ بہت بڑے معقولی بھی تھے حضرت مفتی محمد حسن صاحب کا حمد اللہ کا سبق مسئلہ وجود را بطی کے بارہ میں سن کر بہت مسرور ہوئے تھے اور حضرت مفتی صاحب کے معقولی ہونے کا اعتراف فرمایا تھا۔

یہ واقعہ خانقاہ تھانہ بھون کا ہے، رمضان المبارک میں حضرت مفتی صاحب مع برادر مولانا قاری

عبید اللہ صاحب زید مجدہم مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور ایک ماہ وہاں قیام کیا کرتے تھے اور یہ معمول حضرت مفتی صاحب کا حضرت تھانوی کی وفات تک رہا، وہاں ”حمد اللہ“ کا یہ سبق مولانا عبید اللہ صاحب کو حضرت مفتی صاحب پڑھا رہے تھے، غالباً سب سے آخر میں لاہور آ کر اپنے صاحبزادہ مولانا عبدالرحمن صاحب سلمہ نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ کو ”حمد اللہ“ پڑھائی، واللہ اعلم۔

حضرت مفتی صاحب جب بیعت کے ارادہ سے خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں حاضر ہوئے اور حضرت حکیم الامت تھانوی کے دربار کو ہر بار میں حاضر ہو کر ”بیعت“ کی درخواست پیش کی تو حضرت طیب ملت اور حکیم الامت تھانوی قدس سرہ السامی نے بیعت کیلئے تین شرطیں پیش فرمائیں۔

ایک شرط یہ تھی کہ آپ کسی قاری سے قرآن کریم کی تصحیح کرائیں، دوسری شرط یہ تھی کہ پہلے حنفی مسلک کے کسی عالم سے دوبارہ حدیث پڑھیں، تیسری شرط یہ تھی کہ پہلے میرے مجاز مولانا حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوری کے پاس کم از کم ۲۵ خط لکھیں پھر وہ سارے خطوط مجھے دکھلائے جائیں۔

چنانچہ حضرت مفتی صاحب کی طلب صادق تھی، اتنی سخت ترین شرائط کو پورا کرنے کیلئے تیار ہو گئے ورنہ اس وقت دوسرے مشائخ طریقت بھی بقید حیات تھے جن کے یہاں بیعت کیلئے ایسی شرائط نہیں تھیں، مگر حضرت مفتی صاحب نے ان تمام شرائط کو خندہ پیستانی کے ساتھ قبول کیا اور تقریباً تین سال کا عرصہ ان شرائط کے پورا کرنے میں لگ گیا، چنانچہ استاذ القراء قاری کریم بخش صاحب سے حروف کی تصحیح اور مشق کی اور دورہ حدیث دوبارہ حضرت العلام علامت حقانیت اسلام حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری اور دیگر اساتذہ کرام سے دارالعلوم دیوبند میں پڑھا، دارالعلوم دیوبند حنفی مسلک کا مرکز ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے فلسفہ اور منطق کی کتابیں اپنے استاذ مولانا محمد معصوم صاحب ضلع ہزارہ کے موضع ڈھینڈہ سے پڑھی تھیں، جب وہ امرتسر مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی کے مدرسہ میں مدرس ہو کر آئے تو مفتی صاحب ان کے ہمراہ امرتسر آ گئے اور مولانا عبدالجبار کے مدرسہ میں تعلیم مکمل کی، یہ مدرسہ مولانا عبدالجبار کے والد مولانا عبید اللہ صاحب نے غزنی سے آ کر یہاں جاری کیا تھا، اہل حدیث مکتب فکر سے تعلق تھا مگر ائمہ کرام کے حق میں باادب تھے، مشہور اہل حدیث عالم مولانا داؤد غزنوی لاہور میں انہی مولانا عبدالجبار صاحب کے صاحبزادہ تھے اور ان کے صاحبزادہ مولانا ابوبکر غزنوی تھے جنہوں نے اپنا اصلاحی تعلق حضرت مرشدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے قائم کر لیا تھا، عمر تھوڑی پائی لندن میں ایک حادثہ میں شہید ہو گئے تھے، مولانا محمد معصوم صاحب کی معیت سبب ہو گئی مفتی صاحب کے اہل حدیث سے علم حدیث پڑھنے کا۔

تیسری شرط بھی مسلسل دو سال تک حضرت مولانا حکیم محمد مصطفیٰ صاحب کی خدمت بابرکت میں خطوط ارسال کر کے پوری کی۔

ان شرائط کی تکمیل کے بعد حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ نے کسی مزید پس و پیش کے بغیر اصلاح کی درخواست قبول فرمائی اور ۱۱ ذوالحجہ ۱۳۴۳ھ میں آپ کو بذریعہ خط چاروں سلسلوں یعنی نقشبندیہ، چشتیہ، سہروردیہ اور قادریہ میں بیعت سے مشرف فرمایا اور ۱۳۴۷ھ سے قبل ہی بیعت و تلقین کی اجازت بھی مل گئی (ماخوذ از احسن السوانح)

حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی کا اکثر یہ ہی طریقہ مبارک تھا کہ طالب بیعت کو پہلے اپنے کسی مجاز بیعت کے سپرد فرمادیتے تھے، اس میں حکمت ایمانی کے ماہر حکیم الامت کے پیش نظر کیا کیا حکمتیں اور کن کن مصالح کی رعایتیں تھیں ان کا علم تو کسی کو مشکل ہے مگر اتنی بات سب کے ہی ماننے کی ہے اس سے طالب کی جانچ اور اس کے تکبر کی اصلاح ضرور ہو جاتی تھی اور شاید اس طریقہ میں یہ حکمت بھی مدعی تھی کہ اجازت یافتہ کا طریقہ تربیت بھی معلوم ہو جائے۔

عام طور پر جب کسی مشہور اور بڑے شیخ سے تعلق بیعت ہو جاتا ہے تو نفس میں بڑائی کے پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے کہ ہم اتنے بڑے شیخ سے بیعت ہو گئے اور اس کو خیر یہ انداز سے بھی پیش کئے جانے کا منظم ہے، اس لئے بھی حضرت حکیم الامت تھانوی کی حکمت ایمانی کا تقاضا تھا کہ وہ اول و ہلہ اور پہلی ہی مجلس میں تکبر و فخر کی بیخ کنی کر کے تواضع کا سبق دیں، اس نفسانی غائلہ کی پیش بندی کر دیں جس کی وجہ سے اپنے سے کم بلکہ برابر درجہ کے سامنے جھکنا ہی عار سمجھا جاتا ہے، خاص کر اہل علم کیلئے یہ طریقہ اصلاح نہایت مفید ہے کہ۔

تواضع زگردن فرازاں نکوست گداگر تواضع کند خوئے اوست

گویا نفس کی اصلاح پہلی ہی مجلس سے شروع فرمادی گئی، اگرچہ بظاہر نظر با ضابطہ اصلاحی تعلق بعد میں قائم ہوا مگر درحقیقت اصلاح باطن اور تزکیہ نفس جو بیعت کا اصل مقصود ہے فوری طور پر ابھی سے شروع ہو گیا۔

حضرت مفتی صاحب اپنے شیخ کے حکم کی تعمیل میں دل و جان سے مصروف ہو گئے اور تمام شرائط کو پورا کر کے اپنی ”طلب صادق“ کا مکمل ثبوت مہیا کر دیا، بعد میں بیعت و تلقین کی اجازت کے باوجود ایسے فتانی الشیخ ہوئے کہ ہر مجلس میں حضرت تھانوی کا ہی ذکر، بات بات میں ان کے ہی ملفوظات کا تذکرہ رہتا تھا، کھانے کی مجلس ہو یا ملاقات کی مجلس ہو، کوئی مجلس حضرت تھانوی کے ذکر سے خالی نہیں رہتی تھی۔

بعد ظہر اپنی مجلس میں بھی اپنے ”ارشادات“ کی بجائے حضرت الشیخ حکیم الامت کے ہی ملفوظات

پڑھنے کا حکم تھا، آپ کی مجلس میں حضرت تھانوی کے ہی ملفوظات پڑھے اور سنے جاتے تھے اور اس خدمت پر مولانا عبید اللہ صاحب کو مامور فرمایا ہوا تھا اور کچھ عرصہ عزیزم مولوی وکیل احمد شیروانی سلمہ ماظم مجلس کے ذمہ یہ خدمت رہی، اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو علمی اور عملی کمالات کے ساتھ حافظہ بھی بہت عمدہ عطا فرمایا تھا، حضرت تھانوی کے ملفوظات بہت یاد تھے ان کو بالفاظہ نقل فرماتے تھے، اس میں عشق و محبت کا بھی بڑا دخل تھا، اس کو دیکھ کر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی آنحضرت ﷺ کے ساتھ عشق و محبت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان حضرات نے آنحضرت ﷺ کے ارشادات اور حالات کو کس درجہ بعینہ انہی الفاظ میں محفوظ فرمایا تھا، یہ اسی عشق و محبت نبوی ﷺ کا ثمرہ تھا جو ان کے رگ رگ میں سما گئی تھی، واقعی مسن احب شیئا اکثر ذکرہ کے صحیح مصداق حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے۔

حدیث میں اشغال رکھنے اور پڑھنے پڑھانے والے جانتے ہیں کہ صحابہ کرام جب کسی حدیث کو نقل فرماتے تو اس وقت کی کیفیت و حالت کا بھی پورا نقشہ کھینچ دیتے تھے، آپ ﷺ کہاں تشریف فرما تھے، کس سواری پر سوار تھے، کس حالت میں تھے اور الفاظ کو بھی بعینہ نقل کرنے کی کوشش فرماتے تھے، اسی لئے جابجا احادیث کی نقل و روایت میں جس جگہ تردد ہوتا تھا اس جگہ الفاظ وغیرہ سے اپنے ہی تردد کا اظہار بھی فرمادیا گیا ہے، یہ غایت درجہ کا احتیاط اور نہایت درجہ کے عشق و محبت کا ہی نتیجہ تھا۔

ایک مرتبہ یہ احقر حضرت مفتی صاحب سے لاہور میں رخصتی کا مصافحہ کر رہا تھا، احقر کا ہاتھ پکڑ کر حضرت تھانوی کا ایک ملفوظ نقل فرمایا اور بڑے زوردار لہجہ میں فرمایا کہ ”یہ حضرت کے الفاظ ہیں محمد حسن اگر چاہے بھی تو ایسے الفاظ نہیں بنا سکتا“ یہ غایت درجہ کی کس نفسی اور تواضع اور فنائیت کا مقام تھا، اسی فنا فی الشیخ کی ایک جزئی ہے کہ احقر نے جب حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں تجدید بیعت کیلئے عریضہ لکھا چونکہ احقر کی پہلی بیعت حضرت حکیم الامت تھانوی سے تھی تو اس پر ارقام فرمایا ”بیعت وہی کافی ہے“ اور اصلاحی تعلق کی اجازت دے دی اور تسبیحات وغیرہ کی بھی تعلیم دی، تجدید بیعت نہ کرنا یہ اپنے ساتھ وہی فنائیت کا غلبہ تھا ورنہ تجدید میں کچھ حرج نہ تھا، چنانچہ حضرت مفتی صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری نے احقر کی درخواست پر تجدید کر کے اصلاحی تعلق کی اجازت دی تھی، بہر حال:

ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری بھی حکیم الامت تھانوی کے روحانی باغ کے عجیب و غریب پھول تھے، حضرت تھانوی حضرت پھولپوری کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے کہ ہماری فوج تو

پھوپھو پور میں ہے، وہ بنوٹ کے بہت ماہر تھے، تھانہ بھون میں تشریف لایا کرتے تھے اور احقر کا بچپن تھا وہاں بھی زیارت ہو جاتی تھی، فرمایا کرتے تھے کہ پانچ سو آدمیوں کیلئے میں اکیلا کافی ہوں۔

حضرت تھانوی نے حضرت پھوپھو پوری کے گاؤں کی مناسبت سے وہاں کے مدرسہ کا نام ”روضۃ العلوم“ رکھا تھا ”پھول“ تو روضہ، باغ میں لگتے ہیں اور دوسرے سرائے میر کے مدرسہ کا نام ”بیت العلوم“ رکھا تھا کہ بیت کو سرائے سے مناسبت ہے، حضرت تھانوی نام رکھنے کے تو بادشاہ تھے۔

بمصادیق الشیء بالشیء یاد کر حضرت مرشدی پھوپھو پوری کا تذکرہ آ گیا ہے، آپ کی سوانح آپ کے لائق و فائق خلفاء و متوسلین بھم اللہ لکھ رہے ہیں اور لکھتے رہیں گے اور یہ انہی حضرات کا حق بھی ہے، یہ احقر تو ان حضرات کے ساتھ اس ادنیٰ نسبت کے اظہار سے بھی شرمندہ ہے۔

ع نسبت سب تو کردم و بس منفعام

اس جگہ اصل واقعہ بیعت حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری کا تذکرہ کرنا مقصود ہے، اس کی تین شرطوں کا کسی قدر تذکرہ ہو چکا اب چوتھی بات کا تذکرہ کیا جاتا ہے، حضرت حکیم الامت تھانوی کو جب علم ہوا کہ حضرت مفتی صاحب کی دو اہل خانہ ہیں تو فرمایا کہ مجھے اطمینان دلاؤ کہ دونوں گھر والے آپ سے خوش ہیں۔

حضرت مفتی صاحب فرماتے تھے کہ اس پر چھ ماہ صرف ہوئے، کبھی ایک گھر سے اور کبھی ان کے متعلقین سے لکھوا کر لے جاتا، کبھی دوسرے گھر سے کہ ”ہم ان سے خوش ہیں“ تو حضرت تھانوی فرماتے کہ ابھی میری تسلی نہیں ہوئی، چھ ماہ بعد اس آزمائش میں کامیابی ہوئی (ماخوذ از احسن السوانح)

یہ عدل بین الزوجین کا سبق اور ادائے حقوق کی تلقین اور عملی تربیت تھی جس کی طرف حضرت حکیم الامت تھانوی کی خصوصی توجہ رہتی تھی اور اپنے متعلقین پر بھی گہری نظر رکھتے تھے کہ وہ ادائے حقوق میں کسی قسم کی کوتاہی تو نہیں کر رہے، عام طور پر اس میں غفلت سے کام لیا جاتا ہے، اس لئے حضرت تھانوی کو اس پر اطمینان کرانے میں چھ ماہ کا عرصہ دراز گزرا اور بڑی مشکل سے یہ اطمینان حاصل ہوا، معاملہ نازک تھا بیویوں کی طرف سے شرما شرمائی میں خوشی کے اظہار کا بھی احتمال تھا اس لئے حضرت تھانوی کی تسلی نہیں ہوتی تھی، اسی کو الصیانہ ص ۳۹ پر واقعہ بیعت کے ضمن میں بے تکلفی اور سادگی کے انداز میں ازراہ تفنن ان لفظوں میں بیان کر دیا گیا کہ ”یہ خط سند کا لاسیئے کہ یہ مولانا مجھ کو آرام سے رکھتا ہے چٹائی نہیں کرتا، انڈا کھلاتا ہے اور ڈنڈا پلاتا ہے اور ڈنڈا نہیں لگاتا“ الخ (الصیانہ ص ۳۹) بعینہ یہ الفاظ حضرت تھانوی کے نہیں ہیں۔

یاد پڑتا ہے کہ اس واقعہ میں کسی اہلیہ کی طرف سے حقوق معاف کرنے کا بھی حضرت تھانوی کی

خدمت میں تذکرہ آیا تھا، اب یہ جرم سے یا نہیں کہ احقر نے یہ کس سے سنا تھا۔

حضرت تھانوی نے فرمایا کہ نفقہ وغیرہ زوجہ کے حقوق شہینا فہیبا یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے واجب ہوتے ہیں، جتنا زمانہ گزرتا جاتا ہے اسی قدر واجب ہوتے جاتے ہیں، ایک دم واجب نہیں ہوتے، البتہ اگر قاضی نے نفقہ مقرر کر دیا ہو یا میاں بیوی دونوں نے مقرر کر لیا ہو تو وہ واجب ہو جاتا ہے، ورنہ جتنا زمانہ گزرتا جائے گا اس کا نفقہ واجب ہوتا جائے گا، جب تک زمانہ نہیں گزرے گا اتنے کا نفقہ واجب نہیں ہوگا اور جو چیز ابھی واجب ہی نہیں ہوئی اس کا معاف کرنا بھی صحیح نہیں، معافی تو اس چیز کی صحیح ہوتی ہے جو واجب ہو چکی ہو، جو چیز ابھی تک واجب ہی نہیں ہوئی اس کی معافی کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟

جتنی مقدار واجب ہوتی رہے گی اتنی معاف ہوتی رہے گی، اس لئے اہلیہ کو یہ مسئلہ بھی بتانا چاہئے کہ آئندہ کے حقوق معاف کرنے سے آئندہ کے حقوق ہمیشہ کیلئے معاف نہیں ہو جاتے، اس کو رجوع کرنے اور دوبارہ اپنے حقوق کے مطالبہ کا حق حاصل رہتا ہے، اس کو یہ مسئلہ بتلاؤ وہ یہ سمجھتی ہوں گی کہ میں نے حقوق معاف کر دیئے ہیں اب میں دوبارہ ان کا مطالبہ نہیں کر سکتی ہمیشہ کیلئے مجبور ہو گئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو حقوق واجب ہو چکے ہیں مثلاً مہر وہ تو معاف ہو جاتے ہیں مگر جو آئندہ واجب ہوں گے ان کی معافی قبل از وجوب نہیں ہوتی، البتہ وہ جس قدر واجب ہوتے جائیں گے معاف ہوتے جائیں گے اور حقوق کے مطالبہ کرنے کا حق زوجہ کو حاصل رہے گا جب چاہے رجوع کر سکتی ہے۔

سبحان اللہ! حضرت حکیم الامت تھانوی کی یہ حکیمانہ عمیق اصلاح کیسی عجیب و لطیف ہے کہ اس کی طرف اکثر ذہن نہیں جاتا اور ہم جیسے پڑھے لکھے کہلانے والے لوگوں کو بھی اس طرف بہت کم توجہ ہوتی ہے اور عام طور پر یہی سمجھ لیا جاتا ہے کہ معاف کرنے کے بعد بیوی کو دوبارہ مطالبہ کا حق نہیں ہے، اس پر تنبیہ کیلئے اس جگہ اس کا ذکر ضمناً کر دیا گیا ہے، تفصیلات کتب فقہ میں ہیں۔

ففي الحاکر المختار والنفقة لا تصير دینا الا بالقضاء او الرضا والی قوله فقبل ذلك لا يلزمه شیء الخ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۲۷)

(ولو ترک قسمها) بالکسر ای نوبتها (لضررتها صرح ولها الرجوع فی ذلك) فی المستقبل لانه ما وجب فما سقط (شامی ج ۲ ص ۲۳۵)

حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

مکاتیب حسن

حضرت اقدس مفتی محمد حسن صاحب امر تری رحمہ اللہ تعالیٰ
سے فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ کی خط و کتابت

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی حیات تک کا زمانہ فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ کے تحصیل علم میں مشغولیت کا زمانہ تھا اس لئے زیادہ وقت تحصیل علم میں گزارا اور علوم دیوبند سے فراغت کے بعد اپنے والد ماجد فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمٹھلوی قدس سرہ کی تربیت اور نگرانی حاصل رہی تقسیم ملک کے بعد آپ پاکستان تشریف لے آئے یہاں ایک عرصہ تک بہت سے مسائل و حالات میں وقت گزر گیا تا آنکہ ۱۳۸۰ھ میں آپ نے حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امر تری قدس سرہ سے اصلاح و تربیت کیلئے رجوع فرمایا، اس سلسلے میں آپ نے جو عریضہ ان کی خدمت میں لکھا اس کے اہم اقتباسات یہ ہیں:

پہلا عریضہ

اپنے بچپن میں یہ احقر سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوا تھا مگر تعلیم میں مصروفیت کی وجہ سے اصلاحی تعلق کا موقع نہ ملا پھر حضرت والا کا وصال ہو گیا تو حضرت والا کے مجازین میں سے کسی کے ساتھ اصلاحی تعلق کا ارادہ کرتا رہا مگر امر و زفر دائیں تمام عمر ضائع ہو گئی اور آج تک یہ دولت (اصلاحی تعلق) میسر نہ ہوئی اس ضیاع عمر کا دلی رنج اور افسوس ہے عمر رفتہ پر افسوس کرتے ہوئے جناب والا کی خدمت بابرکت میں اپنا واقعہ بیعت عرض کر کے پھر اپنی غرض عرض کرتا ہوں۔

جناب والا کو معلوم ہے کہ یہ احقر بچپن سے ہی حضرت والدہ مفتی سید عبدالکریم گمٹھلوی مرحوم کے ہمراہ تھا نہ بھون رہا وہیں جب احقر کی خالہ مرحومہ اور نانی مرحومہ حاضر ہوئیں اور انہوں نے حضرت حکیم الامت کی خدمت میں درخواست بیعت پیش کی تو اس موقع پر اس احقر نے بھی بڑی اماں (حضرت والا کی اہلیہ کبریٰ رحمہا اللہ) کی سفارش کے ساتھ اپنی درخواست پیش کر دی اس وقت حضرت والا بڑے گھر تشریف لائے ہوئے تھے حضرت والا رحمہ اللہ نے اس شرط پر کہ تم اپنی والدہ سے ضد نہ کرو بیعت فرمایا حضرت جو فرماتے رہے ساتھ ساتھ کہتا رہا اس کے بعد تعلیم میں مشغول رہا اور تمام بد اعمالیوں اور خستہ حالیوں کے باوجود اپنے کو

حضرت والا رحمہ اللہ سے بیعت سمجھتا رہا۔ یہ واقعہ بیعت اس لئے عرض کیا گیا ہے کہ اگر انتساب الی المقبولین اور سلسلہ میں داخلہ کیلئے یہ بیعت کافی ہے تب تو جناب والا کی خدمت میں اصلاحی تعلق کی ورنہ تجدید بیعت و تعلق اصلاحی دونوں کی درخواست بعد عجز و نیاز پیش ہے لہذا اس ناکارہ آوارہ کو اپنے دامن شفقت میں لے کر تربیت فرمائیں نیز دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائیں آمین۔

حضرت والد گرامی نے یہ عریضہ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ کو تحریر فرمایا تھا حضرت اقدس مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

السلام علیکم..... آپ کو بیعت کی ضرورت نہیں اصلاح کے متعلق مشورہ فرماتے رہیں دعا کرتا ہوں۔
حضرت والد صاحب نے اس پر لکھا:

اس اجازت تعلق اصلاح کا دل سے شکر گزار ہوں میں اس لائق کہاں ہوں جو مجھے اس دولت کی اجازت ہو..... میں اس قابل نہ تھا کہ حضرت حکیم الامت کی بارگاہ سے میرا انتساب صحیح ہوتا اور ان بد اعمالیوں کی حالت میں حضرت والا نے جو اصلاحی مشورہ کی اجازت مرحمت فرمائی یہ اور بھی مجھ ناکارہ آوارہ کے حق میں احسان عظیم فرمایا میں اس کا شکر کس زبان سے ادا کروں..... جناب والا اب اس مائل کو ذکر اور اس کا طریقہ تعلیم فرمائیں پھر ان شاء اللہ اپنے امراض کا علاج بھی پوچھوں گا..... جامعہ اشرفیہ کے جلسہ پر حاضری کا ارادہ ہے اجازت مرحمت فرمائیں۔ ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۰ھ۔

حضرت مفتی صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:

برخوردار کے خط سے دل خوش ہوا باقی بوقت ملاقات..... دعا کرتا ہوں۔

دوسرا عریضہ

اس کے بعد جامعہ اشرفیہ کے سالانہ جلسہ پر حاضری ہوئی تو حضرت نے بارہ تسبیح کا ذکر تعلیم فرمایا اور اس کیلئے قصد السبیل کا حوالہ بھی دیا لاہور سے واپسی پر ایک عریضہ میں اس کا تذکرہ یوں ملتا ہے:

حال: اس ناکارہ نے جامعہ اشرفیہ کے سالانہ جلسہ پر جناب والا سے تعلیم ذکر کی درخواست کی تھی تو جناب والا نے بارہ تسبیح کا ذکر فرمایا تھا اور ذکر کی ترتیب کیلئے قصد السبیل کا حوالہ فرمایا تھا سو حسب مرقوم قصد السبیل بارہ تسبیح کا ذکر جناب والا کی اجازت سے کیا کرتا ہوں اس پر دوام و حضور قلب کی دعا کا محتاج ہوں۔

ارشاد: السلام علیکم..... خیریت سے ہوں کو کمزور ہوں۔ الحمد للہ دعا کرتا ہوں۔

حال: تعلیم الدین و تبلیغ دین رسالے بھی اس ناکارہ کے زیر مطالعہ رہتے ہیں اور اپنے عیوب و خصائل

ذمیرہ پران کے ذریعہ اطلاع حاصل ہوتی رہتی ہے۔

ارشاد: الحمد للہ۔

حضرت والد صاحبؒ نے اس عریضہ میں غصہ کے متعلق تفصیلاً اپنی حالت لکھ کر حضرتؒ سے اصلاح چاہی اور آخر میں لکھا:

حال: میری اس حالت کے متعلق اصلاح کی تجویز تحریر فرمادیں باقی صلاح و فلاح دارین کی دعا کی درخواست کرتا ہوں۔ ۱۲ شعبان ۸۰ھ

ارشاد: آپ کی حالت اچھی ہے وعظ علاج الغضب ملے تو مطالعہ کریں۔ دعا کرتا ہوں پر خوردار سے دعا چاہتا ہوں۔

ایک موقع پر حضرتؒ نے آپ کی خدمت میں اپنے ایک واقعہ کا ذکر کر کے اس پر معذرت کرتے ہوئے لکھا:

حال: دوسری گزارش یہ ہے کہ اس موقع حاضری پر ایک مجلس میں نوٹ سے زکوٰۃ ادا نہ ہونے کے متعلق جناب نے فرمایا تو اس پر میں نے ایک روپیہ کے نوٹ کا حکم پوچھا شبہ یہ تھا کہ ایک روپے کے نوٹ پر دوسرے نوٹوں کی طرح خزانہ سے رقم دینے کا وعدہ لکھا نہیں ہوتا تو کیا پھر بھی اس سے دوسرے نوٹوں کی طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی یا روپیہ کے حکم میں ہوگا اور اس کا دے دینا روپیہ کا دے دینا شمار ہوگا جناب نے اس کا جواب مرحمت فرمایا اس پر گفتگو میں طول ہو گیا حضرت والا نے یہ فرما کر گفتگو ختم کر دی کہ یہ مجلس اس بحث کیلئے نہیں ہے اس پر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ واقعی اس ضعف کی حالت میں ایسے مسائل کا تذکرہ مناسب نہ تھا جس سے حضرت والا کی طبیعت پر گرانی ہوئی لیکن شروع میں حضرت والا کی ہشاشت و انبساط کی وجہ سے میں نے بے تکلفی میں کلام کو جاری رکھا اور ایک حد پر گفتگو کو ختم نہیں کیا بعد میں مجھے اس پر تنبیہ ہوا امید ہے کہ درگزر فرمائیں گے۔ ۲۷ شعبان ۷۵ھ

ارشاد: درگزر سے کیا عذر ہے۔

حضرت والد صاحبؒ حضرت مفتی صاحبؒ کے اس ارشاد عالی کو بڑے لطف سے بیان فرمایا کرتے تھے کہ حضرت نے معذرت کی کتنی قدر کی اور کتنی شفقت اور محبت کا جملہ تحریر فرمایا۔

شروع میں جب آپ ساہیوال میں تشریف لائے تو یہاں کے حالات بہت ناگفتہ بہ تھے مختلف رسومات بدعات کا رواج تھا لوگوں کے عقائد بھی انتہائی خطرناک حد تک تھے قرب و جوار میں انہیں عقائد کا

چہ چاہتا تھا حاضر ناظر علم غیب وغیرہ عقائد میں انتہائی غلو سے کام لیا جا رہا تھا آپ کے بارہ میں سخت مخالفت جاری تھی اسی دور میں یہاں کے حالات پر مشتمل تفصیلی خط حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں لکھا گیا جس میں دعا کی درخواست کے ساتھ بعض تجاویز بھی تھیں اس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا:

ارشاد: دعا کرتا ہوں صبر اور خاموشی اور دعا عدم قرض زبان اور قلب دونوں سے بالکل خاموشی اپنے احباب کو بھی یہی مشورہ دو ان مسائل کا تذکرہ بھی اب نہ کرو حق کی تبلیغ ہو چکی ہے ان شاء اللہ کافی ہے اب زمانہ فتنہ کا ہے۔ ۱۱/شوال ۱۳۷۲ھ

ایک والا نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

برخوردار سلمہ ربہ..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ..... آپ کے تحریر سے اصول مفیدہ معلوم ہوئے جزاکم اللہ، جمیعۃ العلماء کی تجویز ابھی تک یہ ہے کہ کسی جماعت سے اتصال نہ کرے..... آپ کا خط مولانا مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی کو بھی دکھایا گیا خطیب..... مفسر کام کرنے لگے ہیں ہو سکے تو ان کو روکو اور خود ان سے اتفاق نہ کرو۔ محمد حسن

مزید چند گرامی نامہ جات

(۱) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ..... پیر کا اپریشن کر دیا تھا اب الحمد للہ اچھا ہوں درد موجود ہے اور دن بدن صحت میں ترقی ہے۔ عبید اللہ اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب دونوں مدرس ہیں۔

آپ کا دعا کو محمد حسن (موصولہ ۷/ربیع الاول ۱۳۷۲ھ)

(۲) السلام علیکم..... نو مولود کی سعادت کیلئے دعا کرتا ہوں اگر پسند ہو تو عبد الغفور نام رکھ لیا جاوے۔ محمد حسن

(۳) برخوردار سلمہ ربہ..... السلام علیکم..... آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ جیل میں رہے اور بچہ کے انتقال کا بھی علم ہوا انا اللہ حق تعالیٰ گھر میں صحت عطا فرمائیں اور ہر قسم کی تکلیف سے محفوظ فرماویں احقر کو ضعف کافی ہے زندگی کے آخری سانس ہیں دعا فرماویں کہ ایمان پر خاتمہ ہو۔ آپ جس وقت تشریف لاویں ملاقات ہو جائے گی۔ محمد حسن۔

(۴) السلام علیکم..... قرض اور مرض کی تخفیف سے دل خوش ہو احقر تعالیٰ پوری کامیابی عطا فرماویں احقر خیریت سے ہے۔

(۵) السلام علیکم..... دعا کرتا ہوں اور برخوردار سے دعا چاہتا ہوں۔

(۶) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ..... برخوردار کے خط اور پریشانی سے صدمہ ہوا احقر تعالیٰ گھر میں صحت

عطا فرمائے اور صبر عطا فرمائے اور ہر قسم کی پریشانی سے محفوظ فرمائے۔ محمد حسن

(۷) السلام علیکم..... بر خوردار کے خط سے دل خوش ہوا بر خوردار کیلئے اور مدد رسہ کیلئے دعا کرتا ہوں، محمد حسن

(۸) السلام علیکم ورحمۃ اللہ..... بر خوردار کے خط سے دل خوش ہوا مدد رسہ کے حالات سے خوشی میں ترقی

ہوئی دل سے دعا کرتا ہوں اور دعا چاہتا ہوں۔ محمد حسن

(۹) السلام علیکم..... لڑکے کی ولادت سے دل خوش ہوا دعا کرتا ہوں نو مولود کیلئے اور اس کے باپ کیلئے

دعا کرتا ہوں آپ کو جو نام پسند ہوں وہ لکھیں میں ان میں سے انتخاب کر کے لکھ دوں گا، عبد النور تو کوئی نام

نہیں ہے پہلے؟ دعا کرتا ہوں اور دعا چاہتا ہوں۔ ۵/ مارچ ۱۹۶۱ء

(۱۰) السلام علیکم..... بر خوردار قاری عبد الشکور سلمہ..... والا نامہ سے دل خوش ہوا بر خوردار کے کل مقاصد

کیلئے دعا کرتا ہوں اور اپنے لئے دعا چاہتا ہوں طبیعت کمزور ہے۔

(۱۱) بر خوردار سلمہ ربہ..... السلام علیکم..... خیریت سے ہوں تکلیف میں کافی افاقہ ہے مولانا جلیل احمد

صاحب کا پتہ نہیں وہ کشمیر کے قریب رہتے ہیں۔ اہل بدعت کے شر سے حفاظت کی دعا کرتا ہوں۔

محمد حسن جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ

(۱۲) بر خوردار سلمہ ربہ..... السلام علیکم..... بچے کی آمد سے دل خوش ہوا حق تعالیٰ بچے کی والدہ اور بچے کو

ہر طرح کے مصائب سے محفوظ فرمائیں نام کیلئے قافیہ تو اب عبد الغفور ہے اگر پسند ہو تو تجویز فرمائیں۔

(۱۳) بر خوردار سعادت اطوار عبد الشکور سلمہ..... السلام علیکم..... آپ کے خط سے دل خوش ہوا الحمد للہ

خیریت ہے۔ باقی اسباب موت اب کافی ہیں دعا فرمائیں کہ خاتمہ ایمان پر ہو۔

آپ کا دعا کو محمد حسن (موصولہ ۲۱/ شوال ۱۳۷۱ھ)

(۱۴) مکرم محترم بر خوردار سید عبد الشکور صاحب سلمہ..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ..... احقر خیریت سے ہے

بر خوردار عبید اللہ بھی خیریت سے ہے۔ آپ کے بچے کی موت سے رنج ہوا حق تعالیٰ بر خوردار کے والدین کو

اجر اور بر خوردار کیلئے ذخیرہ آخرت فرمائیں اور عبد الصبور کو علم و عمل عطا فرمائیں۔ احقر محمد حسن

(۱۵) بر خوردار سعادت آٹا سلمہ ربہ..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ..... نواب سے مل کر فیصلہ کرو اور ایک جگہ

اور بھی ہے ایک بہت بڑا کارخانہ فریقہ والوں کا ہے وہ بھی ایک قاری جو درسیات سے بھی واقف ہوا اپنے

بچوں کی تعلیم کیلئے رکھنا چاہتے ہیں اگر آپ کی رائے ہو تو آ کر حال معلوم فرمائیں۔ فریقہ والوں کا تعلق

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے محمد حسن ازلاہور

حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہم

حالات و کمالات

مخدوم الامۃ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب نور اللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى :

فناء فی الشیخ ہونے کی شان

سب سے اہم چیز جو احقر نے خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ میں محسوس کی وہ حضرت کا فناء فی الشیخ ہونا تھا کہ بات بات پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ طریقت ہادی ملت حکیم الامت کا ذکر فرماتے تھے اور ذکر شیخ کے وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہوتی تھی اور بار بار زبان مبارک پر جھوم جھوم کر یہ الفاظ لایا کرتے تھے ”حضرت تو عجیب تھے، عجیب و غریب تھے، حضرت کی ہر چیز عجیب تھی“ اور فرمایا کرتے تھے ”جس نے حضرت کو دیکھا نہیں پس وہ بھلا کتابوں سے حضرت کو کیا سمجھے گا، کتابوں میں حضرت کیسے آسکتے ہیں۔“

احقر کا تب الحروف عرض کرتا ہے کہ احقر نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد خلفاء حضرات کی زیارت کی ہے اور کثرت سے آنا جانا اور طویل مجالس کے موقعے دستیاب ہوئے ہیں اور یہ حق تعالیٰ کی نوازش و عنایت ہے کہ مجدد ملت کے خلفاء و ورثاء کی زیارت و مجالست کا شرف عالی نصیب فرمایا سب حضرات اپنے اپنے مقام پر ایک بہت ہی امتیازی شان رکھتے ہیں اور جامع الکملات اور منبع فیوض ہیں اور امت مرحومہ کیلئے راہ ہدایت کے درخشاں ستارے ہیں اور اس قابل ہیں کہ اہل زمانہ ان کے پاؤں دھو کر پیئیں اور ان کی زیارت کو ایمان کی ترقی کا سبب سمجھیں اور اصلاح ظاہر و باطن میں ان سے استفادہ کو غنیمت جانیں، اس کے باوجود جو شان عشق شیخ کی اور فناء فی الشیخ کی احقر نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں محسوس کی، احقر نے کسی اور جگہ محسوس نہ کی، یہ احساس اگر صرف احقر ہی کا ہوتا یا صرف حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خدام ہی کا ہوتا تو ہو سکتا تھا کہ اپنی طبعی حب شیخ کی وجہ سے یہ احساس شمار کیا جاتا لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر متعلقین و مستمدین حضرات جو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاح باطن کا تعلق نہیں رکھتے تھے ان کی زبانی بھی احقر نے سنا ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس کی عجیب شان تھی اور بار بار تار تھانہ بھون ہی بجتی تھی اور تھوڑے تھوڑے وقفے پر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس مبارک میں

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا عاشقانہ تذکرہ ہوتا تھا، کويا حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فناء فی الشیخ ہونا سب حضرات کے نزدیک مسلم ہے صرف احقر ہی کا احساس نہیں ہے۔ ع میں تو دیوانہ تھاماری خلق دیوانی نہ تھی۔

بعض دفعہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ ”حضرت کی آنکھیں کتنی خوبصورت تھیں، حضرت کی آنکھیں ایسی تھیں جیسے نیل گائے کی آنکھیں“ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کرنے والے بعض حضرات سے فرماتے ”تم نے حضرت جیسا کوئی دیکھا؟ حضرت کتنے خوبصورت تھے۔“

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے امرتسر تشریف لانے کا واقعہ بار بار بیان فرماتے تھے کہ تھانہ بھون سے مجھے اطلاع آئی کہ فلاں گاڑی پر حضرت لاہور تشریف لارہے ہیں کسی کو اطلاع نہ دی جاوے، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس ٹانگ کی تکلیف کی وجہ سے مجھے بہت نفع ہوا یعنی معذور ہونے کی وجہ سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ملنے کی اجازت مرحمت فرمائی، لاہور میں ڈاکٹر عزیز جلال الدین کے ہاں قیام فرمایا اور نماز کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ”کچھ مسائل طے کرنے ہیں“ اور اپنے ہمراہیوں سے ایک ایک کر کے دریافت فرما کر شروع کیا کہ ”تم کہاں قیام کرو گے؟“ احقر کاتب الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے عملی طور پر موجودہ بعض مشائخ کی ایک بڑی غلطی کا اس عمل سے رد فرمایا کہ ایک پیر صاحب کی دعوت ہو تو بیس مرید بلا دعوت آمو جو دہوتے ہیں، بیچارہ میزبان بازار سے فوری طور پر چیزیں خرید کر وقت پورا کرتا ہے تو مفت خورے مریدین اسے اپنے پیر کی کرامت سمجھتے ہیں کہ تھوڑا کھانا زیادہ آدمیوں کو پورا ہو گیا۔

اسی طرح عملی طور پر پردہ کی پابندی کا بھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پورا اہتمام فرماتے تھے اور سفر و حضر میں کسی عورت کو بے پردہ پاس بیٹھنے کی اجازت نہ تھی، آج کل کے بہت سے پیر اپنی مرید عورتوں سے پردہ نہیں کرواتے، احقر کاتب الحروف کے سامنے آج کل کے ایک مشہور پیر صاحب نے ایک عالم سے اپنا حال بیان کیا کہ ”میں کیا کروں کہ سادات کی مستورات بھی میرے سامنے بے حجاب آ جاتی ہیں“ احقر کاتب الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک صاحب نے لکھا کہ ”میری بیوی ایسے پیر صاحب سے مرید ہے جو پردہ نہیں کرواتا“ فرمایا کہ ”وہ کتا اور کتیا ہے۔“

بہر حال حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے عملی طور پر اس رسم کو توڑا کہ پیر صاحب کے ساتھ بہت سے مرید بھی بن بلائے مہمان بن جاتے ہیں، احقر کاتب الحروف کے استاد حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”میں نے ایک مشہور شیخ کی دعوت کی اور ساتھ یہ پیغام بھی بھیجا

کہ آپ کی دعوت ہے سب مریدوں کی دعوت نہیں ہے۔“

بہر حال حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ عشق شیخ کی وجہ سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے لاہور اور امرتسر تشریف لانے کا واقعہ کثرت سے بیان فرمایا کرتے تھے، بڑے مزے سے یہ بھی بیان فرمایا کرتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”لاہور..... لا حول، امرتسر..... امرت برسر۔“

اسی واقعہ کے متعلق یہ بھی کئی دفعہ بیان فرمایا کہ ”میرے بھتیجے (حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے) عرفان نے انہیں دنوں میں خواب دیکھا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ امرتسر گاڑی پر تشریف لائے ہیں اور ڈبے پر موٹے موٹے حرفوں میں لکھا ہوا ہے کہ ”محمد حسن کے سوا کسی کو ملنے کی اجازت نہیں۔“

اسی واقعہ کے سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ”میں نے لاہور میں حضرت کی دعوت کی، حضرت نے دو چپاتیوں کیلئے لاہور سے امرتسر تشریف لے جانا قبول فرمایا، یہ حضرت کی شفقت تھی“ یہ بھی فرمایا کہ ”حضرت نے ہمارے بالا خانے میں کچھ فرمایا مجھے بہت افسوس ہوا کہ یہ ملفوظ تو نقل کرنا چاہئے تھا لیکن کوئی نقل کا وہاں انتظام نہ تھا، بعد میں وہ ملفوظ چھپا اور یہ بھی چھپا کہ امرتسر میں فلاں بالا خانہ میں یہ فرمایا تھا، میں حیران رہ گیا۔“

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ واقعہ بھی بار بار بیان فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک دفعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا مجلس خاص تھی میں تھا اور حضرت تھے کہ ”حضرت میں اگر کروڑ برس بھی (غالباً یہی لفظ تھا یا ساری عمر کا لفظ تھا) سجدہ میں پڑا رہوں تو اس نعمت کا شکر ادا نہیں کر سکتا کہ حق تعالیٰ نے خانقاہ سے تعلق جوڑ دیا، فرمایا (حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے) کہ ”آپ کو ایسا ہی سمجھنا چاہئے، مجھ سے تعلق کوئی معمولی تعلق ہے؟ مجھ سے تعلق حق تعالیٰ سے تعلق ہے۔“

یہ بھی حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ علاج کے سلسلہ میں جب لکھنؤ تشریف لے گئے تھے اور میں بھی وہاں حاضر ہوا تو کوئی صاحب مجھے وعظ کیلئے لے گئے واپسی پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا تو عرض کیا کہ ”میرا وعظ ہی کیا ہے، حضرت کے ملفوظات بیان کر دیئے“ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”یہی تو وعظ ہے“ لکھنؤ ہی کا واقعہ نقل فرمایا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ فرمایا ”افوہ! بد بو آ رہی ہے، کپڑے جلنے کی بد بو آ رہی ہے“ مکان میں ہر طرف دیکھا گیا کچھ نہ ملا، پھر فرمایا ”افوہ! بد بو آ رہی ہے“ تو خواجہ صاحب دور تشریف لے گئے اور بہت دور جا کر دیکھا کہ ایک جگہ کپڑا جل رہا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لفافہ کے بارے

میں فرمایا کہ ”افو..... لوگ کتنی بے احتیاطی کرتے ہیں..... مرچوں والے ہاتھوں سے لفافہ بند کیا ہے۔“
یہ بھی فرمایا کہ لکھنؤ میں جب ہر قسم کے علماء فضلاء حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آنے جانے لگے تو ارشاد فرمایا ظلت اعناقہم لہا خاضعین یعنی حق تعالیٰ نے سب مخالفین کو جھکا دیا۔“
انہی زمانہ میں جب حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ضعف کی وجہ سے خود زیادہ گفتگو نہ فرما سکتے تھے تو صاحبزادے حضرت مولانا عبید اللہ صاحب مدظلہم سے یا کسی خادم سے فرماتے وہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ یا ملفوظات پڑھتے، پھر ایک زمانہ تک تھوڑے تھوڑے وقفہ پر خود بھی کچھ ارشاد فرمایا کرتے تھے بعد میں ضعف زیادہ ہو جانے کی وجہ سے خود کچھ نہ فرماتے تھے، بعض دفعہ وعظ پڑھنے کے درمیان میں محبت سے بے اختیار ہنسی فرماتے اور فرماتے کہ ”حضرت خلوت میں رہتے تھے، نہ معلوم یہ دنیا بھر کی باتیں کیسے معلوم ہو جاتی تھیں۔“
غرض حضرت ہی کا تذکرہ اکثر مجلس میں رہتا تھا اور یہ کوئی معمولی بات نہ تھی، یہ بہت بڑا کمال تھا اور اسی طرز سے طالبین کو بہت نفع ہوتا تھا، اس نفع کی صورت یہ تھی کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ سے اور آپ کے اقوال و افعال کرنے سے فن اصلاح باطن واضح ہوتا تھا اور دین کے اہم پہلوؤں پر روشنی پڑتی تھی کیونکہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مجدد ملت تھے، امام فن تھے، علوم ظاہرہ و باطنہ کے جامع تھے، آپ نے دین اسلام کو ایسا واضح فرمادیا کہ صدیوں تک کسی ملحد کی دین بگاڑنے کی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی، نیز اولیاء اللہ کے تذکرہ سے رحمت نازل ہوتی ہے اور ایک اہم بات اس طرز سے یہ واضح ہوتی تھی کہ شیخ سے طالب کا تعلق بہت قوی ہونا چاہئے اور شیخ پکڑ کر اصلاح باطن کے سلسلہ میں سب طرف سے توجہ ہٹا دینی چاہئے۔

دلآرامے کہ داری دل درو بند دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند
ہمہ شہر پر زخو ہاں منم و خیال ماہے چہ کنم کہ چشم بد خون کند بکس نگاہے

حتی کہ اگر شیخ کے اساتذہ یا شیخ کے شیخ بھی حیات ہوں تو طالب کیلئے یہی مناسب ہوتا ہے کہ توجہ اپنے شیخ ہی کی طرف ہو، یہ آگے شیخ کا کام ہے کہ وہ اپنے اساتذہ یا شیخ کی طرف متوجہ ہو، تعلق بالشیخ میں جب تک رسوخ و یکسوئی نہ ہو اس وقت تک اصلاح باطن کی تکمیل نہیں ہوتی کیونکہ اس فن کا مدار یکسوئی پر ہے اور اعتماد علی الشیخ پر ہے، جتنا شیخ سے تعلق قوی ہوگا اتنی ہی یکسوئی زیادہ ہوگی اور اتنا ہی اعتماد علی الشیخ زیادہ ہوگا، پھر یہ مہینوں کی مسافت دنوں میں اور دنوں کی گھنٹوں میں طے کرتا چلا جاوے گا، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کثرت سے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

پیش مرد کا ملے پا مال شو

قال را بگذا مرد حال شو

استاد محترم حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ”سچے تو کئی ہوتے ہیں لیکن باپ ایک ہوتا ہے“ یعنی محبت و احترام تو سب بزرگوں کا قلب میں ہونا چاہئے لیکن تعلق اصلاح و استفادہ باطنہ کا تعلق صرف ایک سے ہونا چاہئے۔ احقر کا تب الحروف نے ابھی ابتدائی تعلیم عربی شروع کی تھی اور ابتداء جامعہ اشرفیہ لاہور ہی میں کی تھی اور احقر کی ابتداء تعلیم کے دن تعلیمی سال کے آخری یام تھے، پھر نئے سال کے متعلق حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اور دیگر حضرات کا مشورہ ہوا کہ احقر خیر المدارس ملتان جاوے، تعلیم شروع کرنے کے ساتھ ہی احقر نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اصلاح باطن کا تعلق بھی قائم کر لیا تھا، جب احقر ملتان جانے کیلئے تیار ہوا تو انتہائی مانگھی سے احقر نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا ”حضرت! اب میں ملتان جا رہا ہوں وہاں اصلاح کا تعلق کس سے قائم کروں؟“ احقر کی نوعمری اور بے سمجھی کو دیکھتے ہوئے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ محبت سے سمجھایا کہ ”دیکھو! اصلاح باطن کا تعلق ایک ہی شخص سے ہوتا ہے“ غالباً یہ بھی فرمایا کہ ”دوسرے شہر میں جائے تو خط و کتابت رکھے۔“

تواضع

ایک نمایاں چیز جو شیخ طریقت ہادی امت سراپا رحمت حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں احقر عاجز نے محسوس کی وہ تواضع تھی اور رفا فی الشیخ کا یہ لازمی اثر تھا کیونکہ فناء فی الشیخ ہونے سے شیخ کے کمالات طالب میں آتے ہیں ”خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے“ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع لامحالہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں آئی تھی اور آئی، بار بار فرمایا کرتے تھے کہ ”حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ میں چونکہ بہت تواضع تھی تو سب اہل مجلس میں تواضع آ گئی تھی اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ہر شخص اپنے آپ کو سب سے حقیر شمار کرتا تھا“ اور فرمایا کرتے تھے کہ ”حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ میں اتنی تواضع تھی کہ اگر آسمان سے آواز آتی کہ دنیا میں سب سے حقیر کون ہے تو سب سے پہلے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ میں ہوں۔“ ایک مرتبہ جبکہ احقر خیر المدارس میں پڑھتا تھا تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احقر سے فرمایا کہ ”طلباء سے الگ رہا کرو اور یہ خیال کرنا کہ جیسے بھنگی دوسرے لوگوں سے الگ رہتا ہے کہ اس کی گندگی سے اوروں کو تکلیف نہ پہنچے اسی طرح تم بھی الگ رہنا“ سبحان اللہ خلوت کی بھی تعلیم فرمائی اور تکبر سے بچنے کی بھی تدبیر سکھلا دی۔

ایک دفعہ خیر المدارس میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے، احقر چائے کے برتن دسترخوان پر رکھ رہا تھا، حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ احقر کو تنبیہ فرمائی اور ساتھ ہی حضرت

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خطاب فرماتے ہوئے فرمایا کہ ”دیکھئے آپ کے مرید ایسے ہیں“ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب لہجہ میں فرمایا کہ ”جب ستاؤہ میں ہی کچھ نہ ہو تو بدن میں کیا آئے گا“ یعنی جس مشک میں سے لوسٹے میں پانی ڈالنا ہے جب اس مشک میں کچھ نہ ہو گا تو لوسٹے میں کیا آوے گا، عجیب عنوان سے اپنی عاجزی کا اظہار فرمایا، سبحان اللہ۔

اولیاء اللہ میں جتنی حق تعالیٰ کی معرفت برہتتی چلی جاتی ہے تو اضع بھی برہتتی چلی جاتی ہے اس راستہ میں اول قدم بھی فناء ہے اور آخری کمال بھی فناء ہے، ہزاروں کا ارشاد ہے کہ ”جس سالک نے تواضع حاصل نہ کی کچھ بھی حاصل نہ کیا“ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ”بعض لوگ جب دو چار نفل پڑھ لیتے ہیں تو (ٹوپی ماتھے پر رکھ کر فرمایا کہ) ٹوپی یوں رکھ لیتے ہیں“ یعنی متکبرانہ طریق سے رکھ لیتے ہیں، غالباً حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل فرمایا کہ ”مجھے تکبر سے ایسی ہی نفرت ہے جیسی کفر سے نفرت ہے“۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسجد نیلا گنبد میں جمعہ کے دن وعظ فرمایا کرتے تھے، جب حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ لاہور میں تشریف لے آئے تو آہستہ آہستہ جمعہ کا وعظ ان کے سپرد فرما دیا، کچھ عرصہ خود بھی ساتھ وعظ فرماتے رہے، دونوں حضرات وعظ فرماتے تھے، عجیب انوار ہوتے تھے، پھر کچھ ضعف کی وجہ سے کچھ تواضع کی وجہ سے خود وعظ فرمانا بند فرما دیا، یہ ہے شان عبدیت۔ ایک دفعہ ایک طالب کو کسی کوتاہی پر ڈانٹا اور فرمایا ”تو نے خبیثوں جیسا کام کیا“ یہ بھی نہ فرمایا کہ تو خبیث ہے، پھر شاید یہ خیال فرمایا کہ اس کا قصور نہ تھا تو اگلے دن بلا کر فرمایا کہ ”میں تمہیں ڈانٹ کر پچھتایا بہت“ عجیب تواضع تھی کسی شیخ کو مرید سے معافی مانگتے بھی بھلا کسی نے سنا ہوگا، آپ نے اپنے آپ کو بالکل مٹا دیا تھا اور شاید حضرت کی شان فناء اور تنہائی پسندی ہی کی خواہش حق تعالیٰ نے یوں پوری فرمائی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وصال کراچی میں ہوا اور بہت جلدی نہایت سادگی سے عامۃ المسلمین کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ ع زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے۔

یاد پڑتا ہے کہ بعض دفعہ اپنی طرف سے یا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ”ہم اگر حق تعالیٰ کے افعال کی حکمتیں پوچھیں تو یہ ایسا ہے جیسے پانی کے قطرہ میں باریک باریک جراثیم ہوتے ہیں ان میں سے ایک سر اٹھا کر یہ کہے کہ انسان کے فلاں کام میں کیا حکمت ہے؟“ یعنی جیسے پانی کے قطرے کے باریک جراثیم کی انسان کے سامنے وقعت نہیں ایسے ہی انسان کی حق تعالیٰ کے سامنے کچھ وقعت نہیں کہ حق تعالیٰ کے کسی فعل پر اعتراض کر سکے۔

فکر آخرت

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نمایاں شانوں میں سے ایک شان جو احقر نے اظہر من الشمس درجہ میں محسوس کی وہ فکر آخرت کی شان تھی، دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی نعمتوں کا استحضار اور حیات آخرت کے قوی اور دائمی ہونے کا تصور ہر وقت حضرت کے پیش نظر رہتا تھا البتہ ہم جیسے عاجزوں کی آسانی کیلئے بارہا احقر کا تب الحروف نے یہ فرماتے بھی سنا کہ ”تھوڑی سی غفلت بھی ہونی چاہئے اگر یہ غفلت نہ ہو تو دنیا کا کوئی کام نہ کیا جاسکے“ غالباً یہ بھی فرمایا ”لولا السحمة لقاء لخریبت الدنیا کہ اگر دنیا میں لاپرواہ اور بے فکرے لوگ نہ ہوتے تو دنیا ویران ہو جاتی کہ دنیا کی چیزوں کو بنانے اور سنوارنے کی طرف کسی کو توجہ نہ ہوتی معمولی قوت لایموت غذا ہوتی، معمولی کپڑے اور مکان کے ذریعہ سے گرمی سردی سے بچنے کا انتظام ہو جاتا، یہ زیب و زینت یہ شور و شغب بھلا کہاں ہوتا۔“

توجہ الی الآخرة اور شوق آخرت کا یہ عالم تھا کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود بیان فرمایا کہ جب میری ٹانگ کاٹی جا رہی تھی تو ایک ڈاکٹر صاحب نبض پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے تھے انہوں نے حیرانی کا اظہار کیا کہ ان کی نبض میں کچھ تغیر نہیں ہوا جس طرح عام حالات میں نبض رہتی ہے ویسی ہی رہی۔ یہ توجہ الی الآخرة اور دنیا کی بے ثباتی کے استحضار ہی کا تو نتیجہ تھا ورنہ عام مریض تو معمولی سے آپریشن میں دل چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ احقر کی اہلیہ کا حضرت کے داماد ڈاکٹر سعید جلال الدین صاحب مرحوم نے بے ہوش کر کے ایک دفعہ دانت نکالا تو چہرے کی زردی وغیرہ دیکھ کر گھبرا گئے کہ حالت خطرناک سی معلوم ہوتی ہے، یہاں حضرت کی ٹانگ مبارک کاٹی جا رہی ہے اور کچھ بھی فکر نہیں اور ٹانگ وغیرہ کے کٹنے کے بعد بھی حضرت اپنا دست مبارک کٹی ہوئی ٹانگ کی طرف بڑھایا کرتے تھے کہ اس میں درد محسوس ہوتا ہے، واللہ اعلم ڈاکٹروں کے نزدیک اس کا منشا کیا ہو، احقر کے ذہن ناقص میں اس کی وجہ یہ آتی ہے کہ عالم برزخ میں علی حسب المراتب صالحین کو جو حیات حاصل ہوتی ہے اس قسم کی حیات اس ٹانگ مبارک میں تھی اس لئے کٹنے کے بعد بھی احساس فرمایا، واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ الی الآخرة اس سے بھی نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ ایک دفعہ احقر نے ایک خط میں اس قسم کا مضمون لکھا کہ چھٹیوں میں کچھ دن حضرت کی خدمت میں رہ کر گھر جانے کا خیال ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تحریر فرمایا ”سفر میں گھر نہیں ہوتا“ احقر پہلے تو اس ارشاد کا مطلب اپنی نوعمری اور کم سببی کی وجہ سے نہ سمجھ سکا پھر احقر کے شریک حجرہ حضرت ماسٹر عبدالرفیق صاحب مدظلہم کے سمجھانے سے سمجھ میں آیا کہ حضرت کی توجہ تو ہر وقت آخرت کی طرف رہتی ہے اور دنیا کی ساری زندگی کو سفر ہی خیال فرماتے ہیں اس

لئے فرمایا کہ ”اس دنیا کے سفر میں رہتے ہوئے گھر کہاں“ یعنی دنیا کے گھر کو گھر نہ سمجھو گھر تو آخرت ہے۔ حدیث پاک میں ہے کن فی الدنيا كانك غریب او عابر سبیل کہ دنیا میں ایسے رہو جیسے مسافر سرائے میں رہتا ہے بلکہ ایسے رہو جیسے مسافر سفر طے کرتے وقت معمولی سامان کندھے پر اٹھا کر اپنی منزل مقصود تک جلد از جلد پہنچنے کی کوشش کرتا ہے اور جو سرمایہ وہ کما کر لایا ہے اس کو سرائے کی مرمت پر یا سڑک کی مرمت پر خرچ نہیں کرتا اور خالی ہاتھ گھر پہنچنا نہیں چاہتا، ایسے ہی دنیا میں رہنے والے مسافر کو کچھ چاہئے کہ اپنی عمر کے قیمتی سرمایہ کو جس سے جنت جیسی عالی شان نعمت کو خرید سکتا ہے ضائع نہ کرے اور اپنی آخرت کی فکر کرے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ”دنیا دار کو تو اپنے محبوب سے نفع اٹھانا بھی نہیں آتا“ یعنی دنیا کی چیزوں سے جولذت دیندار حاصل کر سکتا ہے بھلا وہ دنیا دار کہاں حاصل کر سکتا ہے، دیندار دنیا کی حلال نعمتوں کو لذت اور قوت اور راحت کا ذریعہ بھی سمجھتا ہے اور ساتھ ساتھ محبوب کی طرف سے دیا ہوا عطیہ بھی سمجھتا ہے اور محبوب کی بھیجی ہوئی معمولی سی چیز میں بھی عجیب لذت ہوتی ہے اس کو محبت ہی سمجھ سکتا ہے، تو جولذت دیندار کو دنیا کی چیزوں میں محسوس ہوتی ہے بھلا دنیا دار کو کہاں محسوس ہو سکتی ہے، بعض لوگوں کے ذہن میں جو یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ نیک بننے سے دنیا کو بالکل چھوڑنا پڑے گا اور یہ مشکل ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ ارشاد سے اس شیطانی دھوکہ کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں کہ دنیا کی پوری لذت ہی دیندار بننے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

محترمی چودھری روشن علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ خلیفہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احقر سے اپنا حال ذکر فرمایا کہ میں نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ ”جی چاہتا ہے کہ نوکری چھوڑ دوں“ فرمایا کہ ”مزہ تو اسی میں ہے کہ تھانیداری میں فقیری کرائی جائے“ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے بلا واسطہ یہ ملفوظ سننا بھی یاد پڑتا ہے کہ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب مانووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ طریقت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ ”حضرت کیا نوکری چھوڑ دوں؟“ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود کتابیں پوری پڑھئے ہوئے نہ ہونے کے رئیس العلماء حضرت مانووی رحمۃ اللہ علیہ کی یوں رہنمائی فرمائی کہ ”مولانا! ابھی تو آپ پوچھ ہی رہے ہیں یہ پوچھنا علامت ہے تیرے دھوکے اور تیرے دعوامت ہے خامی کی اور خام آدمی کو ترک اسباب نہ چاہئے جب پختگی ہوگی تو خود ہی چھوڑ دو گے۔“

بہر حال ہمارے حضرات صاحبان رحمہما اللہ کا اصول ہے کہ ایک بڑے درجہ کی پختگی ہوئے بغیر

ملازمت چھوڑنے کو پسند نہیں فرماتے، بلکہ ہمارے حضرات تو حرام نوکری کو بھی فوراً چھوڑنے کا مشورہ نہیں دیتے بلکہ فرماتے ہیں کہ پہلے حلال ذریعہ معاش کا انتظام کر لو پھر چھوڑنا کیونکہ اب تو حرام ہی میں ابتلاء ہے خطرہ ہے کہ نوکری چھوڑنے پر فقر سے تنگ آ کر کہیں کفریہ کلمات کہنے نہ شروع کر دو۔

احقر کا تب الحروف کو یاد پڑتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مثال بیان فرمائی کہ اگر بادشاہ اعلان کر دے کہ فلاں قلعہ جو موتیوں اور ہیرے جواہرات سے پر ہے اور موتی اتنا قیمتی ہے کہ اس سے پوری سلطنت خریدی جاسکتی ہے اس قلعہ کے دروازے اتنے بکے سے اتنے بکے تک کھلے رہیں گے جو جتنے چاہے موتی اٹھا کر لے جاوے تو پھر نہ کھانے کی فکر ہوگی، نہ پیٹاب پاخانہ کا خیال ہوگا، کوشش ہوگی کہ جتنے زیادہ سے زیادہ ہو سکیں موتی جمع کر لوں، اس سے زیادہ قیمتی انسان کی عمر کے سانس ہیں کہ ایک ایک سانس میں نیکی کر کے جنت اور رضائے حق خریدی جاسکتی ہے جو دنیا کی سلطنتوں سے کہیں بہتر ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ جبکہ مزدور بحری جہاز پر سے سامان اتارنے میں اور اجرت لینے میں مشغول تھے ایک بدو کے لڑکے نے کہا کہ مجھے پیٹاب (یا کہا) پاخانہ کی حاجت ہے تو بدو کہنے لگا کہ کیا یہ پاخانہ کا وقت ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اس واقعہ کے بیان فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ دنیا میں رہ کر آخرت کیلئے دن رات کمانے میں ایسے ہی مشغول ہونا چاہئے جیسے وہ بدو اور اس کا لڑکا مشغول تھے۔

اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کثرت سے فرمایا کرتے تھے کہ یہ تو لوٹ کا زمانہ ہے کہ کام تھوڑا اجرت زیادہ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں ایک نیکی کرنے والے کو پچاس کے برابر ثواب ہوگا حضرات صحابہ نے عرض کیا کہ ہم میں سے پچاس یا ان میں سے پچاس فرمایا کہ تم میں سے پچاس، حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں تو ہمت نہیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں تعبیر فرمایا کہ ”ایک آدمی کو فتنہ کے زمانہ میں پچاس ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر اجر ملتا ہے۔“

احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ ہے کہ گنتی کے لحاظ سے پچاس گنا ثواب ملتا ہے یہ مراد نہیں کہ عمدگی کے لحاظ سے پچاس گنا ملتا ہے مثلاً جنت میں ایک صحابی کو ایک نماز کی وجہ سے ایک مکان ملا اور اس فتنہ کے زمانہ میں ایک نماز پڑھنے والے کو پچاس مکان ملے تو گنتی کے لحاظ سے اس کے مکان زیادہ ہوں گے اور عمدگی اور خوبصورتی کے لحاظ سے صحابی کا مکان بہت بڑھ چڑھ کر ہوگا، سلف صالحین کے ارشادات میں مذکورہ تفصیل واضح طور پر مذکور ہے۔

ایک دفعہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ ہم میں تو ہمت نہیں حضرت تھانوی رحمۃ

اللہ علیہ نے روزہ سے تقویٰ پیدا ہونے کی صورت میں یہ فرمایا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ چونکہ روزہ میں تقلیل طعام ہے اس لئے اس سے قوت بہیمیہ جو گناہ کراتی ہے وہ کمزور ہو جاتی ہے تقویٰ اختیار کرنا آسان ہو جاتا ہے، یہ نقل کر کے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ غلط ہے وجہ اصل میں یہ ہے کہ گناہ کی عادت چھوڑنے کی قوت روزہ سے پیدا ہوتی ہے کہ جب کھانے کی پختہ عادت کو بدل دیتا ہے تو گناہوں کی عادت کا بدلنا بھی آسان ہو جاتا ہے اور قوت بہیمیہ کی کمزوری کیلئے تقلیل طعام ضروری نہیں دو کھانوں میں فصل بڑھ جانا ہی کافی ہے، اپنے بزرگوں کی تحقیقات بیان فرما کر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرمایا کرتے تھے یا حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی طرف سے فرمایا کرتے تھے:

اولئک آبائی فجئنی بمثلہم اذا جمعنا یا جریر المجمع

یعنی ہمارے آباء اور ہمارے اکابر یہ ہیں ان جیسے جریر جب مجمع ہو تو تم بھی لا کر دکھاؤ۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہستی کی نظیر اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہستی کی نظیر کوئی لا کر تو دکھاوے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ نقل فرمایا کہ حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دفعہ ایک ہندو سے ملاقات ہوئی جس کے پاس ایک کتاب میں کسی پنڈت کے کچھ کشف لکھے ہوئے تھے اس میں حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تو یہ لکھا تھا کہ ان کی عمر بہتر (۷۲) سال کی ہوگی اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ لکھا تھا کہ ایسے رشی (یعنی عالم) صدیوں میں آیا کرتے ہیں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان پیشین گوئیوں کا ذکر ہوا تو پہلی پیشین گوئی کے متعلق یہ فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ اسے کشف میں جھوٹا کرے“ اور دوسری پیشین گوئی کے متعلق فرمایا کہ ”ہر شخص کی نظیر صدیوں ہی میں آتی ہے“ کو یا اپنے مجدد ملت ہونے کے کمال کو تو انصافاً چھپایا لیکن جب اکابر دیوبند میں مشہور و مسلم ہے کہ اس صدی کے مجدد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں تو پھر بھلا یہ بات کیسے چھپی رہ سکتی ہے۔

احقر راقم الحروف کو کچھ حیرانی تھی کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کثرت سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات بیان فرماتے ہیں اتنے ملفوظات کیسے یاد رہتے ہوں گے اس کا جواب احقر کو یوں ملا کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب خیر المدارس کے جلسہ پر تشریف لے گئے اس سال حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے خلفاء کرام کو دعوت دی گئی تھی کیونکہ حضرت مولانا شبیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین کو کسی اجتماعی طرز پر تبلیغ و خدمت دین کی دعوت دینا چاہتے تھے

اس سلسلہ میں حضرت مولانا شیر محمد صاحب گھونگی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے بزرگوں میں مفتی مناسک شاکر کئے جاتے تھے انہوں نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اپنا ایک واقعہ ذکر فرمایا کہ میں ایک دفعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دو روٹیاں خاص قسم کی پکا کر لے گیا اور بطور ہدیہ پیش کیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھ کر فرمایا کہ ایک روٹی چھوٹی ہے ایک بڑی ہے اب اگر میں اپنے دو گھروں میں سے ایک گھر میں چھوٹی دوں ایک میں بڑی تو یہ عدل کے خلاف ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ آپ اپنی طرف سے ایک گھر میں ایک اور دوسرے گھر میں دوسری بطور ہدیہ کے دے دیویں آپ کے ذمہ تو عدل نہیں وہ تو خاوند کے ذمہ ہوتا ہے چنانچہ حضرت مولانا شیر محمد صاحب گھونگی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے غور اور توجہ سے حضرت کی اس شان عدل والی بات کو سنا اور بعد میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملنے والوں سے وہ بات بیان فرمائی متعدد بار وہ واقعہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احقر کی موجودگی میں سنایا اب احقر راقم الحروف کی سمجھ میں یہ آیا کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ملفوظات یا فرماتے ہیں اول تو محبت کی وجہ سے محبوب کی باتیں فوراً دل کی تہہ میں پہنچ جاتی ہیں اور پھر جلدی جلدی بیان فرمانے سے تکرار ہوتا رہتا ہے تو وہ بہت پختہ یا دہو جاتی ہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں گھروں میں مساوات کرنے کیلئے ایک ترازو اپنے بیٹھنے کی جگہ میں رکھا ہوا تھا جو چیز دونوں گھروں میں ارسال فرماتے تھے تو تول کر برابر ارسال فرماتے تھے، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ بھی دو تھیں اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بیعت فرمانے میں تاخیر فرمائی اور جب تک پوری تسلی نہ فرمائی کہ دو اہلیہ محترمہ ایسے طریقہ سے رہیں ہیں کہ ان کی حق تلفی کا حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر کچھ بار نہیں جب تک اس بات کی تسلی نہ فرمائی بیعت نہیں فرمایا۔

بہر حال احقر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان فکر آخرت عرض کر رہا تھا غالباً حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کے زبان مبارک سے احقر نے یہ بھی سنا کہ ہمارے حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سامان بہت معمولی سا اور مختصر تھا ایک پرانا سا صندوق تھا اور ایسے ہی مختصری چند چیزیں تھیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر میں چاہتا تو خانقاہ کی دیواریں سونے کی ہوتیں یہ بھی فرماتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی برکت سے ایک بڑی جماعت حلال روٹی کما رہی ہے یعنی لوگ حضرت کی کتابیں چھاپتے ہیں،

بیچتے ہیں، روزی کھاتے ہیں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات میں ہے کہ کافر غالباً انگریز نے پوچھا کہ آپ نے جو بیان القرآن لکھا اس کے عوض میں کتنے روپے لئے؟ فرمایا کچھ بھی نہیں، کہا تو پھر کیا فائدہ ہوا؟ فرمایا دو فائدے ہوئے ایک یہ کہ لوگوں کو پڑھتے ہوئے فائدہ اٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں تو دل خوش ہوتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے اس میں اس کا فائدہ ظاہر ہوگا۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بہت سے غم لے کر ہم خانقاہ جاتے تھے، احاطہ خانقاہ میں داخل ہوتے ہی سب غم ختم ہو جاتے تھے، عجیب جگہ تھی کوئی ہنس رہا ہے، کوئی رو رہا ہے، بعضوں کو وہاں کے پاخانوں سے خوشبو آتی تھی۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک دفعہ رمضان المبارک میں تھانہ بھون جانے کا ارادہ بھی تھا لیکن دوسروں نے قرضہ تھا فکر تھی کہ یہ کیسے ادا ہوگا؟ نہ جاؤں تو یہاں روپیہ کمانے کا انتظام کروں لیکن چلا گیا حاضر ہو کر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے مصافحہ کیا فوراً فرمایا ”دوسروں نے بھی کوئی چیز ہیں علماء کے جوتوں کی خاک ہیں“ اور میرا ہاتھ اس وقت چھوڑا جب وہ فکر دل سے نکال دیا بعد میں کسی صاحب نے مشکوٰۃ وغیرہ پڑھنی شروع کی اور جلد ہی دوسروں نے ہو گئے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلی مرتبہ جب میں تھانہ بھون میں حاضر ہوا تو وہ ۱۳۴۰ھ تھی ہر سال رمضان المبارک کی طویل چھٹیوں میں تھانہ بھون حاضری ہوتی تھی، احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تیس (۲۳) سال اپنے شیخ باطن سے استفادہ فرمایا اور یہی مدت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضور ﷺ سے استفادہ کی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی قرب میں مقام صدیقیت کے مشابہ کوئی مقام حاصل تھا۔

برادر محترم مولانا آصف خان صاحب مدظلہم (خلیفہ حضرت مولانا جلیل احمد صاحب شیروانی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) نے احقر کے پاس اپنے شیخ یا دا دا شیخ کا ملفوظ نقل فرمایا کہ ”جو خادم اپنے شیخ کے وصال کے بعد اس کے بال بچوں کی خدمت کا زیادہ خیال کرے اس کو اپنے شیخ سے مقام صدیقیت حاصل ہوتا ہے“ یہ خصوصی سعادت بھی حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو نصیب ہوئی کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی اہلیہ محترمہ لاہور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لے آئیں اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت پیرانی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کی خدمت و احترام میں بہت کوشش فرمائی تا دم تحریر حضرت پیرانی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کوشش سے

حاصل شدہ مکان لاہور میں تشریف فرما ہیں اور حضرت کے صاحبزادگان و متعلقین حضرت پیرانی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کو راحت پہنچانے اور خوش رکھنے کو اپنی سعادت شمار فرماتے ہیں۔

احقر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان فکر آخرت کے متعلق کچھ عرض کر رہا تھا حضرت بار بار یہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ کے پاس انسان کو سنگ پارسل جاتا ہے جو پتھر کو سونا بنا دیتا ہے اس ارشاد گرامی کی احقر راقم الحروف کے نزدیک مختلف تفسیریں ہیں:

(۱) یہ کہ شیخ گر سکھلاتا ہے کہ مباح کاموں میں بھی اچھی نیت کر لیا کرو مثلاً سونے میں یہ نیت کر لی کہ بدن کی تھکاوٹ دور ہوتا کہ اٹھ کر تازہ دم ہو کر عبادت کر سکوں، کھانے میں یہ نیت کر لی کہ قوت حاصل ہو تاکہ عبادت کر سکوں، جائز ملازمت میں یہ نیت کر لی کہ بیوی بچوں کے حقوق جو واجب ہیں وہ ادا ہو سکیں، بیوی بچوں کے پاس اٹھنے بیٹھنے میں یہ نیت کر لی کہ ان کے حقوق ادا ہوں اور توجہ غیر عورتوں کی طرف نہ ہو و علی ہذا القیاس، اس طرح مباح کام جو آخرت میں اینٹوں اور پتھروں کا درجہ رکھتے ہیں وہ نیت کا مقام حاصل کر لیں گے اور سونا بن جائیں گے۔

(۲) تفسیر یہ ہے کہ شیخ کے پاس جا کر انسان جو پتھر کی طرح بالائق اور بے کار سا ہوتا ہے شیخ کی تربیت سے کام کا مثل سونے کے بن جاتا ہے۔

(۳) تفسیر یہ ہے کہ جو چیزیں پہلے معمولی نظر آتی تھیں شیخ کے پاس جا کر تعلق مع اللہ کی برکت سے وہ انتہائی لذیذ بن جاتی ہیں مثلاً کھانا پہلے صرف جان بچانے کیلئے یا مٹھاس کھاناس کی لذت کیلئے کھاتا تھا اور اب تحفہ محبوب حقیقی کی حیثیت سے کھائے گا تو اس کی حیثیت کئی گنا بڑھ جائے گی۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بار بار بڑے مزے سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا کرتے تھے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ”دھن دھن اور تن من میں مزا ہے“ (یعنی گانے باجے میں) مزا تو علم میں ہے اور اس سے بڑھ کر عمل میں ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب خود مجلس میں ارشادات عالیہ سے آنے والوں کو نوازا کرتے تھے تو اس زمانہ میں حضرت کے ارشادات کا ایک بڑا حصہ دنیا کی ناپائیداری اور آخرت کے شوق دلانے میں ہوتا تھا مجلس پر عجیب اثر ہوتا تھا، عموماً حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سر مبارک پر دستار مبارک ہوتی تھی اور خوب عاشقانہ اور مستانہ انداز میں جھوم جھوم کر حب حق، اہمیت ذکر فکر آخرت اور کمالات حضرت شیخ بیان فرمایا کرتے تھے کیا عجیب مجلس تھی ”از دل خیز دل ریز“ کا مصداق تھا، بعض خدام بھی وجہ کی حالت میں ہوتے تھے حضرت مولانا

فقیر محمد صاحب خلیفہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو ہمیشہ مجلس کے آخر میں چٹنیں مار مار کر رو یا کرتے تھے اور حضرت چودھری روشن علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی کبھی کبھی ضبط نہ کر سکتے تھے اور چٹکیاں لے لے کر رو یا کرتے تھے، دیکر ہونے سے اور فکر آخرت میں سرشار ہونے سے تو کوئی اہل مجلس بھی خالی نہ رہتا ہوگا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس تربیت میں تو یہ حالت ہوتی ہی تھی سفر میں بھی ہر ہر ملنے کیلئے آنے والے کے ساتھ دین ہی کی باتوں کا تذکرہ اور مناقب شیخ اور توجہ الی اللہ اور فکر آخرت ہی کی باتیں رہتی تھیں، ایک دفعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کراچی تشریف لے جا رہے تھے احقران دنوں ملتان میں تھا، اطلاع ہونے پر احقر خانیوال آ گیا وہاں سے ملتان تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گیا جب ملتان گاڑی پہنچی تو کچھ احباب ملنے کیلئے آئے اور ان کے آتے ہی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فکر آخرت اور دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ بہت زور شور سے شروع فرما دیا اور بہت دیر تک ارشادات عالیہ سے نوازتے رہے، ایک آگ تھی فکر آخرت کی جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قلب مبارک میں لگی ہوئی تھی ہر ملنے والے کے دل میں وہ آگ لگانا چاہتے تھے، یا اللہ ہمیں بھی اپنے فضل و کرم سے فکر آخرت نصیب فرما۔

شان تربیت

ویسے تو گزشتہ تینوں عنوانوں کے واقعات اور ملفوظات عالیہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شان تربیت کو واضح کرتے ہیں کیونکہ حب شیخ، تواضع اور فکر آخرت اصلاح باطن کی بنیادی چیزیں ہیں تاہم کچھ متفرق واقعات و ارشادات اس عنوان میں ذکر کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، حضرت کی شان تربیت، تسلی، شفقت و رحمت اور تیسیر سائلین سے لبریز تھی کوئی کتنا ہی پریشان حال ہوتا دنیاوی پریشانیوں میں مبتلا ہوتا یا دینی مشکلات درپیش ہوتیں ایسی تسلی فرماتے تھے کہ گویا پریشانی کو ہاتھ سے پکڑ کر دل سے خارج فرما دیتے تھے، بعض دفعہ مصیبت زدہ سے فرماتے تم مصیبت کو تو دیکھتے ہو یہ نہیں دیکھتے کہ اس پر ثواب کتنا ہے، جتنی مصیبت بڑی ہے اتنا ہی ثواب بھی زیادہ ہے۔

تقلیل طعام وغیرہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ بدن سرکاری مشین ہے اس کا خیال رکھنا ضروری ہے، حدیث پاک المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ (کامل مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں) کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد نقل فرمایا کہ خود بھی تو مسلم ہے اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو تکلیف پہنچانے کا کام بھی نہ کرنا چاہئے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ہر وقت توجہ الی اللہ ہی میں اور ذکر

وغیرہ ہی میں لگے رہتے تھے ایسے مشغول رہتے تھے کہ ہم ایک دن بھی ایسے نہیں گزار سکتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہر روز دس پارے پڑھ لیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے کبھی توفیق نہیں ہوئی کہ میری رمضان المبارک کی عبادت غیر رمضان سے بڑھ جائے یہ مقولہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا نقل فرما کر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت کا تو ہمیشہ رمضان ہی رہتا تھا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ نقل فرمایا کہ انتیس شعبان کی شام کو خانقاہ میں حوض پر ٹہل رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ انوار محسوس ہو رہے ہیں امید ہے کہ چاند ہو جائے گا چنانچہ ہو گیا۔ فرمایا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشغولیوں کو دیکھ کر کوئی شخص ہرگز نہیں یقین کر سکتا تھا کہ اس شخص کی کوئی تصنیف بھی ہوگی اتنے مشغول رہتے تھے بعض دفعہ فرمایا غالباً خود حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں بعض مضامین تو ایسے ہیں کہ دانتوں کو بھی پسینہ آ جاوے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ پنجابیوں کی خانقاہ میں کثرت دیکھ کر حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ٹہل رہے تھے اور یہ مصرع پڑھ رہے تھے میرے محبوب کو پنجابیوں نے لوٹ لیا، احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ مصرع سن کر اور سمندری کے علاقے کے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے خادموں کو دیکھ کر احقر بعض دفعہ تنہائی میں یوں پڑھا کرتا تھا ”میرے محبوب کو ان بحر یوں نے لوٹ لیا“ بحر یوں سے مراد سمندری والے ہیں کیونکہ سمندر اور بحر کے ایک ہی معنی ہیں، یہ سمندری والے حضرات حضرت چودھری روشن علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، سید رشید احمد صاحب اور ان کے بھائی صاحب مدظلہ تھے، جناب کرنل طور صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دو چھوٹے بھائی تھے، دو ماسٹر صاحبان بھی سمندری سے تشریف لایا کرتے تھے، یہ سب حضرات سمندری کے علاقہ کے تھے۔

احقر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان تربیت کے متعلق کچھ عرض کر رہا تھا، حضرت میں شفقت و رحمت کا اتنا غلبہ تھا کہ سبقت رحمتی علی غضبی کے مظہر تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شان شفقت و نوازش کا یہ عالم تھا کہ ملنے والوں کو حضرت سے محبت بڑھتی جاتی تھی حتیٰ کہ احقر جیسے مالا لائق نے بھی جب پانچ سال کے بعد پھر لاہور میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں مستقل قیام کے اسباب بن گئے تو جوش محبت میں چند شعر کہہ دیئے۔

اُف یہ بدلا کس کی الفت نے مری تقدیر کو کر دیا شاید ہے پورا خواب کی تعبیر کو
جس کے ملنے کو ترستا تھا تو سرور ہر گھڑی آج دونوں ہاتھ پھیلا کر نظر تجھ پر کری

جن کی صورت کو ترستا تھا کہ اک دیدار ہو کہہ رہے ہیں آؤ سرور ہم سے در عشق لو
 دم بدم صبح و مسامتی کی مے کیوں نہ پیوں دیکھ کر محبوب کا چہرہ نہ کیوں ہر دم جیوں
 بیچ سالہ غم کا راستہ اب ختم ہونے کو ہے انتظار عشق کی تلخی بھی کم ہونے کو ہے
 چند دنوں میں اب مری دنیا بدل ہی جائے گی
 اب تو حالت عشق کی اک آئے گی اک جائے گی

تواضع پیدا کرنے کیلئے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے بارہا قولاً تربیت فرماتے تھے عملاً بھی تربیت فرماتے تھے مثلاً ”حضرت“ کہنے کے متعلق بعض دفعہ فرماتے یہ کیا ”ادرک ادرک“ کہتے رہتے ہیں یعنی جب مجھے حضرت کہا جاتا ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھ سے مذاق کیا جا رہا ہے اور ”ادرک ادرک“ کہا جا رہا ہے۔ انتہائی حضرت رحمۃ اللہ علیہ میں تواضع کی بعض دفعہ فرمایا کہ لوگ جو مجھے ”مفتی صاحب مفتی صاحب“ کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب کا میں استاد ہوں ان کی عزت کرتے ہوئے مجھے ”مفتی صاحب مفتی صاحب“ کہہ دیتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت میں بہت برکت تھی حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے احقر راقم الحروف سے بلا واسطہ فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب میرے استاد ہیں (اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ بقیہ حیات تھے) اور استاد بھی ایسے کہ میں بعض دفعہ کتاب کی عبارت شروع کرتا غلطی کرتا تو حضرت عینک کو نیچے کر کے یوں میری طرف دیکھتے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احقر کا تب الحروف کی طرف عینک ذرا نیچے کر کے دیکھا اور فرمایا کہ بس حضرت کا دیکھنا تھا کہ فر فر عبارت آ جاتی اور پڑھ لیتا۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سر کو دھوی خطیب جامع مسجد سر کو دھاسے احقر راقم الحروف نے بلا واسطہ سنا کہ مجھے کچھ پڑھائی کا شوق شروع میں کم تھا حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کیا کرتا تھا ایک دفعہ مجھے بنیان دھونے کیلئے دی میرا جی چاہا کہ اس کا پانی پی جاؤں چنانچہ ایسا ہی کیا اس کو پانی میں تر کر کے اس کو ایک پیالے میں نچوڑ کر اس کا پانی پی گیا اس کے پینے کا یہ اثر ہوا کہ مجھے حفظ کا شوق پیدا ہوا شروع کر لیا تو چھتیس (۳۶) دنوں میں حفظ کر لیا، حضرت انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ امرتسر تشریف لائے تو سن کر بہت تعجب کا اظہار فرمایا، پھر حفظ کر کے کتابوں کا شوق ہوا تو کسی مدرسہ کا نام لیا کہ وہاں چلا گیا وہاں ہدایہ کی جماعت میں بیٹھ جاتا تو میری باتوں سے وہ لوگ یہ سمجھتے کہ جیسے میں بڑی بڑی کتابیں پڑھا ہوا ہوں۔

تربیت میں پریشانی کے ازالہ کو بڑا دخل ہے اس کے متعلق حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے

ایک عجیب بات یہ بیان فرمائی، فرمایا کہ میں ایک دفعہ تھانہ بھون میں حضرت کی خدمت میں تھا تو وطن سے پریشان کن حالات کی اطلاع گئی تو میں بہت پریشان تھا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ وطن ایک دفعہ تشریف لے جاویں کیونکہ مشاہدہ سے حالات کی تعیین ہو جاتی ہے اور اس سے سکون ہو جاتا ہے۔

حب شیخ جو باطن کا بنیادی مسئلہ ہے اس سے متعلق احقر کے شیخ ثانی حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک واقعہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان فرمایا احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے وقت احقر کی عجیب پریشانی کی حالت تھی ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا تھا طبیعت کو سکون ہی نہ تھا اور اکثر احباب کی ایسی ہی حالت تھی، چنانچہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت پیر جی عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال لاہور میں ہوتا تو چودھری روشن علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت کے بدن مبارک کو دیکھ کر برداشت نہ کر سکتے اور ان دونوں حضرات کے کیچے پھٹ جاتے۔

بہر حال احقر کی نہایت ناگفتہ بہ حالت تھی احقر نے ایسے حالات میں نہایت ضروری سمجھا کہ باوجود حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اجازت بیعت ہونے کے احقر اپنے آپ کو آزاد نہ چھوڑے اور کسی کامل ہستی کے زیر سایہ بقیہ زندگی بسر کرے، اس مقصد کیلئے احقر نے شیخ کامل جامع کمالات خلیفہ حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یعنی حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت عالیہ میں عاجزانہ درخواست کی کہ اس مازک وقت میں احقر کا ہاتھ پکڑیں اور دستگیری فرمادیں، حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے محض شفقت و عنایت سے احقر کی عاجزانہ درخواست کو قبول فرمایا اور بہت تسلی دے دے کر احقر کی قلبی حالت کو اعتماد پر کیا، احقر حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا حق ہرگز ادا نہیں کر سکتا حق تعالیٰ ہی اس کا بدلہ حضرت کو عنایت فرمائیں گے۔

بہر حال حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب واقعہ نقل فرمایا کہ حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ایک دفعہ میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضر ہوا، حاضری سے فارغ ہو کر سب لوگ واپس آ گئے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ٹھہر گئے سب کے آ جانے کے کچھ دیر بعد تشریف لائے تو ہم نے اندازہ کیا علامات وغیرہ سے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ

علیہ نے قبر مبارک کے ساتھ معافہ کیا ہے، سبحان اللہ، عشق بھی عجیب چیز ہے خصوصاً عشق شیخ کامل، کہ یہ حب نبی کریم ﷺ کا اور حب مولائے کریم محبوب حقیقی کا ذریعہ ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے برادر مولانا عبدالرحمن صاحب زید مجدد نے احقر سے بیان فرمایا ایک دفعہ میں پاکستان سے پاسپورٹ بنا کر ہندوستان سے ہو کر واپس آیا اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تھا نہ بھون کا تذکرہ یوں شروع کیا من مہذبہ حب الدیار لاهلہا کمیرا مذہب یہ ہے کہ مجھے گھروں سے محبت گھروں کی وجہ سے ہوتی ہے، ان الفاظ کو سن کر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر وجد اور رقت کی کیفیت طاری ہوئی خطرہ ہوا کہ کہیں ناقابل برداشت حالت نہ ہو جائے اس لئے پھر اس سلسلہ کی باتیں بند کر دیں یا اختصار کر دیا۔ یہ سب عشق شیخ ہی کے کرشمے تھے جو اصلاح باطن کی بنیادی چیز ہے بقول حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ صحبت شیخ صحبت نبی کریم ﷺ کے قائم مقام ہوتی ہے، احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حب شیخ بھی حب رسول اللہ ﷺ کا ذریعہ ہوتی ہے اس لئے زینہ ترقی ہوتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان تربیت، اہتمام اتباع شریعت اور تعلیم اعتدال اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ایک دفعہ ایک خادم نے شکایت کی کہ والدین کہتے ہیں کہ بیوی کو چھوڑ بیوی کہتی ہے کہ والدین کو چھوڑو میں کیا کروں؟ یہ سن کر اول تو حضرت پر گریہ طاری ہو گیا جس سے شفقت علی الطالبین واضح ہوتی ہے پھر فرمایا کہ تم نہ والدین کے قول پر عمل کرو نہ بیوی کے قول پر بلکہ شریعت کے حکم پر عمل کرو یعنی اعتدال سے دونوں کے حقوق ادا کرو۔

اگر خواب بیان کرنے سے طالبین کا کچھ نفع ہو تو شیخ خواب بیان فرما دیا کرتا ہے اس درجہ میں بعض دفعہ فرمایا کہ حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت پانچویں ساتویں روز ہوتی رہتی ہے، ایک عجیب و غریب خواب ایک دفعہ بیان فرمایا کہ خواب میں دیکھا کہ ایک قلعہ ہے اس میں ایک کھڑکی ہے، ایک آدمی اس قلعہ کی طرف بھاگا جا رہا ہے اور ٹکلی باندھ کر قلعہ کی کھڑکی کی طرف دیکھ رہا ہے ہاتھوں میں ٹشتری ہے اس میں گوشت ہے اور زبان سے کہہ رہا ہے لا رہا ہوں، لا رہا ہوں، میرے استاد مولانا نور محمد صاحب بھی خواب میں پاس کھڑے تھے انہوں نے خواب ہی میں فرمایا کہ ایسی توجہ تو حق تعالیٰ کی طرف ہونی چاہئے کہ تمام اعضاء ہاتھ، پاؤں، آنکھیں، زبان ایک ہی طرف متوجہ ہیں، پھر یہ خواب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ذکر کیا تو فرمایا کہ اس قسم کی توجہ صاحب حال کو ہو سکتی ہے صاحب قال کو نہیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ ملفوظ بھی نقل فرمایا کرتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ خواجہ صاحب رحمۃ

اللہ علیہ کا یہ شعر جب بھی پڑھتا ہوں تو تین دفعہ پڑھتا ہوں۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

اور حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں تو صاحب قال تھا اور حضرت صاحب حال تھے۔ غالباً حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ملفوظ بھی نقل فرمایا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ کاش میں عورت ہوتا اور حضرت کے نکاح میں ہوتا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شکر ہے کہ عکس کی تمنا نہیں کی۔

ترہیت میں طالبین کی حوصلہ افزائی بھی بعض دفعہ مفید ہوتی ہے، ایک دفعہ احقر راقم الحروف سے جامعہ اشرفیہ کے جلسہ میں تقریر کرائی اور اگلے دن فرمایا کہ مجھے تو سرور کی تقریر پسند ہے۔

ترہیت کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ قابل اعتماد خادم پر اعتماد کا اظہار کر دیا جاوے، اجازت بیعت بھی اسی کی صورت ہے، ایک دفعہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صاحبزادگان کی درخواست پر تین چار صاحبزادگان کو اکٹھا بیعت فرمایا اور جب ان حضرات نے پوچھا کہ ہم اصلاح کیلئے مجازین میں سے کس صاحب کی طرف رجوع کریں تو حضرت صاحب نے مجازین میں سے تین کا خصوصی نام لیا حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، ایک اور مجاز اور حضرت مولانا مفتی خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا، مزید انتخاب کی درخواست پر بعض دفعہ پہلے دو شخصوں کا بعض دفعہ صرف ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور بیعت کے وقت کی گفتگو ٹیپ ریکارڈ میں محفوظ بھی ہے۔

قولی ترہیت سے عملی ترہیت چونکہ زیادہ مؤثر ہوتی ہے اس کا بھی حضرت کو بہت اہتمام تھا اور ارشاد بھی فرمایا کرتے تھے کہ حدیث میں جو آتا ہے المؤمن من مرآة المؤمن تو اس میں عملی تبلیغ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ شیشہ بغیر بولے عیب بتلاتا ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ جس کا عیب ہو صرف اسی کو بتلایا جاوے شیشہ دوسرے کو نہیں بتلاتا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عملی ترہیت کی بے شمار مثالیں ہیں کو یا ساری زندگی ہی عملی ترہیت تھی اخیر زمانہ میں مدرسہ سے وظیفہ لینا بالکل بند فرما دیا تھا کہ ”میں مدرسہ کا زیادہ کام نہیں کر سکتا“ یہ کمال زہد اور کمال تقویٰ اور کمال توکل تھا۔ آخری رمضان المبارک میں بہت زیادہ عبادت فرمائی حتیٰ کہ طبیعت پر غیر معمولی اثر ہو گیا اور ضعف بڑھ گیا شاید کوئی اشارہ اسی رمضان المبارک کے آخری ہونے کا ہو گیا ہو کیونکہ صاحبزادہ مولانا عبدالرحمن صاحب مدظلہم نے احقر سے بیان فرمایا کہ جب آخری دفعہ کراچی کے سفر کیلئے تیار ہوئے اور روائی جہاز پر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سوار ہوئے تو فرمایا کہ ”لاہور والوں نے

مجھے نکال کر ہی بس کی، مہر حال حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دن رات کی عبادت و ذکر و تلاوت عملی تربیت تھی۔

قابل اعتماد خدام کی حوصلہ افزائی کے سلسلہ میں ایک دفعہ اپنے خلیفہ حضرت چودھری روشن علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں فرمایا کہ ”انہوں نے اپنی تھانہ داری کے حلقہ میں ایک بوڑھے زانی پیر کو پکڑا جس کی عادت یہ تھی کہ جس عورت سے زنا کرنے کو جی چاہتا اس کے مرید کسی نہ کسی طرح اسے لے آتے اور جو پکڑنے لگتا اس کو رشوت میں کار دیتا، چودھری روشن علی نے پکڑا تو ایک یا دو کاریں دینے کی کوشش کی لیکن انہوں نے نہیں لی۔“

تربیت کے اصولوں میں چونکہ اہم اصول یہ ہے کہ مسائل ظاہر و باطن کی اشاعت ہو اسی سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علماء حضرات کی خدمت میں بہت اہتمام سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکتوب سنایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس کو تعویذ بنا کر گلے میں ڈالنا چاہئے، اس مکتوب کا مضمون یہ ہے کہ ”دین کا ایک مسئلہ بتلا دینا کروڑ ہارو پے خیرات کرنے سے بہتر ہے“ البتہ وہ مال مستثنیٰ ہے جو دینی تعلیم وغیرہ میں خرچ کیا جائے۔

تربیت کے اصولوں میں سے ہے کہ طالب کی تسلی کی جاوے اور پریشانی دور کر کے اطمینان سے عبادت کرنے پر آمادہ کیا جاوے، یہ کام حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بہت نمایاں تھا حضرت مولانا جلیل احمد صاحب علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے دو تین دن بعد ان کے مکان پر وعظ فرمایا احقر بھی وعظ میں حاضر تھا، عجیب و غریب تسلی کے مضامین ارشاد فرمائے ان مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ یمن اذا اصابتهم مصیبة میں اذا کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصیبتیں ضرور آتی تھیں اور جو آ کر ہی ذنی تھیں ٹلنے کی صورت ہی نہ تھی اس پر زیادہ پریشانی نہ چاہئے اور پھر جمع کے الفاظ ہیں کہ مصیبت تو سب پر آتی ہے ”مرگ انبوہ جشن دارد“ انسا اللہ میں عقلی غم کا ازالہ ہے کہ ہم اللہ کی ملک میں ہیں چاہے دنیا میں رکھیں چاہے آخرت میں اور انسا الیہ راجعون میں طبعی غم کا ازالہ فرمایا کہ جلدی ہی ہم بھی مرنے والوں سے جا ملیں گے اور راجعون میں اشارہ ہے کہ وطن اصلی آخرت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دیہاتی آدمی نے ان دو شعروں سے تسلی دی ۔

اصبر نکن بک صابرین فانما صبر الرعية بعد صبر الرؤس

خیر من العباس اجرک بعدہ واللہ خیر منک للعباس

کہ وفات پر صبر کرنے سے جو ثواب ملے گا وہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی بہتر ہے اور

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تم سے بہتر مولائے کریم مل گئے اور ان کے پاس چلے گئے۔

ترہیت کے آداب سے ہے کہ طالب کو ابتداء اپنی اصلاح کی طرف دوسروں کی اصلاح سے زیادہ متوجہ کیا جائے، اس سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث کثرت سے پڑھا کرتے تھے:

اذا رايت شحما مطاعا و دنيما مؤثرا و هو ي متبعا و اعجاب كل ذي رأي برأيه فعليك بخاصة نفسك و دع امر العامة۔ یعنی فتنہ کے زمانہ میں اپنا ہی فکر کرنا۔

ترہیت کے آداب میں سے ہے کہ شیخ استغناء سے رہے اس سلسلہ میں حضرت کی شان اس سے واضح ہوتی ہے کہ پانچ سال ملتان خیر المدارس میں گزارنے کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متفقہ مشورہ سے جب احقر کو لاہور جامعہ اشرفیہ میں تکمیل علم کیلئے مستقل قیام کا موقع ملا تو بیضاوی شریف احقر پہلے پڑھ چکا تھا مزید سماع کیلئے بیضاوی شریف کے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں احقر نے بیٹھنا شروع کیا، وہی وقت حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس مبارک کا تھا، کچھ دن تو مجلس کا ناغہ کیا پھر غلبہ حب شیخ کی وجہ سے مجلس چھوڑنے کی تاب نہ رہی تو حضرت سے اجازت چاہی کہ سبق کی جگہ مجلس میں شرکت چاہتا ہوں، بیضاوی شریف پہلے بھی پڑھ چکا ہوں، کچھ استفادہ اب حضرت مولانا محمد ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کر لیا ہے، استغناء سے فرمایا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کرو، انہوں نے بھی اجازت مرحمت فرمادی تو ارشاد فرمایا استخارہ کرو، استخارہ میں بھی مجلس کو ہی ترجیح ہوئی تو پھر کہیں جا کر اجازت دی، عجیب شان استغناء تھی۔

عملی ترہیت کے درجے میں بعض دفعہ تو اضعا فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کے خطوط آتے ہیں تو مجھے شرم آتی ہے کہ ان کے کیسے کیسے بلند حالات ہیں، ایک نیک بی بی کا خط ذکر فرمایا کرتے تھے کہ لکھا ہے کہ ”جی چاہتا ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت میں جل جاؤں اور بدن سے دھواں نکلے“۔ چودھری روشن علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حال ذکر فرمایا کہ ان کو بعض لوگ بند راؤ خنزیر وغیرہ کی شکل میں نظر آتے ہیں یعنی برے اعمال کی وجہ سے بری شکلیں ظاہر ہوتی ہیں۔

دوسرے سلسلے کے بزرگوں سے بھی طالبین کے قلوب میں انقباض پیدا ہونے نہ دینا چاہئے، ترہیت کے اس اصول کی عملی تبلیغ بعض دفعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے کہ بعض دوسرے سلسلہ کے بزرگوں کے اجتماعی ذکر کو بڑی محبت سے بیان فرمایا کرتے تھے کہ بعض حضرات حلقہ کی صورت میں فسفوسوا الی اللہ، ففروا الی اللہ بلکی بلکی تالی بجا کر کرتے ہیں، عجیب لطف و محبت سے بیان فرمایا کرتے تھے۔

ترہیت کے اہم اصولوں میں سے ہے کہ طالبین میں ذکر کا شوق پیدا کیا جاوے اس سلسلہ میں کثرت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ روح المعانی کے حوالہ سے نقل فرمایا کرتے تھے کہ سلیمان علیہ السلام کو فوج سمیت تخت پر پرندوں کے سائے میں اڑتے ہوئے دیکھ کر ایک دیہاتی نے کہا سبحان اللہ..... اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے سلیمان علیہ السلام کو کیا کچھ دیا ہے، ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کی جاسوس تھی اس نے یہ بات پہنچائی، دربار میں حاضر کیا گیا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا ایک دفعہ سبحان اللہ پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تمہیں میری ساری سلطنت مل جائے۔

ترہیت کے آداب سے ہے کہ شیخ آپ کی ہیبت دور کرنے کیلئے کبھی کبھی خوش طبعی اختیار کرے، اس سلسلہ میں ایک دفعہ جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ خیر المدارس میں مہمان تھے اور خدمت کیلئے احقر متعین تھا احقر کام کر کے جلدی حاضر خدمت ہو جاتا تھا تڑپ تھی کہ زیادہ سے زیادہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھنے کا موقع ملے، ایک دفعہ فرمایا تم تو اس جن کی طرح ہو جس کو کسی نے مسخر کیا تھا وہ جلدی سے کام کر کے آ جاتا اور نیا حکم پوچھتا تو مسخر کرنے والے نے کہا کہ بیٹھکیں نکالو!..... اٹھو بیٹھو، اٹھو بیٹھو۔

شان ترہیت سے ہے کہ طالب کو افراط اور تفریط دونوں سے روکا جائے، اس سلسلہ میں ایک دفعہ جبکہ احقر ملتان سے ہفتہ میں دو تین خط لکھا کرتا تھا تحریر فرمایا کہ مہینہ میں دو سے زائد خط نہ لکھا کرو، غالباً حضرت نے ہی خیال فرمایا کہ یہ پڑھائی کا بہت حرج کرتا ہو گا وہ زمانہ احقر کی ابتدائی عربی تعلیم کا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ مجلس میں ایک صاحب پر ایسا غلبہ حال ہوا کہ سجدے میں گر گیا لیکن سجدہ قبلہ کی طرف رخ کر کے کیا حضرت کی طرف رخ نہ کیا اور زبان سے بھی سبب حسان رہی الاعلیٰ کہا، گویا غلبہ حال میں بھی حدود سے تجاوز نہ ہوا۔

ترہیت بغیر شفقت علی الطالبین نہیں ہو سکتی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی شفقت تو تھی ہی عمومی شفقت کا یہ عالم تھا کہ ختم نبوت کی تحریک میں جبکہ لاہور میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ وعظ کیلئے ممبر پر تشریف فرما ہوئے تو قرآن پاک کی ایک آیت پڑھ کر گریہ ایسا طاری ہوا کہ وعظ نہ فرما سکے اور پاکستان جب بنا ہے اور مسلمانوں پر ظلم کئے گئے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ رات کو روتے رہتے تھے۔

ترہیت باطن کا طریق احقر کو بتلایا تھا کہ تبلیغ دین کے مباحث پڑھ کر ایک ایک کر کے امراض کا حال لکھا کرو، اگر وقت نہ ہو تو ایک سے زائد امراض کا علاج بھی بیک وقت ہو سکتا ہے۔

مرسلہ: محمد صدیق ساہیوال

ملفوظات وارشادات

مخدوم الامت حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ

○ دین بھی کتنی لذیذ چیز ہے کہ آپ لوگوں نے مجھنا کارہ کیلئے محض میری دینداری کے گمان پر یہاں آنے کی تکالیف برداشت کیں۔

○ آپ لوگوں نے نہ اپنے قیمتی وقت کا خیال کیا اور نہ موسم کی سختی و ہندی کا، صرف اپنے ظن اور گمان پر۔ جس دین متین کا گمان ہی اتنا لذیذ ہے کہ اس کیلئے آپ نے اپنے آرام اور چین کی بھی پرواہ نہ کی تو اس کی حقیقت اگر نصیب ہو جائے تو اس کی لذت کا کیا پوچھنا۔

○ سب کچھ انہیں (اللہ تعالیٰ) کی دی ہوئی توفیق سے ہوتا ہے، وہ اگر نہ چاہیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں فی الواقع ہم بے بس اور بے اختیار ہیں ہمارا بس اور اختیار سب انہیں کے رحم و کرم پر منحصر ہے۔

○ اہل دنیا کی غفلت اصحاب کہف کی (نیند کی) طرح ہے، جیسے ان کو سوتے ہوئے پتہ نہ چلا کہ کتنا وقت سوتے میں گزر گیا ایسے ہی اہل دنیا کو غفلت کی وجہ سے پتہ نہیں چل رہا کہ کتنا وقت ضائع جا رہا ہے۔

○ ہاں اصحاب کہف کی نیند غیر اختیاری تھی اس واسطے ان پر کوئی گرفت نہ ہوگی اور نہ کوئی صدمہ ہوگا بخلاف اہل دنیا کے کہ سخت گرفت بھی ہوگی اور ندامت اور افسوس بھی ہوگا، اس سلسلہ میں یہ شعر بھی پڑھا۔

پس از سی سال این معنی محقق شد بخاقانی کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

اور اس کی تشریح میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ نقل فرمایا جو تفسیر روح المعانی نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسی سلطنت عطا فرمائی تھی کہ اس کی نظیر نہیں ملتی، چنانچہ جس وقت ان کا دربار ہوتا تو تخت شاہی اتنا وسیع تھا کہ اس پر تقریباً چھ لاکھ کرسیاں سونے اور چاندی کی بچھ جاتیں، جن پر حضرت سلیمان علیہ السلام اور اس وقت کے حضرات انبیاء علیہم السلام ان کے صحابہ کرام اور علماء کرام اور صلحاء اور امراء، وزراء، بیٹھتے، پھر پرندوں کو حکم ہوتا کہ اس پر اپنے پروں سے سایہ کریں اور ہوا کو جاسوسی کا کام سپرد تھا کہ روئے زمین پر جہاں کہیں ہمارے متعلق کوئی بات کہی جائے اس کو پہنچا دو اور جب تخت پر دربار منعقد ہوتا تو ہوا کو حکم دیا جاتا کہ اس کو لے کر اڑے، چنانچہ ہوا اس کو لے کر اڑتی، ایک مرتبہ اسی شان و شوکت کے ساتھ آپ کا تخت جارہا تھا کہ کسی شخص نے دیکھ کر تعجب سے کہا سبحان اللہ ما ذا اونہی

ال داؤد سبحان اللہ! خاندان داؤد کو اللہ تعالیٰ نے کیا کچھ دیا ہے، ہوانے فوراً حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں اس شخص کی یہ بات پہنچا دی، آپ نے اس کو بلوایا اور پوچھا تم نے ہمارے بارے میں کیا کہا؟ وہ شخص کچھ ڈراما کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو تسلی دی، اس نے عرض کیا میں نے آپ کا ساز و سامان اور شان و شوکت دیکھی اور اس پر یہ کہا سبحان اللہ ماذا اوتی ال داؤد حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا لنسبب سحرة واحدا خیر مما اوتی ال داؤد یقیناً ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا میری تمام سلطنت سے ہزار درجہ بہتر ہے، معنی یہ کہ تو نے میری سلطنت اور جاہ و حشم کو تو دیکھا اور اپنے اس کلمہ کو نہ دیکھا جو تیری زبان سے نکلا، یعنی سبحان اللہ، کہ یہ کلمہ تمام دنیا و مافیہا سے عند اللہ بہتر ہے۔

اب انسان گھڑی لے کر بیٹھ جائے اور دیکھے کہ ایک منٹ میں کتنی بار سبحان اللہ کہہ سکتا ہے؟ اور جب ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے کی یہ قیمت ہے تو انسان اپنا کتنا نقصان کر رہا ہے، اس کا پتہ تو انسان کو مرنے کے بعد چلے گا کہ غفلت میں گزرا ہوا وقت اس کیلئے کس قدر حسرت کا باعث ہوا۔

○ لستم تقولون ما لا تفعلون (سورت صف رکوع ۱) ”اے مسلمانو! کیوں کہتے ہو ایسی بات جو نہیں کرتے تم“ کی تفسیر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس سے ترک دعویٰ مقصود ہے ترک دعوت مقصود نہیں، لوگ اس آیت مبارکہ کو اس پر دلیل بناتے ہیں کہ جب خود عمل نہ کرے تو نیکی کی تبلیغ بھی نہ کرے، یہ غلط ہے کیونکہ یہ آیت ترک دعویٰ کیلئے ہے نہ کہ ترک تبلیغ کیلئے۔

○ اسلام کا مقابلہ کرنے سے آخرت کا عذاب تو ہو گا ہی مگر دنیا میں بھی اہل بصیرت کے نزدیک یہ بڑا عذاب ہے کہ اسلام لانے کی استعداد اور قابلیت چھین لیتے ہیں، وہ اس طرح کہ اسلام کی استعداد تو ہر کافر میں ہوتی ہے مگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کو سن کر اس کا مقابلہ کرتا ہے تو اس مقابلہ کا یہ اثر ہے کہ وہ استعداد کمزور ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

○ حق تعالیٰ کے نزدیک علم اس پہچان کا نام ہے جس کے ذریعہ گناہ سے بچاؤ ہو سکے، جب وہ سمجھ گناہ سے روک نہیں سکتی تو پھر اس کو شریعت کی اصطلاح میں علم نہیں کہیں گے، اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ جاہل ہے کو وہ رسمی عالم ہو، مدرس ہو، واعظ ہو۔

○ انسان کو چاہئے کہ صالح بن جائے تو پھر تمام نمازی ہر نماز میں اس کیلئے دعا کرنے پر شرعاً مجبور ہو جاتے ہیں ورنہ اس کی نماز ہی درست نہ ہوگی کیونکہ تشہد پڑھنا ان کیلئے واجب ہے اور تشہد میں آتا ہے السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین سلامتی ہو ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں پر۔

○ قرآن مجید میں اعمال کے ثمرہ کا نام رحمت رکھا ہے یعنی جو ملے گا رحمت سے ملے گا وہ اعمال کا بدلہ نہیں ہوگا اس لئے کہ اعمال محدود ہیں اور ثمرہ غیر محدود ہوگا اور رحمت بھی غیر محدود ہے، دوسرے یہ کہ ہمارے اعمال اس قابل ہی نہیں کہ رضا اور جنت جیسے ثمرات ان پر مرتب ہو سکیں بلکہ (جو کچھ ملے گا) محض رحمت ہی سے ملے گا۔

○ فضل کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ مل رہا ہے یا ملے گا وہ ہماری مہربانی ہے تمہارا حق نہیں ہے، دوسرا معنی یہ ہے کہ اگر اعمال مؤثر بھی ہوتے تو بھی ہم عمل کے مطابق نہیں دیتے بلکہ عمل سے بہت فاضل اور زائد عطا فرماتے ہیں اور ایسی ایسی چیزیں دیتے ہیں کہ مسالاعین رأیت ولا اذن سمععت ولا خطر علی قلب بشر (الحمد ہیث) جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی کے دل پر کھٹکا گزرا۔

○ کفار کو جنت دکھلا کر جہنم میں داخل کیا جائے گا اور مومنین کو جہنم دکھلا کر جنت میں داخل کیا جائے گا، اس لئے اہل جہنم یعنی کفار کو صدمہ ہوگا اور اہل جنت کو خوشی ہوگی، تو کفر ایسی مصیبت ہے کہ جنت بھی کفار کیلئے مصیبت ہے اور ایمان ایسی نعمت ہے کہ جہنم بھی ذریعہ خوشی ہوگا۔

○ اکثر اذان کے وقت فرمایا کرتے تھے اذان کے کلمات یہ بتا رہے ہیں کہ یہ دین حق ہے، ایسے ندائیہ کلمات اور کسی مذہب میں نہیں ہیں، نور ہی نور بھرا ہوا ہے، پھر اذان کے بعد دعا سے فارغ ہو کر ارشاد فرماتے ہم کو اس دعا کے اندر تعلیم دی گئی ہے کہ تم میرے لئے وسیلہ کی دعا کیا کرو، اگرچہ ہماری دعا کے بغیر بھی حضور ﷺ کو یہ درجہ عطا ہوگا مگر ہمیں ہدایت ہے کہ ہم بھی حق تعالیٰ سے دعا کریں کہ حضور ﷺ کو یہ مقام وسیلہ عطا فرما، اس درخواست کرنے پر انعام کیا ملے گا؟ حضور ﷺ کی شفاعت، اور حضور ﷺ کی شفاعت اس کو نصیب ہوگی جس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا، تو کو یہ بشارت دی گئی ہے اس بات کی کہ جو دعا کرے گا اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔

○ جب انسان نبی ﷺ کو نبی سمجھتا ہے تو پھر حکمت و فلسفہ کی تلاش نہیں کرنی چاہئے، اگر حکمت کی تلاش کرتا ہے تو پھر عقل کا غلام ہوا نبی کا غلام تو نہ ہوا۔

○ یہ مراقبہ کرنا چاہئے کہ میرے تمام اعمال کو میرے اعضاء میں جذب کیا جا رہا ہے، یعنی جس عضو کا جو عمل ہے اس عضو میں وہ عمل جذب کیا جا رہا ہے جیسے گراموفون ریکارڈ بنایا جاتا ہے، اور قیامت میں جب اللہ تعالیٰ کے حکم کی سوئی اس پر لگے گی تو ہر جوڑ بولنے لگے گا، آنکھ کہے گی میں نے بد نمیتی سے دیکھا تھا، کان ناک وغیرہ کہیں گے کہ ہم نے بد نمیتی سے سنا اور سونگھا تھا، اسی طرح تمام اعضاء سے آواز نکلے گی، پھر اس کو

کوئی نہیں بند کر سکتا، اس مراقبہ سے عمل صالح میں چستی اور گناہوں سے بچنے میں بڑی مدد ملتی ہے، مگر یہ کرنے کے کام ہیں نرے دعوے سے کچھ نہیں ہوتا۔

○ مصائب میں حق تعالیٰ کا تو کوئی فائدہ نہیں اس میں فائدہ بندہ ہی کا ہے، اگر مصائب بھیجنے میں بندے کا فائدہ نہیں تو فعل عبث ہوا اور عبث کام اللہ تعالیٰ نہیں کرتے۔

○ انسان کو عام طور پر تکالیف دعوائے استحقاق سے پیدا ہوتی ہیں، دعوائے استحقاق سے قلب میں شکایت پیدا ہوتی ہے اس لئے تکلیف کا منشا تو تو ہر وقت اپنے اندر لئے پھرتا ہے، بندہ کے فرائض میں سے ہے کہ اپنے تمام امور کو معبود کے سپرد کر دے۔

○ تو بہ بے شک تریاق ہے مگر اس سے گناہ کی ہمت نہ ہونی چاہئے، جیسے تریاق اگر ہاتھ آ جائے تو سانپ سے چھیڑ کر نا بے وقوفی ہے اسی طرح تو بہ کے بھروسہ پر گناہ کرنا سخت غلطی ہے، نفس کو اگر گناہ کی چاٹ لگ جائے تو پھر اس کو روکنا بہت مشکل ہے۔

○ ایک صاحب نے سوال کیا حضرت! جب آدمی سمجھتا ہے کہ میں گناہ سے بچ نہیں سکوں گا اس کی تو بہ کرنے سے کیا فائدہ؟ فرمایا فائدہ یہ ہے کہ اپنی بے بسی کمزوری اور بیچارگی کا اظہار ہے اور تضرع و زاری ہے اور نیاز مندی کا اظہار بڑی نعمت ہے، نہ بچنے کا تصور بھی کمزوری اور بے بسی کی دلیل ہے کہ اے اللہ! میری ہمت نہیں ہے کہ میں اس گناہ سے بچ سکوں، آپ کی امداد اور دستگیری کا محتاج ہوں، تو گویا عرض کر رہا ہے کہ یا اللہ! گزشتہ گناہ معاف فرما اور تو ہی محض اپنے فضل و کرم سے آئندہ گناہوں سے حفاظت فرما۔ علاوہ ازیں تجربہ سے ثابت ہے کہ اس لفظی اور صوری تو بہ کی برکت سے حقیقی تو بہ بھی نصیب ہو جاتی ہے، بہر حال تو بہ ترک ہرگز نہ کرے حقیقت نہ ہی تو صورت ہی سی، ان شاء اللہ تعالیٰ کسی دن حقیقت بھی نصیب ہو جائے گی۔

○ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ عزیز الحسن مجذوب علیہ الرحمۃ سے ان کے نوجوان صاحبزادہ کے انتقال پر جو کچھ ارشاد فرمایا وہ تعویذ بنا کر رکھنے کے قابل ہے، وہ یہ ہے کہ ”ہر تصرف جو حق تعالیٰ کسی مسلمان میں فرمائیں کو وہ کتنا ہی ماکوار کیوں نہ ہو مسلمان کے ذمہ یقین کرنا فرض ہے کہ اس میں میرا نفع ہے“۔

○ معصیت کرنے سے انسان اپنا ہی نقصان کرتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں کہ اس نے اپنے اوپر ظلم کیا، انسان کے اوپر ظلم ہونے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت پائی جاتی ہے اور رحمت کی سوچ و فکر سے محبت پیدا ہوتی ہے اور محبت سے عمل کی توفیق حاصل ہوتی اور عمل سے قرب و رضائے حق تعالیٰ جیسی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔

○ کبھی مال دے کر امتحان کرتے ہیں کبھی مال چھین کر، پہلی صورت میں شکر کا مطالبہ ہے اور دوسری صورت میں صبر کا۔

○ روپیہ پیسہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، افلاس کی حالت میں ایک ایک روپیہ کی کتنی قدر ہوتی ہے، روپیہ محافظ ایمان اور محافظ آمد ہے۔

○ مصیبت کے وقت مع تکلیف ظاہری کے اگر قلب مطمئن ہو یا تسکین ہو تو یہ علامت ہے کہ یہ مصیبت رفع درجات کیلئے ہے اور اگر مصیبت کے وقت مع تکلیف ظاہری کے دل بھی پریشان اور ڈانواں ڈول ہو تو یہ علامت ہے اس کی کہ مصیبت شامت اعمال کا نتیجہ ہے (تذکرہ حسن)

○ روح کا جسم کے ساتھ تعلق ثابت کرتے ہوئے فرمایا کہ میری ایک ٹانگ کٹی ہوئی ہے لیکن ابھی تک اس کٹ کر دفن کئے جا چکے پیر اور ٹانگ میں درد محسوس ہوتا ہے، اس وقت بھی میں یہ محسوس کرتا ہوں جیسے ٹانگ زمین میں دھنسی ہوئی ہے اور پیر کو گرمی پہنچ رہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کا جسم سے الگ ہو جانے کے بعد بھی تعلق باقی رہتا ہے اور ڈاکٹر نے بھی ٹانگ کاٹنے سے پہلے مجھ سے کہا تھا کہ اس کے بعد بھی درد محسوس ہوتا رہے گا لیکن وہ اس کی وجہ نہیں بتا سکتے، ہسپتال میں میرے کمرے سے متصل ایک عورت تھی جس کا بازو کاٹا گیا تھا وہ بھی تکلیف کے وقت یہی ظاہر کر رہی تھی کہ مجھ کو ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ میری انگلیاں درد کر رہی ہیں حالانکہ اس کا بازو ہاتھ سمیت کٹا ہوا تھا اس سے یہ سمجھ لیں کہ جسم کی تکلیف روح پر اثر انداز ہوتی ہے، جسم خواہ جدا بھی ہو جائے لیکن روح کو اس سے علاقہ رہتا ہے (من القول العزیز)

○ قیامت کا عقیدہ اور استحضار دونوں بڑی دولت ہیں کیونکہ اگر عقیدہ نہ ہو تو سب اعمال بے کار ہیں اور اگر استحضار نہ ہو تو قیامت کی تیاری نہیں کرے گا، اس عقیدہ اور استحضار سے دنیا میں آدمی خوش رہتا ہے کہ دنیا کو اور اس کی ہر چیز کو عارضی اور فانی سمجھتا ہے اگر آجائے تو خوش نہیں چلی جائے تو غم نہیں، اور بے چینی کا ذریعہ یہی ہے کہ دنیا نہ آوے تو آنے کی فکر، آگئی تو زائل ہونے کا فکر، اگر زائل ہو گئی تو اس کا صدمہ، تو اگر اس مصیبت سے بچنا چاہے تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ قیامت کا استحضار پختہ کر لے۔

○ نیکی سب سے بڑی نعمت ہے اور سب سے بڑی نیکی گناہوں سے بچنا ہے اس لحاظ سے نیند بھی بڑی نعمت ہے آدمی جب سوتا ہے گناہوں سے بچا رہتا ہے، چار گھنٹے مسجد میں بیٹھ کر ضربیں لگانا آسان ہے لیکن دو گھنٹے گناہوں سے بچنا مشکل ہے، کبھی غیبت کر رہا ہے، کبھی غیبت سن رہا ہے، کبھی زبان سے گناہ کر رہا ہے کبھی دل سے، کوئی وقت گناہ سے خالی نہیں رہتا۔

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ ہم سے پوچھا کرتے تھے کسی کو کوئی تکلیف یا نقصان تو نہیں پہنچاتے، ساری عمر مجھ سے وظیفہ نہیں پوچھا کہ کیا پڑھتے ہو، لوگوں سے پوچھا کرتے تھے کہ کسی کا کوئی حق تو ضائع نہیں کیا کسی کو تکلیف تو نہیں پہنچائی، کیونکہ بہت بڑا نقصان یہ ہے کہ آدمی کی نیکیاں دوسروں کو مل جائیں اور اگر نیکیاں نہ ہوں تو دوسرے کا گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں، کتنا بڑا نقصان ہے، نماز وغیرہ عبادات کی کوتاہی کو تو بہ سے اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں مگر لوگوں کے حقوق تو بہ سے بھی معاف نہیں فرمائیں گے۔

○ انسان پر جو حالات آتے ہیں وہ دو قسم کے ہوتے ہیں، ایسے حالات جو طبیعت کے خلاف اور ناگوار ہوں تو ان حالات میں عہدیت یہ ہے کہ یوں سمجھئے کہ حق تعالیٰ جل شانہ مجھے قرب عطا فرما چاہتے ہیں خوش کو ارحالات پر تو شکر کروں گا اور ناگوار حالات پر صبر کروں گا اور یہ دونوں ذریعہ ہیں قرب الہی کا، بس ایسا شخص ہر وقت مگن ہی رہے گا۔

○ جو ذکر میں مشغول ہو اس کو سلام نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس طرح مشغول بحق کو اپنی طرف مشغول کرنا ذکر کی توجہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹا کر اپنی طرف کرنا ہے، ایسے وقت خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قہر اس سلام کرنے والے پر نہ آ پڑے، ذکر کو لوگ خواہ مخواہ سلام کرتے ہیں اس سے بچنا چاہئے (من القول العزیز)

○ ایک دفعہ نوابزادہ جناب محمد ذاکر صاحب قریشی عیادت کیلئے تشریف لائے تو سلام و دعا کے بعد جناب نوابزادہ صاحب نے عرض کیا حضرت مزاج کیسا ہے؟ فرمایا نواب صاحب! اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو جو ہر حال میں خوش رہے، قدرے خاموشی کے بعد تمثیل فرمایا اگر بیٹا یہ چاہے کہ جیسے میں چاہوں باپ ویسا ہی کرے تو یہ بیٹے کی غلطی ہے بلکہ بیٹے کو چاہئے کہ جس طرح باپ چاہے اسی طرح کرے تو یہ اس کی سعادت مندی ہے۔

○ چھوٹی اولاد کی وفات پر صبر کرنا بہت بڑے اجر کا موجب ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان معصوموں کو حکم دیں گے کہ تم جنت میں جاؤ تمہارا کوئی حساب و کتاب نہیں ہے وہ لاڈ کے انداز میں اللہ تعالیٰ جل شانہ سے عرض کریں گے کہ ہم تو اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک ہمارے ماں باپ بھی ہمارے ساتھ جنت میں نہیں جائیں گے، ان کی مازبرداری کرتے ہوئے مولائے کریم ازراہ مہربانی حکم دیں گے کہ ان کے والدین کو بھی لے آؤ تا کہ وہ بھی ان کے ساتھ جنت میں چلے جائیں۔

○ حقیقی نقصان یہ ہے کہ موت کفر پر ہو اور حقیقی کامیابی یہ ہے کہ خاتمہ ایمان پر ہو۔

○ دنیا کا مال اگر اتباع شریعت کے ساتھ حاصل ہو تو بہت بڑا انعام ہے اور اگر شریعت کی مخالفت کا سبب بنے تو وبال ہے۔

- جو نعمت کفر و عناد یا نافرمانی کا ذریعہ بنے وہ نعمت نہیں بلکہ عذاب ہے چاہے سلطنت ساری دنیا کی ہو وہ بھی عذاب ہے۔
- حق بیان کر دینا چاہئے کسی کا نام لے کر بطلان نہ کرنا چاہئے، نام لئے بغیر حق ظاہر کیا جائے حق خود ہی باطل کو جلا دیتا ہے۔
- باتیں کرنے کا ڈھنگ بھی اللہ والوں کو ہی آتا ہے اور دنیا میں لذت بھی دین پر چلنے سے ہی آتی ہے۔
- ہر معاملہ کو شریعت کے موافق کرنا یہ ذکر حقیقی ہے باقی یہ ذکر مروجہ ذکر صوری ہے۔
- طاعت سے قرب بڑھتا ہے اور معصیت سے دوری ہوتی ہے۔
- نرا علم کافی نہیں ہو سکتا اور نری صحبت اہل اللہ کافی ہو سکتی ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نری صحبت نصیب ہوئی وہ ان کو کامل مکمل بنا گئی اگرچہ مدرسہ کی تعلیم حاصل نہ ہوئی۔
- تقدیر علم الہی کو کہتے ہیں حکم الہی کو نہیں کہتے، علم الہی اور ہے اور حکم الہی اور ہے۔
- اللہ تعالیٰ کے احسانات کے یاد کرنے سے محبت الہی پیدا ہوتی ہے۔
- حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دین کی اتنی حرص تھی اتنی حرص تھی یوں چاہتے تھے ساری مخلوق دیندار بن جائے، عجیب تھے، عجیب تھے۔
- حضرت والا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے عرض کیا ہم گنہگار ہیں ہماری دعا قبول نہیں ہوتی ہماری زبان اس قابل نہیں (حضرت نے) فرمایا تمہاری زبان لا الہ الا اللہ پڑھنے کے قابل ہے اور دعا کے قابل نہیں یہ شیطانی وسوسہ ہے اس طرح شیطان دعا سے محروم رکھنا چاہتا ہے۔ عین جرم کے موقع پر بھی دعا نہیں چھوڑنی چاہئے۔
- حضرت والا (تھانوی) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ جو مرید اپنے پیر میں کشف و کرامات ڈھونڈھتا ہے وہ احمق ہے، اس کو تو یہ دیکھنا چاہئے کہ مرید ہونے کے بعد اس کے خیالات میں تبدیلی ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی ہے تو یہی اس کے پیر کی کرامت ہے، تمہیں پیر کی کرامت سے کیا غرض تم کو تو اپنا فائدہ دیکھنا چاہئے کہ تمہیں پیر سے نفع ہو رہا ہے۔
- اس زمانے میں کثرت طاعت سے زیادہ اجتناب علی المعاصی پر کڑی نظر رکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ ماحول کی گندگی کی وجہ سے قدم قدم پر ارتکاب معصیت کا خدشہ ہے۔
- مسلمان کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ بقائے اسلام تمام چیزوں پر مقدم ہے یہاں تک کہ بقائے سلطنت

سے بھی مقدم ہے کہ حضور ﷺ کو اہل مکہ نے عتبہ کے ذریعہ یہ بھی کہا تھا کہ تمام عرب کی سلطنت پیش کرنے کو تیار ہیں آپ اسلام چھوڑ دیں لیکن حضور ﷺ نے ٹھکرا دیا تو اسلام کی بقاء سلطنت سے بھی مقدم ہے اور بقائے اسلام کا دلائل اسلامی تعلیم پر موقوف ہے اس لئے دین کی تعلیم سلطنت سے بھی افضل ہے دوسرے اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے۔

○ نماز کے بغیر لوگوں کو چین کیسے آتا ہے نماز میں حق تعالیٰ سے ہمکلام ہونا ہوتا ہے اس سے مومن دل کیسے چراتا ہے اور اتنا بڑا مرتبہ کیوں نہیں حاصل کرتا، اپنے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دی پھر اس پر ثواب دیا اور حاضری کے کا داب اور مضمون بھی خود سکھلایا کتنی بڑی رحمت اور عنایت ہے۔

○ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ایک اہل حدیث عالم حدیث شریف پڑھایا کرتے تھے ایک روز تراویح کی بحث چل رہی تھی، دوران تقریر عالم صاحب نے فرمایا تراویح کی بیس اور آٹھ رکعات دونوں سنت ہیں۔ ایک صاحب نے سوال کرتے ہوئے کہا حضور ﷺ سے تو صرف آٹھ کا ثبوت ملتا ہے بیس کیسے ثابت ہوئیں؟ انہوں نے جواب میں کہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بیس پر تقریر ہوا اور مسجد نبوی میں انہوں نے بیس پڑھوائی ہیں اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين تو اس طرح بیس بھی سنت ہو گئیں۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں میری شامت آئی میں نے کہا بیس کا ثبوت ملتا ہے آٹھ کا ثبوت ہی کہیں نہیں، ان عالم صاحب نے کہا السدی بسن یدلک یعنی حدیث شریف کی کتاب میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث آٹھ والی ہے تیرے سامنے ہے تم کیسے کہتے ہو کہ آٹھ کا ثبوت نہیں؟ میں نے جواب میں عرض کیا اس میں آٹھ کا ثبوت نہیں کیونکہ صاحب روایت سے عمل اس کے خلاف ثابت ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خود آٹھ نہیں پڑھیں بلکہ بیس پڑھی تھیں۔

انہوں نے کہا اس کی دلیل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خود بیس پڑھی ہیں؟ میں نے کہا مغنی ابن قدامہ میں ہے اجمع الصحابة علی انہا عشرون رکعة یعنی تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بیس پر اجماع ہے، اگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شامل نہیں تو اجماع کیسے ثابت ہوا؟ اس سے معلوم ہوا کہ آٹھ والی روایت تہجد کی نماز کے متعلق ہے اور تراویح کا بیس رکعت پر اجماع ہے۔

مغنی ابن قدامہ فقہ حنبلی کی بہت بڑی کتاب ہے غالباً سترہ جلدوں میں ہے سلطان ابن سعود نے ابھی حال میں اس کو طبع کرایا ہے میرا دل چاہتا تھا کہ ابن سعود کے یہاں کی طبع کرائی ہوئی کتاب کا ثبوت پیش

کروں چنانچہ جب میں نے یہ حوالہ دیا تو وہ عالم صاحب جھنجھلا کر خاموش ہو گئے، ادھر سے مولوی محمد موسیٰ صاحب نے میرا ہاتھ کھینچ کر کہا یہاں مسجد نبوی ﷺ میں بحث اور جدال اور آواز بلند کرنے کیلئے آئے ہو؟ اس وقت یہ مجلس ختم ہو گئی میں کئی دن پھر درس میں نہیں گیا مخلص عالم تھے ایک دفعہ کئی دنوں کے بعد ان سے ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے انتظار ناک یعنی ہم آپ کے انتظار میں تھے آپ آئے نہیں، پھر فرمانے لگے جو کچھ تم نے کہا تھا وہ ہم نے معنی ابن قدامہ میں دیکھا ہے بالکل درست ہے ہم کو پہلے اس کا علم نہیں تھا۔

○ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے قدم بوسی کیلئے حاضری کی جب اجازت لینا تھا تو ہر دفعہ نئے فقرے اور جملے سے نوازش فرماتے، کبھی فرماتے بسر و چشم، کبھی لکھتے ہیں اجازت چہ معنی تمنا ہے، اور کبھی فرمایا کرتے فرو دا کہ خانہ ما خانہ تست۔

○ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مولوی ہو کر انگریزی پڑھنا کیسی بے ہودگی؟ مطلب یہ کہ اس وقت کے عوام الناس بھی اس سے نفرت کرتے تھے چہ جائیکہ علماء، علماء تو اس وقت انگریز کی شکل سے بھی متنفر تھے ورنہ مسئلہ کے درجہ میں جائز ہے، ضرورت کیلئے پڑھنے کی گنجائش ہے۔

○ اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندہ کیلئے زمین میں مقبولیت رکھ دیتے ہیں یہاں تک کہ پرندے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

○ جس وقت کوئی مرتا ہے وہی وقت اس کیلئے مناسب ہوتا ہے اس میں تگ و بیگنی مصلحتیں ہوتی ہیں، نہ ایک منٹ آگے نہ ایک منٹ پیچھے۔

○ بقول حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دین کا ایک مسئلہ سیکھنا اور سمجھنا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کروڑہا روپیہ خرچ کرنے سے بڑھ کر ہے۔

○ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ کو لیلیۃ القدر مل جائے تو میں یہ دعا کروں کہ صحبت نیک عطا فرمائیں، خدائے تعالیٰ سے صحبت نیک مانگوں۔

○ مولانا داؤد صاحب غزنوی کے دادا مولوی عبداللہ صاحب کے بارے میں فرمایا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شان میں گستاخی کرتا ہے وہ آخر کار ضرور مرد ہو جاتا ہے۔

○ مکہ معظمہ کے زمانہ قیام میں بجائے نوافل کے کثرت طواف بہتر ہے اور مدینہ منورہ میں (بجائے کثرت نوافل کے) ہر وقت درود و سلام پڑھا جائے۔

○ اکثر مولوی صاحبان میں صرف احکام ظاہریہ ہوتے ہیں باطنیہ کا خیال نہیں کرتے، فقہ احکام

ظاہریہ ہیں اور تصوف و سلوک احکام باطنیہ ہیں، احکام ظاہریہ اور احکام باطنیہ دونوں منصوص ہیں اور دونوں کی بجا آوری سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے۔

○ ہر نیکی کا دھیان اول اللہ تعالیٰ ہی دل میں پیدا کرتے ہیں پھر بندہ اس نیکی پر عمل کرتا ہے اس لئے اس پر ناز نہیں کرنا چاہئے شکر کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی ہے۔

○ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ اکثر یہ بھی فرمایا کرتے تھے حضرت (تھانوی) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ عمر بھر میں نے لاکھی کا نچلا حصہ قبلہ کی طرف نہیں کیا، عمر بھر جس ہاتھ میں جوتا ہوا اس ہاتھ میں روپیہ نہیں پکڑا، عمر بھر غیر محرم کے چہرے پر نظر نہیں پڑی، عمر بھر کبھی پانچتی کی طرف کھانا رکھ کر اور خود سربانے کی طرف بیٹھ کر کھانا نہیں کھایا بلکہ خود پانچتی کی طرف بیٹھا، عمر بھر دس پارہ روزانہ تلاوت مانع نہیں ہوئی۔

○ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ہوتا اور معاملہ غیر متعلقین اجنبیوں کے ساتھ نہایت نرمی اور شفقت کا ہوتا تھا اور مریدوں اور اصلاح چاہنے والوں سے معاملہ سختی کا ہوتا تھا، زیادہ سختی کا ہوتا تو پہلے اپنے نفس کے ساتھ ہوتا پھر طالبین اصلاح کے ساتھ، اجنبیوں سے تو حضرت والا نہایت نرمی اور شفقت سے پیش آتے۔

○ دنیا صرف اتنی ہو کہ آدمی دوسرے کا محتاج نہ رہے، بعض مرتبہ دنیا کی زیادتی معصیت کا ایسا سبب بنتی ہے کہ کفر تک پہنچا دیتی ہے۔

○ ایک صاحب نے دنیاوی پریشانی کا ذکر کیا تو فرمایا میرا پختہ یقین ہے کہ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا پیش خیمہ ہوتی ہے انسان تو فطری طور پر ناشکر گزار ہے اس کی عنایات کا شمار نہیں کرتا اور ہم اس کی آزمائشوں پر چیخنے اور چلانے لگتے ہیں۔

○ روزِ محشر اگر والدین کا رتبہ ان کی اولاد سے زیادہ ہوگا تو حق تعالیٰ ان کی اولاد کو بھی وہی مرتبہ عطا فرماویں گے اور والدین کے رتبہ میں کوئی کمی نہ کی جاوے گی اسی طرح اگر اولاد کا مرتبہ زیادہ ہوگا تو والدین کو اولاد کے رتبہ میں پہنچا دیا جائے گا اور اولاد کے رتبہ میں کوئی کمی نہ کی جاوے گی۔

○ اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کے تین طریقے ہیں، اول دعا سے دوسرا اہل محبت کی صحبت سے اور تیسرا عمل صالح سے، جب اللہ تعالیٰ کی محبت ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کو بندہ سے محبت ہو جاتی ہے حتیٰ کہ فرشتے اور تمام مخلوق انسان اور حیوان سب محبت کرنے لگتے ہیں اور بندہ کو بھی تمام مخلوق انسان حیوان سے محبت ہو جاتی ہے خواہ انسان کافر ہو یا سخیال کہ یہ میرے اللہ کی مخلوق ہے۔

(ماخوذ از حسن السوانح)

حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مادر علمی جامعہ اشرفیہ لاہور

احقر ناکارہ نے حفظ قرآن کریم کے بعد شوال المکرم ۱۳۹۵ھ سے شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ تک تمام دینی کتب کی تعلیم چھ سال کے عرصہ میں جامعہ حقانیہ ساہیوال سرکودھا میں حاصل کی، حفظ قرآن کریم کے بعد درس نظامی کی اکثر کتب حضرت الاستاذ جناب مولانا صالح محمد صاحب مدظلہم (حال استاذ حدیث جامعہ المعارف الشرعیہ ڈیرہ اسماعیل خان) اور بعض کتابیں حضرت اقدس والد گرامی نور اللہ مرقدہ سے پڑھیں، موقوف علیہ اور دورہ حدیث شریف کیلئے یہی طے پایا کہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں پڑھا جائے، چنانچہ احقر ۱۴ شوال المکرم ۱۴۰۱ھ بروز ہفتہ برادر کبیر حضرت مولانا سید عبدالصبور صاحب ترمذی مدظلہم کے ہمراہ جامعہ میں حاضر ہوا، جامعہ میں پہلی مرتبہ حاضری حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ کے ساتھ ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ میں ہوئی اور اس کے بعد بارہا حاضری ہوتی رہی اور یہاں کے کامرو مشائخ کی زیارت کا موقع ملتا رہا، لیکن ظاہر ہے کہ اس مرتبہ کی حاضری فقط زیارت کیلئے نہیں بلکہ تعلیم واستفادہ کیلئے تھی، جامعہ کے نصاب تعلیم میں اس وقت مشکوٰۃ شریف کے ساتھ تفسیر بیضاوی، توضیح ہمدرا، شمس بازغہ وغیرہ پڑھائی جاتی تھیں جبکہ احقر نے جلالین شریف، ہدایہ آخرین، شرح عقائد وغیرہ کتابیں پڑھنی تھیں اور درجہ بندی کے اعتبار سے یہ کتب درجہ سادسہ میں پڑھائی جاتی تھیں، حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ داخلہ درجہ سادسہ ہی میں لے لیا جائے لیکن اگر ممکن ہو تو مشکوٰۃ شریف اسی سال پڑھ کر آئندہ سال دورہ حدیث شریف پڑھ لیا جائے، چنانچہ احقر نے حسب الحکم درجہ سادسہ میں داخلہ کیلئے فارم حاصل کیا اور مطلوبہ کتب کیلئے درجہ سادسہ مع مشکوٰۃ شریف کی درخواست دے دی، جامعہ میں داخلہ کیلئے امتحان حضرت مولانا مفتی ممتاز احمد تھانوی رحمہ اللہ کے پاس تھا انہوں نے ۱۸ شوال المکرم ۱۴۰۱ھ بروز بدھ ۱۹ اگست ۱۹۸۱ء کو اعلیٰ درجہ میں پاس کیا اور درجہ سادسہ مع مشکوٰۃ شریف کی سفارش فرمائی، ۱۸ شوال کو داخلہ ہوا اور رہائش مسجد حسن کے حجرہ نمبر ۷ میں عطا ہوئی، اس حجرہ میں حضرت ذاکر عبد المجید صاحب رحمہ اللہ کے فرزند برادر محمد جناب مولانا عبدالخالق صاحب پہلے سے مقیم تھے، احقر کو بھی ان کے ساتھ ٹھہرایا گیا ہم دونوں ہم سبق بھی تھے اس طرح دو سال تک اکیٹھے رہنے کا موقع ملا۔

چونکہ اسباق کے آغاز میں ابھی دس دن باقی تھے اس لئے احقر گھر آ گیا اور ۳۰ شوال ۳۱ اگست

سوموار کو دوبارہ جامعہ میں حاضر ہوا، ۲ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ کو کتب خانہ سے درج ذیل کتابیں ملیں:

جلالین شریف، ہدایہ اخیرین، مطول، میرزا ہد رسالہ قطبیہ، شرح عقائد۔

جامعہ میں پہلا تعلیمی سال

مورخہ ۵ ذوالقعدہ ۱۹۸۱ء بروز ہفتہ باقاعدہ اسباق کا آغاز ہوا، مطول بحر العلوم جامع المعقول والمقول حضرت الاستاذ مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمۃ اللہ علیہ نے مورخہ ۵ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ کو شروع فرمائی اور ۷ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ کو ختم ہوئی۔

جلالین شریف اور میرزا ہد رسالہ قطبیہ حضرت الاستاذ علامہ محمد یعقوب صاحب دامت برکاتہم کے پاس مورخہ ۷ ذوالقعدہ کو شروع ہوئی، جلالین شریف سورہ کہف تک مورخہ ۱۶ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ کو ختم ہوئی جبکہ میرزا ہد رسالہ قطبیہ مورخہ ۲۸ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ کو مکمل ہوا۔

ہدایہ ثالث و شرح عقائد دونوں حضرت مولانا نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھیں، آپ نے ہدایہ کا آغاز مورخہ ۵ ذوالقعدہ کو فرمایا اور شرح عقائد بھی ۵ ربیع کو شروع ہوئی جو باب عذاب القبر ص ۸۵ تک پہنچ کر مورخہ ۱۸ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ کو ختم ہوئی۔ خیالی کا آغاز ۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ ۳۰ مارچ سے ہوا۔ میرزا ہد رسالہ قطبیہ کے بعد امور عامہ کا آغاز حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب دامت برکاتہم نے مورخہ ۵ ربیع الثانی ۳۱ جنوری ۱۹۸۲ء کو فرمایا۔

مشکوٰۃ شریف جلد اول اور ہدایہ رابع دونوں حضرت مولانا مفتی ممتاز احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھیں، ہدایہ رابع کا آغاز مورخہ ۵/۱۱/۱۴۰۱ھ کو ہوا اور مشکوٰۃ جلد اول ۲۹ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ کو شروع ہوئی جبکہ جلد ثانی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے پاس مورخہ ۸ ربیع الثانی ۳ فروری بروز بدھ کو شروع ہوئی، مشکوٰۃ شریف پڑھنے کی اجازت حضرت اقدس جناب حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب مدظلہم نے خصوصی طور پر عطا فرمائی تھی اور دوسرے اسباق کی وجہ سے جامعہ میں ہمارے لئے اس کا پڑھنا ممکن نہ تھا اس لئے احقر اور بھائی عبدالحق صاحب نے جامعہ کی ترتیب کے علاوہ اپنے طور پر حضرت مولانا مفتی ممتاز احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت الاستاذ مولانا محمد یعقوب صاحب دامت برکاتہم سے پڑھا، ان دونوں بزرگوں نے بڑی عنایت اور شفقت فرما کر ہمیں مشکوٰۃ شریف پڑھائی، حضرت شیخ مولانا محمد یعقوب مدظلہم نے مزید عنایت یہ فرمائی کہ احقر کی درخواست پر پہلے المثنیٰ الکافی اور پھر الحیط الدائرہ بھی احقر کو پڑھائی، حق تعالیٰ حضرت کو بہت بہت جزائے خیر سے نوازیں اور تادیر صحت و عافیت کے ساتھ سلامت رکھے، آمین۔

۵/ ذوالقعدہ سے تعلیم شروع ہوئی ۵/ ذوالحجہ کو عید الاضحیٰ کی رخصت ہو گئی اور احقر گھر آ گیا ۱۹/ ذوالحجہ کو واپسی ہوئی، ۱۱/ صفر المعظم ۱۴۰۱ھ کو سہ ماہی امتحان دے کر گھر واپسی ہوئی رخصت ختم ہونے پر جب ۱۹ کو لاہور پہنچا تو سہ ماہی امتحان کا نتیجہ آچکا تھا بحمد اللہ تعالیٰ اپنی جماعت میں احقر کے نمبر سب سے زیادہ تھے کل نمبر تین صد میں سے دو سو پچانوے نمبر حاصل ہوئے، دوسری سہ ماہی پوری ہوئی تو ۶/ جمادی الاولیٰ کو امتحان ہوا، احقر امتحان کے بعد گھر آ گیا اور مورخہ ۱۶/ جمادی الاولیٰ کو واپسی ہوئی اس مرتبہ حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے پورے تین صد نمبر حاصل ہوئے اور اس طرح ایک مرتبہ پھر اپنی جماعت میں اول آنے کی سعادت حاصل ہوئی، تیسری سہ ماہی مکمل ہونے پر سالانہ امتحان مورخہ ۶/ شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ کو ہوا، تعلیمی سال کے دوران جتنی کتب پڑھی گئی تھیں اس مرتبہ سب کا امتحان تھا، حضرت اقدس مہتمم صاحب دامت برکاتہم کی خصوصی اجازت و عنایت سے امتحانی کتب میں مشکوٰۃ شریف بھی شامل تھی احقر امتحان دے کر مورخہ ۷/ شعبان المعظم بمطابق ۳۱/ مئی ۸۲ء کو گھر آ گیا اور یوں جامعہ میں تعلیم کا یہ پہلا سال مکمل ہوا، امتحان لینے والے حضرات میں حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب مفتی جامعہ مدنیہ لاہور، حضرت مولانا مفتی ممتاز احمد تھانوی مدظلہم، حضرت مولانا لطیف الرحمن صاحب باغبانپورہ لاہور، حضرت مولانا ظہور احمد صاحب وغیرہ حضرات شامل تھے۔

گھر پہنچنے کے بعد شعبان المعظم میں بذریعہ ڈاک سالانہ امتحان کا نتیجہ پہنچا تو بحمد اللہ مشکوٰۃ شریف میں پچاس میں سے اڑتالیس نمبر تھے اس طرح موقوف علیہ میں کامیابی حاصل ہوئی اور آئندہ سال کیلئے دورہ حدیث شریف پڑھنے کا معاملہ آسان ہو گیا، والحمد للہ علیٰ ذلک کلہ۔

غرضیکہ تعلیمی سال شوال المکرم ۱۴۰۱ھ سے شروع ہو کر شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ تک بخیر و خوبی مکمل ہوا، اور جامعہ کے نصاب تعلیم کے مطابق درجہ سادسہ کی اکثر کتب مکمل ہوئیں حضرات اساتذہ کرام دامت برکاتہم نے بڑی محنت اور شفقت سے اسباق پڑھائے بطور خاص جامع المعقول والمقول بحر العلوم حضرت الاستاذ العلام فضیلۃ الشیخ مولانا محمد موسیٰ روحانی باری قدس سرہ نے مطول کے سبق میں خوب داد تحقیق دی اور پورا سال کتاب اس طرح پڑھائی کہ بلا مبالغہ رئیس و تحقیق کا حق ادا کر دیا، مطول چونکہ مسائنات قلمت کی بحث تک پہنچ کر رجب المرجب میں مکمل ہوئی اس لئے ہم حضرت شیخ سے دیوان الحما سہ نہ پڑھ سکے جس کا ہمیشہ افسوس رہے گا۔

اس سال احقر کے رفقاء درس میں برادر مہولانا عبدالخالق صاحب زید مجدہم حال خطیب جامع مسجد سعدیہ ملتان، مولانا منظور احمد صاحب مدرس دارالعلوم الاسلامیہ لاہور، مولانا حبیب الرحمن صاحب بخاری، مولانا محمد عثمان صاحب ہزاروی، مولانا محمد میرزا ہد صاحب گلگت وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

پہلے تعلیمی سال کی چند یادداشتیں

احقر اگرچہ بارہالاہور کا سفر کرتا رہا لیکن چونکہ اکثر یہ سفر حضرت اقدس والد ماجد کی معیت میں نصیب ہوئے اس لئے جامعہ اشرفیہ اور حضرت اقدس مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضری تک محدود رہتے، کہیں اور جانے کا موقع نصیب نہیں ہوتا تھا لیکن جب جامعہ میں تعلیم کیلئے مستقل قیام ہوا تو فرصت اور رخصت کے دنوں میں احقر دوسرے مقامات اور مدارس میں حاضر ہو کر اور حضرات علماء کرام کی زیارت اور ان سے استفادہ کرتا رہا، بعض اوقات ان کے بیانات سننے کا موقع بھی ملتا جامعہ میں تشریف لانے والے علماء کرام و مشائخ عظام کی زیارت تو اکثر ہوتی رہتی تھی جو بلاشبہ کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھی، تعلیم و تعلم اور مطالعہ کی مقصودی مصروفیت کے ساتھ دوران سال جو کچھ دیکھا سنا سب کا لکھنا تو مشکل ہے لیکن مالا یدرک کلاہ لا یدرک کلاہ کے پیش نظر بعض واقعات بطور یادداشت پیش خدمت ہیں۔

احقر کئی مرتبہ لاہور آچکا تھا لیکن جامعہ مدنیہ کریم پارک میں حاضری نہیں ہوتی تھی ۱۵ شوال ۱۴۰۱ھ اتوار ۱۶ اگست ۱۹۸۱ء میں پہلی مرتبہ یہ ادارہ دیکھنے کا موقع ملا وہاں کے حضرات سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ ۲ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ بدھ کے روز حضرت الاستاذ جناب مولانا عبدالرحمن صاحب اشرفی دامت برکاتہم نے خصوصی عنایت و شفقت فرمائی کہ دوپہر کے کھانے پر حاضری کا حکم دیا بزرگوں کے بہت سے حالات واقعات سنا کر حضرت علامہ رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وہ مبارک تحریر بھی دکھلائی جس میں حضرت اقدس نے اپنے دست مبارک سے حضرت مولانا دامت برکاتہم کو خلافت لکھ کر عنایت فرمائی تھی، حضرت الاستاذ مدظلہم پر حضرت کے حد درجہ اعتماد اور تصوف و سلوک میں آپ کے مقام بلند کی سند اور واضح دلیل ہے۔

اچھرہ اور مودودی صاحب کا بڑا نام سنا تھا لیکن نہ تو مودودی صاحب کو کبھی دیکھا اور نہ ہی کبھی اچھرہ جانا ہوا تھا، مودودی صاحب تو انتقال کر چکے تھے اس لئے ان سے ملاقات کا تو کوئی امکان نہ تھا البتہ بعض احباب کے اصرار پر ۱۵ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ کو تھوڑی دیر کیلئے اچھرہ جانا ہوا لیکن وہاں کا ماحول اور حالات دیکھ کر طبیعت خوش نہ ہوئی اس لئے جلد ہی وہاں سے واپسی ہوئی اور پھر اب تک وہاں جانا نہ ہوا۔

مخدوم و مکرم حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمۃ اللہ علیہ مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان کا حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ سے گہرا تعلق تھا، ۸ ذوالقعدہ کو معلوم ہوا کہ آپ مکہ معظمہ میں انتقال فرما گئے ہیں احقر پر بھی بڑی شفقت و عنایت فرماتے تھے بارہا جامعہ خیر المدارس میں احقر حاضر ہوا، ایک مرتبہ حضرت موصوف ساہیوال تشریف لائے تو کئی اصلاحی بیان فرمائے دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجتماع

منعقدہ مارچ ۱۹۸۰ء میں دیوبند حاضری ہوئی تو احاطہ مولسری میں حضرت سے ملاقات ہوئی انتہائی خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا، اسی طرح ۱۹۸۰ء میں مجلس صیانتہ المسلمین جام پور کے سالانہ اجتماع میں بھی حضرت کے ساتھ سفر میں معیت رہی، بستی ”نوتک“ میں مدرسہ عطاء العلوم میں بھی حضرت مولانا رشید احمد شاہ جمالی مدظلہم کی دعوت پر جب سب حضرات تشریف لے گئے احقر بھی ساتھ تھا بہر حال حضرت کی وفات کے بارہ میں احقر کو جامعہ میں ہی علم ہوا، حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ نے بھی احقر کے نام اپنے گرامی نامہ میں بڑے افسوس کا اظہار فرمایا، مورخہ ۵ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ ۴ اکتوبر بدھ کو جب صاحبزادہ گرامی حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہم جامعہ میں تشریف لائے تو احقر نے ان سے تعزیت کی۔

۱۱ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ کو جمعہ کا دن تھا ساتھیوں میں جمعہ کے بارہ میں مشورہ ہوا کہ آج جمعہ قلعہ کجہر سنگھ لاہور میں ادا کرنا چاہئے خطیب اسلام مولانا جمل خان صاحب کا نام اور خطاب کے حوالہ سے ان کی شہرت نیز علم و تحقیق سے ان کا شغف احقر کے علم میں تھا اس لئے ہم سب نے اس روز جمعہ وہیں ادا کیا، مسجد کچھیا کھج بھری ہوئی تھی اور بیان بھی انتہائی مؤثر اور سحر انگیز تھا، جمعہ کے بعد ملاقات بھی ہوئی حضرت مولانا بڑے اخلاق سے پیش آئے۔

۱۸ ذوالقعدہ جمعہ سے رائے وئڈ کا سالانہ عالمی اجتماع شروع ہوا جامعہ میں ان دنوں طلبہ کی چھٹی تھی احقر حضرت اقدس مفتی جمیل احمد تھانوی نور اللہ مرقدہ سے استفادہ کرتا رہا اجتماع میں شریک نہ ہو سکا، ۱۹ ذوالقعدہ ہفتہ کے روز حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ اشرفیہ تشریف لائے اور مغرب کے بعد رائے وئڈ اجتماع میں شرکت کیلئے تشریف لے گئے۔

۲۵ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ ۲۵ ستمبر ۱۹۸۱ء جمعہ احقر نے وحدت کالونی لاہور میں پڑھایا تایا جی حضرت مولانا مفتی ممتاز احمد تھانوی سفر پر تشریف لے گئے احقر سے فرمایا کہ جمعہ تم نے پڑھا ہے اس لئے احقر نے ان کی جگہ پر جمعہ پڑھایا سامعین نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا۔

بعض طلبہ اور احقر کے رفقاء سبق کے بعد اخبار پڑھنے کے عادی تھے جبکہ احقر کو اس سے کوئی مناسبت نہ تھی لیکن چونکہ تاریخی حالات و واقعات سے کچھ نہ کچھ دلچسپی تھی اس لئے جب یکم اکتوبر ۸۱ء جمعرات ۲ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ کو روزنامہ جنگ کا لاہور سے پہلا پرچہ شائع ہوا تو احقر نے یادگار کے طور پر اسے خرید لیا حضرت الاستاذ حضرت مولانا عبدالرحمن اشرفی دامت برکاتہم نے روزنامہ جنگ میں مسائل لکھنے کا آغاز فرمایا تو اخبار پڑھنے کی طرف بھی متوجہ فرمایا احقر کی اس طرف کوئی دلچسپی نہ تھی اس لئے اس پہلے تاریخی پرچہ

کے بعد پھر یہ اخبار لینے کی نوبت نہ آئی۔

شاہی مسجد اور اس میں موجود تبرکات کی زیارت اگرچہ پہلے ہو چکی تھی لیکن شاہی مسجد میں جمعہ پڑھنے کا موقع نہیں ملا تھا اس لئے نئے اسلامی سال کے آغاز پر مورخہ کیم محرم الحرام ۱۴۰۲ھ ۳۰ اکتوبر ۸۱ء کا جمعہ شاہی مسجد میں ادا کیا اور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب آزاد کا بیان بھی سنا اور بعد میں تبرکات کی زیارت بھی کی۔

مجلس صیائہ المسلمین کے ماہانہ درس میں مختلف حضرات کے بیانات ہوتے تھے ۷ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ جمعرات کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے درس دیا جسے حضرت مولانا وکیل احمد شیردانی مدظلہم کے حکم پر احقر اور حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب مدظلہم نے تحریر کیا حضرت مرحوم کا بیان اپنی افادیت کے پیش نظر مجلس کی طرف سے مستقل شائع ہو کر تقسیم ہو چکا ہے۔

۸ محرم الحرام کو مسجد شہداء میں حضرت علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتہم کا خطاب تھا اس لئے ہم نے جمعہ وہیں ادا کیا، حضرت علامہ نے اپنے موضوع پر بڑا پر مغز اور مدلل اور تحقیقی خطاب فرمایا، فسق یزید کے متعلق حضرات اکابر کے موقف کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا اور ساتھ شرح عقائد کی عبارت لے معنہ اللہ علیہ وعلیٰ اعدوانہ و انصارہ پر بھی گفتگو فرمائی تنگی وقت کی بنا پر موضوع جمعہ سے قبل مکمل نہیں ہوا تھا اس لئے حضرت نے جمعہ کے بعد اس کی تکمیل فرمائی۔

دسویں محرم کو مختلف مقامات پر حاضری ہوئی چنانچہ ایک عرصہ سے خیال تھا کہ سلطان قطب الدین ایبک المتوفی ۶۰۷ھ کے مزار پر حاضری ہو، کیونکہ سلطان کے حالات میں بہت پہلے پڑھا تھا کہ ان کا مزار لاہور میں ہے، آج مختلف مقامات کی گردش کرتے ہوئے جب اچانک سلطان مرحوم کا مقبرہ سامنے آیا تو حیرانگی کی انتہا نہ رہی اور ساتھ ہی بے انتہاء خوشی بھی کہ ایک عرصہ دراز کی خواہش پوری ہوئی چنانچہ ہم نے وہاں فاتحہ پڑھی اور کچھ دیر وہاں ٹھہر کر واپس ہوئے۔

۱۱ محرم الحرام کو برادر دم تصور اقبال صاحب نے اطلاع دی کہ آج مغرب کے بعد جامعہ قاسمیہ رحمان پورہ میں حضرت علامہ خالد محمود صاحب کا بیان ہے چونکہ اس وقت کوئی سبق نہ تھا اس لئے احقر نے جامعہ قاسمیہ میں حاضر ہو کر بیان سنا۔

”سود کی تشریح“ کے نام سے ان دنوں ایک مضمون اخبارات میں شائع ہوا، اس میں سود کی غلط تشریح کی گئی تھی خطرہ تھا کہ قارئین اخبار اسے صحیح سمجھ لیں اس لئے حضرت اقدس والد صاحب رحمہ اللہ نے اس کی

تردید میں ایک مدلل مضمون سپرد قلم فرمایا اور اس کا نام ”سود کی غلط تشریح“ رکھا، ۱۴ محرم کو حضرت کا یہ مضمون احقر کو موصول ہوا، حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا تھا کہ یہ مضمون حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی کو سنا کر اخبارات میں دے دیا جائے، چنانچہ ۱۶ محرم الحرام ہفتہ کے روز احقر نے یہ مضمون حضرت مفتی صاحب کو سنایا اور ۲۶ محرم کو اشاعت کیلئے اخبار میں دے دیا روزنامہ جنگ نے ۲۴ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ کو شائع کیا۔ اس مضمون میں مکہ معظمہ کے مکانات کو کرایہ پر دینے کی بحث بھی تھی حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے اعلیٰ السنن وغیرہ کے حوالہ سے اس پر بھی بحث کی تھی لیکن حضرت مفتی جمیل احمد صاحب رحمہ اللہ کا خیال تھا کہ اسے حذف کر دیا جائے اس لئے مضمون پر نظر ثانی کیلئے دوبارہ ساہیوال بھیجا گیا حضرت والد صاحب نے نظر ثانی فرما کر مضمون احقر کو دوبارہ ارسال فرمایا، احقر نے حضرت مفتی صاحب کو دوسری مرتبہ سنا کر جنگ اخبار میں دے دیا۔

مدینہ یونیورسٹی کے پرنسپل شیخ عبداللہ بن زائد حفظہ اللہ تعالیٰ پاکستان تشریف لائے ہوئے تھے، ۵ محرم الحرام کا جمعہ انہوں نے شاہی مسجد لاہور میں پڑھایا ہم ان کی زیارت کیلئے وہاں پہنچے اور جمعہ بھی وہیں ادا کیا۔ ۱۹ محرم الحرام شیخ جامعہ اشرفیہ تشریف لائے اور طلبہ سے خطاب فرمایا یہ تقریب جامعہ کے کتب خانہ میں ہوئی شیخ کی آمد پر خطبہ استقبالیہ فصیح و بلیغ عربی میں حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی نے دیا آپ کے فی البدیہہ خطبہ پر تمام علماء و طلبہ حیران تھے، فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن زائد نے بھی اپنے خطاب میں اس کی بڑی تعریف کی ہمیں بھی فصیح و بلیغ عربی خطاب میں حضرت کی مہارت کا پہلی مرتبہ علم ہوا۔ اس سال دوران تعلیم ایک بڑی نعمت یہ حاصل ہوئی کہ حضرت اقدس شاہ ابراہیم حق ہر دوئی نور اللہ مرقدہ اور حضرت مسیح الامت شاہ مسیح اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضری اور استفادہ کا موقع حق تعالیٰ نے عطا فرمایا، حضرت شاہ ابراہیم حق قدس سرہ ۱۸ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ سوموار ۱۶ نومبر ۱۹۸۱ء کو لاہور تشریف لائے، ۲۱ محرم کو عصر کے بعد مسجد شہداء ریگل میں آپ کا بیان ہوا، اور ۲۲ محرم کو بجے دن جامعہ اشرفیہ میں واقع دفتر مجلس صیانت المسلمین میں بیان فرمایا، پھر جمعہ سے قبل وبعد حضرت اقدس کا بیان مسجد شہداء میں ہوا، عصر کے بعد حضرت کی مجلس جناب صوفی غلام سرور ڈار مرحوم کے مکان پر ہوئی، حضرت حکیم اختر صاحب دامت برکاتہم نے احقر کا تعارف کرایا حضرت نے بڑی شفقت و عنایت فرمائی، عشا کے بعد حضرت حکیم صاحب مدظلہم نے عارفانہ بیان فرمایا۔

۲۵ محرم سوموار حضرت ہر دوئی حضرت اقدس مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں دارالافتاء

جامعہ اشرفیہ تشریف لائے کافی دیر تک مجلس جاری رہی احقر کو بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی اسی روز احقر بعد عصر پھر مجلس میں حاضر ہوا، عشاء کے بعد حسب سابق حضرت حکیم صاحب مدظلہم نے ہی بیان فرمایا، ۶ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ کو حضرت ہر دوئی نے مسجد شہداء میں بیان فرمایا احقر بھی شریک ہوا، غرضیکہ حضرت ہر دوئی کا لاہور میں جتنا عرصہ قیام رہا سبق کے بعد آپ کی مجلس اور بیانات میں حاضری ہوتی رہی جو احقر کا کارہ کیلئے یقیناً ایک عظیم نعمت تھی بحمد اللہ تعالیٰ حضرت کے ارشادات و ملفوظات اور خدمت اقدس میں حاضری سے احقر کو بے حد فائدہ ہوا، حق تعالیٰ حضرت کے درجات کو بلند فرماوے اور تاقیامت آپ کے فیوضات و برکات کو جاری و ساری رکھے، اس کے بعد بھی اگرچہ کئی مرتبہ آپ کی زیارت کا موقع نصیب ہوا لیکن جامعہ میں قیام کے دوران حضرت اقدس سے جس قدر استفادہ کا موقع ملا بعد میں پھر یہ سعادت حاصل نہ ہو سکی۔

دوسری بڑی نعمت مسیح الامت حضرت شاہ مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی قدس سرہ کی لاہور میں تشریف آوری اور قیام کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی، ۳ صفر الخیر ۱۴۰۲ھ منگل یکم دسمبر ۱۹۸۲ء کو حضرت اقدس نے حضرت مولانا وکیل احمد شیروانی مدظلہم کے مکان پر ماڈل ٹاؤن لاہور میں قدم رنجہ فرمایا، ۵ صفر کو مجلس کے دفتر میں آپ کا بیان ہوا، پھر دو ہفتہ کیلئے حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ کراچی اور سکھر کے سفر پر تشریف لے گئے، ۲۲ صفر اتوار کو آپ واپس لاہور تشریف لے آئے پھر ۳ فروری ۸ ربیع الثانی بدھ کے روز واپس ہندوستان تشریف لے گئے، حضرت اقدس نے ایک مہینہ سے زائد لاہور میں قیام فرمایا اس دوران روزانہ بعد عصر ماڈل ٹاؤن میں حضرت مولانا وکیل احمد شیروانی مدظلہم کی کوٹھی پر حضرت کی مجلس ہوتی جس میں پابندی سے حاضری کا معمول تھا بہت سے حضرات دو روز دیک سے اس میں شرکت فرماتے ان دنوں بیت الاشرف صحیح معنی میں بیت الاشرف اور خانقاہ اشرفیہ بنی ہوئی تھی، سلسلہ اشرفیہ کے احباب کو بطور خاص حضرت کے وجود باوجود سے بے انتہاء نفع ہوا، احقر کیلئے بھی یہ ایام بڑی نعمت اور غنیمت تھے، ۱۹۸۰ء میں دیوبند کے صد سالہ اجتماع کے موقع پر احقر کو ایک مرتبہ پھر حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ کی زیارت نصیب ہوئی مگر انتہائی مختصر وقت کیلئے اس مرتبہ حق تعالیٰ نے خصوصی فضل فرمایا جامعہ میں قیام کی برکت سے ایک ماہ تک یہ دولت عطا ہوئی، والحمد للہ علیٰ ذلک کلہ۔

حضرت رحمہ اللہ کی تشریف آوری اس کے بعد بھی لاہور میں ہوئی اور کئی روز تک آپ نے قیام بھی فرمایا لیکن احقر کو زیادہ قیام کا پھر موقع نہیں ملا، البتہ ۱۴۰۷ھ بمطابق ۱۹۸۷ء میں تشریف آوری ہوئی تو حضرت سے اصلاحی تعلق اور بیعت کا شرف حاصل ہوا اور حضرت اقدس سے ادنیٰ نسبت قائم ہو گئی جو احقر

کیلئے سعادت عظمیٰ سے کم نہیں۔

بہر حال حضرت جب کراچی سے واپس لاہور تشریف لائے تو ۲۳ صفر بمطابق ۲۱ دسمبر سوموار کے روز ماڈل ٹاؤن میں صدر پاکستان جناب جنرل ضیاء الحق مرحوم تشریف لائے اور حضرت مسیح الامت سے ملاقات کی اور دیر تک آپ کی مجلس میں حاضر ہونے کا شرف حاصل کیا، ۲۸ صفر کو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ بھی لاہور تشریف لے آئے اور ۲ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ تک قیام فرمایا اس دوران حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ کی مجلس عام و خاص میں کئی بار حاضری ہوئی احقر بھی اکثر ہمراہ رہا۔ ۷ ربیع الثانی ۲ فروری منگل کو ماڈل ٹاؤن میں حضرت کی آخری مجلس ہوئی اور اس کے بعد ہندوستان واپس ہوئی۔

۲۴ محرم الحرام کے روز معلوم ہوا کہ آج مدرسہ حنفیہ بہاولپور ہاؤس میں مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کا خطاب ہے چونکہ یہ بیان عشاء کے بعد تھا اس لئے اس میں شرکت ممکن تھی بعض احباب کے ساتھ وہاں حاضری ہوئی احقر نے شاہ صاحب کو پہلی مرتبہ دیکھا اور ان کا بیان سنا انداز بیان یقیناً عمدہ تھا لیکن افسوس کہ انہوں نے اپنے بیان میں سماع موتی کا اختلافی مسئلہ اس انداز سے بیان کیا کہ سن کر بڑی حیرت ہوئی اور افسوس بھی کہ علماء دیوبند کی طرف نسبت کے باوجود ان کی سخت مخالفت اور پھر ایک مختلف فیہ مسئلہ کو منصوص اور قطعی قرار دیا جا رہا ہے، شاہ صاحب کے اس تشدد سے سب طلبہ کو افسوس ہوا کیونکہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور دیگر کامبر علماء دیوبند کا نقطہ نظر ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے جس کا اظہار موصوف نے اپنے بیان میں فرمایا، بہر حال پہلے تو زبانی سنا تھا آج اس کا مشاہدہ بھی ہو گیا، ان حضرات کے اس طرز عمل سے مسلک دیوبند کو جو نقصان پہنچا وہ کسی سے مخفی نہیں، پھر یہ تو آج سے ربع صدی قبل کا واقعہ تھا اب حالات اور بھی ناگفتہ بہ ہیں جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

۶ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ ۳۱ جنوری ۱۹۸۲ء احقر کیلئے نہایت خوشی کا دن تھا کہ اس روز عالم اسلام کے مایہ ناز محدث اور محقق فضیلۃ الشیخ حضرت علامہ ابو الفتاح ابو نعہ حلبی کی زیارت نصیب ہوئی انہیں دیکھ کر خوشی سے دل باغ باغ ہو گیا شیخ سے مصافحہ کا شرف بھی حاصل ہوا، حضرت موصوف اپنے استاذ محترم مابن شیخ الاسلام محقق العصر حضرت علامہ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید اور جانشین تھے، حنفیت میں بہت ہی پختہ اور علم حدیث میں بڑی مہارت رکھتے تھے مختلف کتب پر شیخ نے تشبیہ و تعلیق اور تحقیق کا جو کام کیا ہے وہ ہمیشہ یاد رہے گا اور اہل علم ہمیشہ اس سے مستفید ہوتے رہیں گے، بہر حال حضرت موصوف کی زیارت احقر کیلئے نعمت غیر مترقبہ تھی افسوس کہ پھر بعد میں زیارت نہ ہو سکی۔

۲/ ربیع الثانی جمعرات ۲۸/ جنوری کو دارالحدیث میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی اور حضرت شیخ محمد موسیٰ روحانی باری رحمۃ اللہ علیہما نے طلبہ سے خطاب فرمایا، دونوں حضرات نے علم دین کی اہمیت و فضیلت پر بیان فرمایا اور طلبہ کو محنت کی تلقین فرمائی دونوں بیان مثالی اور از حد مفید تھے۔

کیم جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ اور ۲۲/ جمادی الاولیٰ کا جمعہ احقر نے وحدت کالونی میں پڑھایا تایاجی حضرت مولانا مفتی ممتاز احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سفر پر تھے۔

۶/ جمادی الاولیٰ عصر کے بعد سمن آباد ”کاشانہ زکی“ پر حاضری ہوئی اور حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی و حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہما سے ملاقات ہوئی حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم نے ہماری درخواست پر مختصر بیان بھی فرمایا جس سے بہت نفع ہوا۔

۱۲/ جمادی الثانیہ جمعرات ۸/ اپریل ۱۹۸۲ء بعد عشاء دارالحدیث میں حضرت شیخ مولانا محمد موسیٰ روحانی باری نور اللہ مرقدہ کا ۳۵ منٹ بیان ہوا، حضرت شیخ کا بیان اتنا مؤثر تھا کہ طلبہ کا آدھ بکا سے برا حال تھا ہر آنکھ انگٹا رہی، ظفر علی خاں مرحوم کا یہ قطعہ جسے سن کر طلبہ کے دل بل گئے احقر نے پہلی دفعہ حضرت سے اس بیان میں ہی سنا، قطعہ یہ تھا۔

یہ نفس ہی مجھ کو عزیز ہے کچھ جی تو لوں گا قرار سے

مجھے اب چمن میں نہ لے چلو میں ڈرا ہوا ہوں بہار سے

جو چمن میں پہنچے تو اے صبا! تو یہ کہنا بلبل زار سے

کہ خزاں کے دن بھی قریب ہیں نہ لگانا دل کو بہار سے

مجلس صیائۃ المسلمین کا سالانہ اجتماع اس مرتبہ ۲۸/ ۲۹/ جمادی الاخریٰ ۲۳/ ۲۴/ ۲۵/ اپریل جمعہ، ہفتہ، اتوار کو منعقد ہوا، حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ جمعرات ۲۶/ جمادی الاخریٰ کو لاہور تشریف لے آئے اور تین دن تک مسلسل بعد عصر کی مجلس میں حضرت نے نہایت جامع پر مغز اور مؤثر بیان فرمایا، حضرت والد صاحب قدس سرہ بھی اس اجتماع میں شرکت کیلئے لاہور تشریف لے آئے، ۲۷/ جمادی الاخریٰ کا جمعہ آپ نے کرم آباد میں پڑھایا اور ہفتہ کے روز مغرب کے بعد جامعہ قاسمیہ رحمان پورہ میں بیان فرمایا۔

۲۹/ جمادی الاخریٰ اتوار کے روز دس بجے دن جامعہ کے کتب خانہ میں حضرت اقدس حاجی محمد شریف صاحب قدس سرہ نے بیان فرمایا اور ظہر کے بعد حضرت ظفر احمد تھانوی مجاز صحبت حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے بیان فرمایا حضرت موصوف نے حضرت والد صاحب کے ساتھ بڑی

محبت کا برتاؤ فرمایا حضرت حکیم الامت تھانوی کی کتاب ”البدائع“ جو آپ نے ہی شائع کرائی تھی اس کا ایک نسخہ بھیجے کیلئے فرمایا اور بعد میں کراچی جا کر بذریعہ ڈاک وہ نسخہ ارسال فرمایا۔

۱۲ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ کا جمعہ احقر نے جامعہ مدنیہ میں ادا کیا اور حضرت مولانا حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی حضرت موصوف نے بڑی ہی شفقت و عنایت فرمائی کافی دیر آپ کی مجلس میں حاضری رہی اور آپ سے استفادہ کا موقع ملا جس سے دل بہت ہی خوش ہوا، ۲۶ رجب کا جمعہ بھی جامعہ مدنیہ ہی میں پڑھا اور حضرت مولانا سے رسالہ ”عقائد علماء دیوبند“ پر تقریظ کیلئے درخواست کی آپ نے فرمایا کہ آئندہ جمعہ کو آ جانا چنانچہ حسب الحکم آئندہ جمعہ ۴ شعبان المعظم کو پھر حاضری ہوئی کافی دیر تک مجلس رہی حضرت نے تقریظ عنایت فرمائی نیز ہر مرتبہ تواضع بھی فرماتے رہے۔

حضرت مولانا کی خورد و نوازی شفقت و عنایت اور حق پسندی سے متعلق یہ واقعہ ہمیشہ یاد رہے گا کہ آپ کی مجلس میں ایک صاحب نے نماز سے متعلق مسئلہ دریافت کیا آپ نے اس کا جواب عنایت فرمایا مگر احقر کو یہ مسئلہ اور طرح یا د تھا لیکن ظاہر ہے کہ حضرت مولانا کے سامنے بندہ کی کیا حیثیت اور حافظہ کا کیا اعتبار اس لئے اس وقت تو خاموش رہا بعد میں جامعہ آ کر اس مسئلہ کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ مجھے وہ مسئلہ صحیح یا د تھا خیال آیا کہ عریضہ کے ذریعہ حضرت مولانا کو اطلاع کر دوں چنانچہ ایک عریضہ میں ساری تفصیل مع مسئلہ وحوالہ اور اپنی اس جرأت پر معذرت بھی لکھ کر ارسال خدمت کردی حضرت نے نہ صرف مسئلہ کو قبول فرمایا بلکہ اس کی تصحیح فرمانے کا بھی لکھا اور ساتھ ہی میری اس جرأت پر اپنی غیر معمولی رضا کا اظہار بھی فرمایا حضرت مولانا کا مکتوب گرامی اس وقت سامنے آ گیا اس لئے ذیل میں نقل کرتا ہوں اس سے جہاں حضرت مولانا کے مقام بلند کا پتہ چلتا ہے وہیں ہم جیسوں کو اس سے سبق بھی ملتا ہے، حضرت مولانا ارقام فرماتے ہیں :

عزیزم عبد القدوس صاحب حفظکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ..... آپ کا مکتوب موصول ہوا، اس میں کوئی بات ایسی نہیں جو بری ہو، مجھے خوشی ہوئی، ان شاء اللہ آئندہ جمعہ مجلس میں تصحیح کر دوں گا، والسلام۔ حامد میاں، ۱۲ مئی ۸۲ء
احقر کو حضرت مولانا کا یہ مکتوب گرامی ۲۰ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ ہفتہ کے روز موصول ہوا۔

دورہ حدیث شریف کے طلبہ کے اسباق شب و روز تیزی سے جاری تھے، ترمذی شریف ۱۸ رجب کو مکمل ہوئی اور اس کی تقریب بڑی دھوم دھام سے کی گئی احقر نے بھی شرکت کی، ۲۰ رجب المرجب کو بخاری شریف مکمل ہو چکی تھی لیکن اس کی تقریب ۴ شعبان ۲۸ مئی جمعہ کے روز بعد مغرب ہوئی حضرت شیخ الحدیث

مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمہ اللہ نے اس تقریب سعید سے چالیس منٹ خطاب فرمایا اور آخر میں دعا کرائی۔
احقر کو عرصہ سے خیال تھا کہ سلطان جہانگیر کے مقبرہ پر حاضری دوں چنانچہ ۱۹ رجب کو پہلی مرتبہ مقبرہ جہانگیر جانا ہوا، احقر نے سن رکھا تھا کہ حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ ۱۹۳۸ء میں جب لاہور تشریف لائے تو آپ بھی مقبرہ جہانگیر پر تشریف لے گئے تھے اور پہلے آپ نے نور جہاں کی قبر پر ایصال ثواب فرمایا پھر سلطان جہانگیر کی قبر پر، یہ تمام تفصیل حضرت کے سفر نامہ لکھنؤ لاہور میں بھی موجود ہے۔
ہم نے بھی اس روز پہلے نور جہاں کی قبر پر ایصال ثواب کیا پھر سلطان جہانگیر کی قبر پر حاضری دی، سلطان کی قبر پر ہو کا عالم تھا اور وہ دیکھنے والوں کیلئے درس عبرت تھی، وہاں پہنچ کر شاہزادی زیب النساء بیگم کا یہ شعر یاد آ گیا۔

برمزار ماغریباں نے چراغے نے گلے نے پر پروانہ سوز دے صدائے بلبلے
کیم شعبان المعظم ۲۵ مئی منگل بعد مغرب دارالحدیث میں حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی اور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب آزاد مرحوم کا بیان ہوا، دونوں حضرات نے دارالعلوم دیوبند کے دورہ کی روئیداد اور وہاں کے حالات نیز مصالحتی کوششوں سے طلبہ کو آگاہ فرمایا اور آخر میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی وفات پر اظہار تعزیت بھی کیا گیا۔

حضرت اقدس مولانا شیخ محمد سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم اس زمانہ میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ماعظم اعلیٰ تھے اور وفاق کی ترقی و تنظیم اور نصاب کی بہتری نیز امتحانی نظام کی کامیابی کیلئے رات دن آپ کوشش فرما رہے تھے اس کیلئے جہاں آپ نے ارباب حکومت سے مذاکرات کئے وہیں ملک کے مختلف حصوں میں بنفس نفیس پہنچ کر مدارس کا جائزہ بھی لیا بطور خاص امتحان کے دنوں میں آپ نے امتحانی سنٹروں کا خود دورہ فرمایا۔

۵ شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ ۲۹ مئی ۱۹۸۲ء ہفتہ بعد عشاء آپ جامعہ اشرفیہ میں تشریف لائے اور غایت کرم سے احقر کا کارہ کوہمانی کا اعزاز عطا فرمایا رات کا قیام حضرت نے احقر کے کمرہ ہی میں فرمایا، حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ بھی ان دنوں کبیر والا سے جامعہ میں تشریف لائے ہوئے تھے رات کو اور صبح ناشتہ پر خوب مجلس رہی۔

احقر امتحانات کی تیاری کے سلسلہ میں رفقاء درس کے ساتھ نگرار میں مصروف تھا حضرت اس سے بہت خوش ہوئے جب معلوم ہوا کہ احقر میرزاہد رسالہ قطبیہ، خیالی اور امور عامہ کا نکرار کر رہا تھا تو اور بھی زیادہ مسرت کا اظہار فرمایا اور دعائیں دیں۔

دوسرا تعلیمی سال (دورہ حدیث شریف)

احقر کا دوسرا تعلیمی سال شوال المکرم ۱۴۰۲ھ سے شروع ہوا یہ سال دورہ حدیث شریف کا باہرکت سال تھا گزشتہ سال کی بنیاد پر دورہ حدیث میں داخلہ ہوا، اور ۲۶ شوال المکرم ۱۴۰۲ھ سوموار ۱۶ اگست ۱۹۸۲ء کو اسباق کا آغاز ہوا، سب سے پہلے حضرت اقدس مولانا محمد عبید اللہ صاحب دامت برکاتہم نے طحاوی شریف کے سبق سے دورہ کا افتتاح فرمایا کتاب کی عبارت پڑھنے کی سعادت احقر کو حاصل ہوئی، پھر حضرت اقدس جناب حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہم نے ابوداؤد شریف کا آغاز کرایا، اسی روز ظہر کے بعد بحر العلوم جامع المعقول والمعتقول حضرت الاستاذ علامہ محمد موسیٰ روحانی باری نور اللہ مرقدہ نے ترمذی شریف کا آغاز کرایا، پھر اس کے بعد استاذ المعقول جامع الفروع والاصول حضرت الاستاذ مولانا عبدالرحمن صاحب اشرفی مدظلہم نے مسلم اور حضرت شیخ الحدیث الحبر المقام والحر الطمطم مولانا محمد مالک کاندھلوی قدس سرہ نے بخاری شریف کا افتتاح فرمایا۔

اسباق کی ترتیب کے اعتبار سے پہلے دو گھنٹے بخاری شریف پھر طحاوی شریف اس کے بعد مسلم شریف اور آخر میں ابوداؤد شریف کا سبق ہوتا تھا جبکہ ظہر کے بعد عصر تک کا وقت ترمذی شریف کیلئے مختص تھا، تمام اسباق اسی ترتیب سے چلتے رہے، حضرت شیخ الحدیث صاحب نے کچھ عرصہ کے بعد بخاری شریف جلد ثانی کا سبق مغرب کے بعد شروع کرادیا، اس طرح بخاری شریف دو وقت ہونے لگی حضرت علامہ شیخ محمد موسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو چونکہ سفر حج پر جانا تھا اس لئے آپ نے ابتداء سے ہی دو وقت سبق پڑھایا اور حج سے واپسی پر مستقلاً دو وقت ترمذی شریف کا سبق ہوتا رہا، طحاوی شریف کا مقام درس حضرت مہتمم صاحب مدظلہم نے ششماہی سے قبل مکمل فرمادیا، حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب مدظلہم نے مقدمہ مسلم اور کتاب الایمان کے مباحث نہایت سطر و تفصیل سے پڑھا کر باقی حصہ سالانہ امتحان سے بہت پہلے مکمل فرمادیا، جبکہ بخاری شریف دونوں جلدیں شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ میں مکمل ہوئیں اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد حسن میں اختتامی تقریب کے موقع پر صحیح بخاری شریف کے آخری باب وحدیث پر مفصل کلام فرما کر دعا کرائی۔

اسباق دورہ حدیث شریف

ابوداؤد شریف ۲۶ شوال المکرم کو شروع ہوئی ۱۲ ذوالقعدہ کو اس کا مقدمہ مکمل ہوا، اور اسی روز ۱۲ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ بروز بدھ یکم ستمبر ۱۹۸۲ء کو کتاب الطہارت شروع ہوئی۔ ابوداؤد شریف مورخہ ۱۵ رجب المرجب ۱۴۰۳ھ ۲۹ اپریل ۱۹۸۳ء جمعہ کے روز عشا کے بعد مکمل ہوئی۔

ترمذی شریف ۲۶ شوال کو شروع ہوئی ۳ ذوالقعدہ کو مقدمہ مکمل ہوا اور اسی روز ۲۳ اگست ۱۹۸۲ء

بعد عشاء کتاب الطہارت کا آغاز ہوا، اور ۱۱ ذوالقعدہ بعد ظہر باب ما جاء ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد الحاجة ابغلقی المذهب تک سبق مکمل ہو کر بند ہوا، حضرت الاستاذ رحمہ اللہ سفر حج پر تشریف لے گئے، ۳ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ کو آپ واپس تشریف لائے اور ۵ محرم الحرام کو باب ما جاء فی کراہیۃ البول فی المغتسل سے ترمذی شریف کا سبق دوبارہ شروع ہوا، ۱۹ صفر المظفر ۶ دسمبر سوموار کو کتاب الطہارت مکمل ہو کر کتاب الصلوٰۃ شروع ہوئی جو ۲۳ جمادی الاولیٰ بدھ ۹ مارچ کو مکمل ہوئی اور اسی روز کتاب الزکوٰۃ شروع ہوئی، کتاب الصوم ۲۹ جمادی الاولیٰ اور ابواب الحج ۶ جمادی الاخریٰ کو شروع ہوئے کتاب الجنائز کا آغاز ۱۱ جمادی الثانیہ کو ہوا جبکہ ۲۴ جمادی الاخریٰ کو ابواب النکاح شروع ہوئے باب الرضاغ ۲۷ جمادی الاخریٰ، ابواب البیوع ۲۹ جمادی الاخریٰ اور ابواب الحدود ۱۷ رجب کو شروع ہوئے، بالآخر مورخہ ۱۸ رجب المرجب ۱۴۰۳ھ بمطابق ۲ مئی ۱۹۸۳ء سوموار بعد نماز ظہر ترمذی شریف جلد اول و دوم مع شاکل مکمل ہوئی اور ایک عظیم الشان تقریب منعقد ہوئی جس میں حضرت شیخ نے اپنے مخصوص دلدوز اور پرسوز انداز میں اختتامی کلمات اور دعائیں فرمائیں۔

دورہ حدیث شریف میں چونکہ سنن نسائی، ابن ماجہ، مؤطا امام محمد و مؤطا امام مالک بھی شامل ہیں اور سالانہ امتحان میں باقاعدہ ان کا پرچہ بھی لیا جاتا ہے اس لئے ان کتب حدیث کا تعارف اور محدثین و مؤلفین کرام کے حالات کا علم بھی ضروری تھا اس لئے حضرت شیخ علامہ محمد موسیٰ روحانی باری نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ یہ کتابیں ہم پڑھائیں گے چنانچہ ان سب کتابوں کا آغاز حضرت نے کرایا اور ان پر جامع مانع کلام بھی فرمایا، آخری روز بطور خاص احقر کو عبارت پڑھنے کا حکم دیا احقر نے عبارت پڑھنے کی سعادت حاصل کی تو حضرت نے اس پر دعا کرادی، باقی تمام کتابیں چونکہ پہلے مکمل ہو چکی تھیں اس لئے دورہ حدیث کے سال کا یہ آخری سبق تھا، اس طرح اس سال آغاز و اختتام دونوں موقع پر عبارت پڑھنے کی سعادت احقر کو ہی حاصل ہوئی، فللہ الحمد فی الاولیٰ والاخرہ۔

دورہ حدیث شریف کے ممتاز رفقاء و شرکائے اسباق میں برادر مولا نا عبدالحق صاحب خطیب سعدیہ مسجد ملتان، مولا نا تصور اقبال صاحب خطیب آرمی پاکستان، برادر مکرم مولا نا محمد اشرف علی صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھا، مولا نا غیاث الدین صاحب، مولا نا عبد الجلیل صاحب مدرسہ تعلیم الاسلام جیاموسی لاہور، مولا نا فخر الدین صاحب مدرسہ اشرف العلوم کجرا نوالہ، مولا نا ظفر اللہ شفیق صاحب، مولا نا عبدالغفور سروہی خطیب جامع مسجد شیخاں سالم لاہور، مولا نا خدائے رحم صاحب رحیم یار خان شامل ہیں۔

دورہ حدیث شریف کا سال بے انتہا مصروفیت اور محنت کا سال تھا تعلیم کا سلسلہ تقریباً شب و روز ہی چلتا رہا پابندی سے اسباق کی حاضری اور پوری توجہ دینا ہمارے لیے سب سے بڑا کام تھا اور ضبط میں ہی ہمارا سارا وقت گزرتا تھا اس سال دوسری کسی قسم کی مصروفیت اور دوسرے کام کا وقت ملنا ناممکن تھا کوئی رات دن ایک ہی مشغلہ رہا۔

ماہرچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم الاحد بیٹ یا رکہ نکمراری کنیم

بھلا اللہ تعالیٰ سارا سال پابندی سے اسباق میں حاضری اور پڑھنے کے ساتھ درس حدیث لکھنے کی توفیق بھی حق تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے عطا فرمائی۔

حضرات اساتذہ کرام کا انداز تدریس

بخاری شریف کا سبق روزانہ دو گھنٹے اس شان سے ہوتا کہ ایک بحر بے کراں رواں دواں ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں، حضرت شیخ کاندھلوی نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ بڑی مربوط تقریر فرماتے، درمیان میں کسی قسم کا توقف اور بے ربطی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا آپ ترجمۃ الباب اور متعلقہ احادیث پر نہایت سبب و تفصیل سے گفتگو فرماتے اسی طرح تمام مذاہب کا بیان مع ادلہ فرمانے کے بعد اپنے موقف پر بڑے مدلل انداز سے کلام فرماتے تھے، فریق مخالف کے جواب بھی ایسے مسکت انداز میں دیتے کہ اس کے بعد کسی قسم کا شبہ و اشکال باقی نہ رہتا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و عمل کی جامعیت کے ساتھ قوت حافظہ کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا، آپ نے پورے درس میں سارے سال کبھی کسی کتاب یا مخطوطہ سے مدد نہیں لی، اپنی پوری تقریر کے دوران تمام مباحث میں زبانی حوالے پیش فرماتے تھے ہر حوالہ اور کتاب کی عبارت نوک بر زبان تھی حسن صورت کے ساتھ حق تعالیٰ نے آپ کو حسن صوت سے بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا اس لئے دو گھنٹے کی اس تقریر میں پورے سال کبھی کسی قسم کی اکتاہٹ محسوس نہیں ہوئی۔ جس انداز سے آپ تقریر فرماتے کوئی طالب علم بھی اسے پورے طور پر ضبط کرنے پر قادر نہ تھا تاہم سب اپنی ہی کوشش میں لگے رہتے تھے احقر نے بھی اپنی بساط کے مطابق ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل حضرت کی تقریر بخاری شریف تحریر کی تھی لیکن صحیح بات یہی ہے کہ حضرت کی اصل تقریر کا یہ عشر عشر بھی نہیں ہے۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ کی فیض الباری دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کاندھلوی صحیح معنی میں اپنے استاذ محترم اور حضرت والد گرامی قدس سرہما کے جانشین ہیں اور آپ نے اپنے والد گرامی کی جانشینی کا حق ادا فرما دیا ہے حق تعالیٰ ان کے درجات بلند فرماویں اور ہمیشہ ان کی برکات و فیوضات سے امت کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

ابوداؤد شریف کی تقریر میں حضرت اقدس صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم کا انداز نہایت جامع اور مختصر تھا تمام طلبہ دورہ حدیث شریف کیلئے حضرت کا درس ابوداؤد بے حد مفید اور نافع تھا حضرت دامت برکاتہم نفس حدیث پر کلام کے ساتھ دفع تعارض اور حضرت امام داؤد کے ارشاد پر کلام کے ساتھ تمام مذاہب اور ان کے ادلہ کو بیان فرما کر ان کا شافی وافی جواب ارشاد فرماتے اور ساتھ ہی اپنے مذہب کی ایک مضبوط دلیل بھی بیان فرمادیتے تھے، اس طرح طلبہ کیلئے حضرت کا سبق یاد کرنا آسان ہو جاتا تھا تمام طلبہ اکثر حضرت کا سبق یاد کرتے تھے حضرت روزانہ سبق سنتے تھے اس لئے امتحانات میں حضرت کے سبق کی تقریر طلبہ کیلئے بے حد مفید ہوتی تھیں، تمام اسباق میں غالباً یہ ایک ہی سبق تھا جسے پورے طور پر حفظ کیا جاتا تھا، حضرت کی تقریر کا ضبط مشکل نہ تھا آپ اس انداز سے تقریر فرماتے کہ آسانی سے لکھا جاسکتا تھا احقر نے بھی ابوداؤد شریف کی تقریر تحریر کی تھی جواب تک احقر کے پاس محفوظ ہے۔

طحاوی شریف کی تقریر اور سبق حضرت اقدس مہتمم صاحب دامت برکاتہم کچھ اس البیلے انداز سے فرماتے کہ غبی سے غبی طالب علم بھی سمجھ جاتا اور اسے سبق وہیں یاد ہو جاتا کہ دوبارہ پڑھنے کی ضرورت بھی نہ رہتی۔ احقر نے آپ کی تقریر دلپذیر لکھنے کی کوشش کی تھی کیونکہ حضرت کے سبق میں تسلسل و روانی کے ساتھ فصاحت و بلاغت غضب کی ہے اس لئے پورے طور پر تمام تقریر کا لکھنا آسان نہیں تھا تاہم جس قدر ہو سکا لکھا گیا امتحانات اور تکرار کے موقع پر اس سے بہت فائدہ ہوا۔

مسلم شریف کا مقدمہ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب اشرفی دامت برکاتہم نے اس انداز سے پڑھایا کہ بلا مبالغہ مشکل سے مشکل مقام آپ کے مطلب خیز اور بامعنی ترجمہ سے خود بخود حل ہو جاتا تھا، کتاب الایمان کے ضمن میں جو مفید اور نفیس اسباحث آپ نے فرمائیں ان کا نفع آج تک محسوس ہو رہا ہے آپ کا انداز نہایت شاندار اور جاندار ہے طالب علم آپ کے سحر انگیز بیان میں پورے طور پر منہمک ہو جاتا ہے، علم کلام و عقائد سے متعلق آپ کی تقریر بہترین سرمایہ ہیں، تسلسل اور روانی میں پوری تقریر منضبط کرنا مشکل تھا تاہم بعض مقامات احقر نے اس وقت ضبط کر لئے تھے جواب تک محفوظ ہیں۔

ترمذی شریف بحر العلوم حضرت شیخ محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پڑھائی آپ کی عظیم شخصیت ”بسحر مواج لا ساحل لہ“ کا صحیح مصداق تھی، ترمذی شریف کے آغاز میں جو عظیم مفید و نافع مقدمہ آپ نے لکھوایا وہ ایسے بیش بہا علمی فوائد و نکات پر مشتمل تھا کہ اسے پڑھ کر علم حدیث سے انسان کو بڑی حد تک مناسبت ہو جاتی ہے اصل کتاب کی شرح اور مقدمہ میں آپ نے دنیا بھر کی کتابوں کے حوالے

نقل فرمائے پھر اکابر کی تحقیقات کے ساتھ اپنی علمی حدیثی فنی تحقیقات کے بھی انبار لگا دیئے، یہ ٹھانٹیں مارتا سمندر روزانہ دو سے تین اور بعض اوقات چار گھنٹے تک بڑی تیزی سے رواں دواں رہتا طلبہ لکھتے لکھتے تھک جاتے لیکن حضرت شیخ قدس سرہ کی طبیعت پہلے کی طرح ہشاش بشاش اور باغ و بہار نظر آتی روزانہ کا سبق اتنی مقدار میں پڑھاتے اور لکھواتے کہ ہفتہ بھر میں بھی اسے یاد نہیں کیا جاسکتا تھا بلاشبہ حضرت شیخ اپنے وقت کے امام ترمذی اور علم حدیث کے بڑے متبحر عالم اور رسول اللہ ﷺ کے سچے عاشق تھے، حدیث پڑھاتے وقت آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی تھی سید کوئین سرور دو عالم ﷺ کا مبارک ذکر آپ بڑے ہی والہانہ انداز میں فرماتے اور شاکل ترمذی شریف پڑھاتے وقت آپ کی حالت دیدنی ہوتی تھی آپ کے درس حدیث سے متقدمین کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، بعض تحقیقات نفیسہ ایتھ شمینہ سن کر معلوم ہوتا تھا کہ حق تعالیٰ نے آپ کو تمام علوم و فنون میں نہ صرف جامعیت بلکہ مہارت تامہ عطا فرمادی ہے، ان تمام اوصاف و کمالات کے باوجود آپ میں انتہائی تواضع، انکساری اور عاجزی پائی جاتی تھی، لیکن جلال اور رعب کے غلبہ کی وجہ سے عام طور پر اس کا اندازہ ہر ایک کیلئے مشکل ہوتا تھا۔ طلبہ پر آپ کی شفقتیں و عنایتیں موسلا دھار بارش کی طرح برستی تھیں، احقر نے سات صد سے زائد صفحات پر مشتمل تقریر ضبط کی تھی جو بحمد اللہ تعالیٰ مکمل طور پر محفوظ ہے۔

اس سال درس حدیث میں حضرات اساتذہ کرام دامت برکاتہم کی جو تقاریر احقر نے تحریری طور پر محفوظ کیں وہ تقریباً تین ہزار صفحات پر مشتمل ہیں جن میں بخاری شریف اور ترمذی شریف کی تقریر سب سے زیادہ مفصل ہے، احقر کا خیال تھا کہ اس عظیم مجموعہ میں سے کچھ افادات ہدیہ ناظرین کردئے جائیں لیکن وقت کی تنگی نیز صفحات کی تنگ دامانی کی بنا پر سر دست معذرت خواہ ہوں حق تعالیٰ نے توفیق دی تو کسی وقت یہ افادات ہدیہ ناظرین کئے جائیں گے، واللہ الموفق والمعين۔

اساتذہ کرام کی شفقت اور سالانہ امتحان

حضرات اساتذہ کرام دامت برکاتہم العالیہ نے سارے سال بڑی محنت و شفقت سے پڑھایا حق تعالیٰ سب کو جزاء خیر اور فلاح دارین عطا فرمائیں، دورہ حدیث شریف کے سال میں غیر معمولی مصروفیت کی وجہ سے امتحانات کیلئے مستقل طور پر تیاری کا وقت نکالنا بہت مشکل تھا تاہم حضرت اقدس والد گرامی نور اللہ مرقدہ کی دعا اور حضرات اساتذہ کرام کی شفقت و عنایت کے طفیل حق تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ ہر امتحان میں کامیابی ہوتی رہی حتیٰ کہ جامعہ کے سالانہ امتحان کے موقع پر سبق کا سلسلہ بھی جاری رہا اور اس کے بعد وفاق المدارس کی طرف سے بھی تحریری امتحان ہوا، بحمد اللہ تعالیٰ دونوں امتحانوں میں شرکت کی، ان

دونوں امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی، جامعہ کے سالانہ امتحان کا نتیجہ آیا تو احقر کے ۵۰۲ نمبر تھے جبکہ کل نمبر ۵۰۰ تھے، بخاری شریف میں ۵۱ اور ترمذی شریف میں ۵۲ نمبر تھے یہ حضرات اساتذہ کرام کی خصوصی عنایت تھی کہ احقر کو کل نمبر سے بھی دو نمبر زائد عطا ہوئے، والحمد للہ علیٰ ذلک کلہ۔

دورہ حدیث شریف کے سالانہ امتحان کے بعد جامعہ میں احقر کے دونوں تعلیمی سال مکمل ہوئے اور پھر احقر حسب الحکم حضرت اقدس والد گرامی نور اللہ مرقدہ شوال المکرم ۱۴۰۳ھ سے معقول و منقول کی بقیہ کتب کی تکمیل اور جزوقتی مد ریس میں مصروف ہو گیا اور دو سال میں تمام کتب کی تکمیل کی اور پھر مستقل طور پر درس نظامی کی مد ریس اور چندے بعد افتاء کی خدمت پر مامور ہوا، اور تقریباً پچیس سال سے بفضلہ تعالیٰ اسی شعبہ سے باضابطہ تعلق چلا آ رہا ہے۔ بلاشبہ یہ سب مادر علمی جامعہ حقانیہ اور جامعہ اشرفیہ کا ہی فیض ہے اللہ تعالیٰ تمام دینی اداروں اور جامعہ اشرفیہ و جامعہ حقانیہ کے فیض کو قیام قیامت تک جاری رکھیں، لامتناہی ترقیات سے نوازیں اور ہر قسم کے شر و فتن سے ان کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

دوسرے تعلیمی سال کی چند یادداشتیں

اس سال دورہ حدیث شریف کی تعلیم کی وجہ سے کسی دوسری طرف توجہ ممکن نہ تھی اسی لئے کہیں کسی پروگرام میں شرکت اور غیر تعلیمی سرگرمی میں حصہ لینے کی نوبت نہیں آئی، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پورے انہماک اور توجہ کے ساتھ اسباق پڑھنے لکھنے میں ہی شب و روز گزر رہے، گویا سال مکمل ہونے کا پتہ ہی نہ چلا اس سال صحیح معنی میں رخ دگر چشم از ہمد عالم فرو بند پر عمل کی توفیق نصیب ہوئی اور بلاشبہ درس حدیث کی عظمت و اہمیت کا تقاضہ بھی یہی تھا۔ بہر حال اس سال کے حالات و واقعات گزشتہ سال کی طرح ضبط تحریر میں نہیں لائے گئے اور نہ ہی زیادہ قابل ذکر حالات و واقعات پیش آئے، البتہ بعض واقعات جو اس وقت بلا کسی غور و فکر کے یاد آ رہے ہیں وہ پیش خدمت ہیں۔

مشہور مسلم لیگی و سیاسی رہنما مولانا عبدالستار خان صاحب نیازی مرحوم نے ۱۹۸۳ء میں ایک ”چار نکاتی فارمولا“ اخبارات میں شائع کرایا جس کا مقصد مختلف مکاتب فکر کو اتحاد کی دعوت دینا تھا، ان دنوں اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ میں اس کا بہت چرچا تھا ان نکات میں موصوف نے حضرات اکابر علماء دیوبند کی بعض عبارات کی تہدیلی کی تجویز بھی پیش کی تھی، اسی طرح ”المہند“ اور ”فیصلہ ہفت مسئلہ“ کے مطابق اتحاد کا عند یہ بھی ظاہر کیا تھا، جامعہ اشرفیہ میں بھی ان دنوں یہ فارمولا زیر بحث تھا، علماء دیوبند میں سے بعض حضرات نے اس کا جواب بھی لکھا تھا۔

اجتماعی غور کیلئے ایک اجلاس سمن آباد ”کاشانہ زکی“ پر بھی منعقد ہوا تھا جس میں حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم اور حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہ و دیگر علماء کرام نے شرکت فرما کر دعوت اتحاد کے اس فارمولا پر غور فرمایا، حضرت والد ماجد نے اس فارمولا کے جواب میں جو گرانقدر و قیہ علمی و فتنی مضمون تحریر فرمایا اسے حضرت اقدس مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ نے بے حد پسند فرمایا اور مکمل طور پر اس کی تائید فرمائی، یہ مضمون اس زمانہ میں ہفت روزہ خدام الدین کے علاوہ اخبارات میں بھی شائع ہوا تھا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی قدس سرہ نے بھی اس ”چار نکاتی فارمولا“ کے جواب میں ایک پریس کانفرنس کی تھی یہ کانفرنس عصر کے بعد مسجد شہداء ریگل کے قریب ایک مقامی ہوٹل میں منعقد ہوئی جس میں مولانا عبدالرشید ارشد مرحوم اور مولانا سعید الرحمن علوی بھی شریک تھے حضرت کاندھلوی ازراہ عنایت احقر کو بھی اپنے ساتھ لے گئے، گاڑی آپ نے خود چلائی، عصر مسجد میں ادا کی اور پھر پہلے مولانا عبدالرشید ارشد صاحب اور مولانا علوی نے بیان کیا، آخر میں حضرت مولانا کاندھلوی کا بیان ہوا، آپ نے دعوت اتحاد کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے حقیقی اتحاد کی دعوت دی اور مولانا نیازی کی دعوت کے جواب میں فرمایا کہ ”جب تک مولانا احمد رضا خان بریلوی کے تکفیری فتاویٰ کو واپس نہیں لیا جاتا اس وقت تک اتحاد کی یہ دعوت بے معنی ہے“ اس پر اخباری نمائندوں نے عجیب و غریب انداز سے کئی سوالات کئے حضرت نے بڑے مسکت انداز میں ان کا جواب دیا اور دلائل کے ساتھ واضح فرمایا کہ ”بحیثیت جماعت حضرات علماء دیوبند نے بریلوی مکتب فکر کی علی الاطلاق تکفیر نہیں کی جبکہ مولانا احمد رضا خان اور دیگر علماء بریلوی دیوبندی مکتب فکر کو کافر قرار دے رہے ہیں جب تک یہ دیوار حائل ہے اس وقت تک اتحاد کی اس دعوت کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے“۔

احقر حضرت مولانا کاندھلوی کے جوابات اور طرز استدلال سے بے حد متاثر ہوا، آپ نے اپنے متکلمانہ اور محققانہ انداز بیان سے ان کو جواب کر کے دعوت اتحاد کی حقیقت کو واضح فرمادیا جو گویا ۔

فسوف تری اذا انكشف الغبار افرس تحت رجلک ام حمار

کا مصداق تھی۔

مخدوم و مکرم حضرت مولانا مشرف علی تھانوی دامت برکاتہم کے بڑے بیٹے برادر عزیز مولوی اشرف علی سلمہ اللہ تعالیٰ نے حفظ قرآن کریم کی سعادت حاصل کی تو اس عظیم مسرت کے موقع پر حضرت مولانا مدظلہم نے مورخہ ۹ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ کو دارالعلوم الاسلامیہ میں ایک عظیم تقریب سعید منعقد فرمائی جس میں مفتی اعظم حضرت اقدس مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دستار بندی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا کاندھلوی

نے بیان فرمایا، حضرت مولانا کا بیان آیت ثم اور ثنا الکتب الذین اصطفینا من عبادنا پر ہوا، چونکہ یہ تقریب ایسے وقت تھی کہ اس میں کسی سبق کا مانع نہیں ہوتا تھا اس لئے احقر نے بھی اس میں شرکت کی۔

ہمارا مسلم شریف کا سبق حضرت مولانا عبد الرحمن اشرفی مدظلہم کے پاس تھا ایک دن معلوم ہوا کہ محدث العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری مدظلہم دیوبند سے پاکستان تشریف لائے ہیں اور وہ کل جامعہ اشرفیہ میں مسلم شریف کا سبق پڑھائیں گے، اس خوشخبری سے طلبہ میں غیر معمولی مسرت کی ابرو دوڑ گئی، احقر آپ کی تصنیف لطیف ”نقش دوام“ پڑھ چکا تھا اور دیوبند کے صد سالہ اجتماع میں بھی آپ کی زیارت نہیں ہوئی تھی اس لئے انتہائی مسرت سے اس وقت کا انتظار کرنے لگا، بالآخر حضرت مولانا مدظلہم مسلم شریف کے سبق میں تشریف لائے اور ہم سب نے نہ صرف زیارت بلکہ ان سے سبق پڑھنے کی سعادت بھی حاصل کی حضرت مولانا مدظلہم نے کئی دن جامعہ میں قیام فرمایا اور تقریباً ایک ہفتہ تک ہمیں درس حدیث شریف دیتے رہے اس طرح ہمیں آپ سے باقاعدہ شرف تلمذ کی سعادت بھی حاصل ہوئی، اس کے بعد بھی کئی مرتبہ آپ پاکستان تشریف لائے اور آپ کے بیانات سننے کا موقع ملتا رہا، ایک مرتبہ جامع مسجد بلاک نمبر اسر کوڈھا میں بھی آپ کا خطاب لاجواب سنا، احقر کا کارہ کی دعوت پر صفر المظفر ۱۴۲۶ھ میں جامعہ حقانیہ ساہیوال سرکوڈھا تشریف لاکر عظیم الشان سیرۃ النبی ﷺ کانفرنس سے خطاب فرما کر آپ نے محظوظ فرمایا۔

سفر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہمارے دورہ کے سال میں ایک مرتبہ جامعہ میں تشریف لائے اور ظہر کے بعد آپ نے طلبہ سے ختم نبوت کے موضوع پر خطاب کیا، مقدمہ بہاولپور کا مشہور واقعہ بڑی تفصیل سے سنایا، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نے حضرت مولانا محمد صادق صاحب کو فرمایا تھا کہ ”اگر اس مقدمہ کا فیصلہ میری وفات کے بعد ہو تو میری قبر پر آپ اس کی اطلاع کر دینا“ یہ سنا کر حضرت مولانا چنیوٹی نے فرمایا اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ انور شاہ کشمیری سماع موتی کے قائل ہیں، بعض طلبہ جو آپ کے متعلق اس حوالہ سے شک کا شکار تھے اس بیان کے بعد ان کا تردد ختم ہوا اور انہیں پورے طور پر اطمینان ہو گیا، احقر نے بعد میں حضرت مولانا مرحوم سے ایک تحریر بھی حاصل کر لی تھی جس سے عقیدہ حیات النبی ﷺ کے متعلق ان کا موقف واضح ہے۔

اس سال بھی مجلس صیابہ المسلمین پاکستان کا اجتماع بڑی دھوم دھام سے منعقد ہوا، تین روز تک علم و عرفان کی بارش رہی اکابر علماء کرام و مشائخ عظام تشریف لائے اور ان کے ایمان افروز بیانات ہوئے، سامعین کی تعداد میں بھی خاطر خواہ اضافہ اور رونق نظر آئی، عوام و خواص کی دلچسپی دیکھ کر طبیعت بے حد خوش

ہوئی، جامعہ کی طرف سے طلبہ کو تین دن کی رخصت تھی تاکہ وہ اجتماع میں شریک ہو کر اکابر کی مجلس، صحبت اور ان کے عارفانہ بیان سے مستفید ہو سکیں، مختلف مقامات سے قافلوں کی صورت میں حضرات جمع ہوئے، ساہیوال سے بھی ایک بڑی تعداد نے اس میں شرکت کی، حضرت اقدس والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے حسب سابق تین روز لاہور میں قیام فرمایا، مختلف علماء کرام و مفتیان عظام سے تبادلہ خیال ہوتا رہا، تمام مجالس و محافل میں احقر بھی شریک رہا۔

سردست ان چند واقعات پر ہی اکتفا کرتا ہوں، اگر حق تعالیٰ نے موقع عطا فرمایا تو دورہ حدیث شریف کے سال پیش آنے والے واقعات کو قدرے تفصیل سے عرض کیا جائے گا، واللہ الموفق والمعین۔

مشائخ عظام و اساتذہ کرام

اب نہایت مناسب ہے کہ آخر میں اپنے اساتذہ کرام و امت برکاتہم اور ان مشائخ عظام کا مختصر تذکرہ بھی کر دیا جائے جن کی برکت سے ہمیں قدرے علمی و روحانی فیض حاصل ہوا، اور جامعہ اشرفیہ کی مسند علمی کو چار چاند لگے۔ کیا عجب کہ اکابر و مشائخ کے اس مختصر و مبارک تذکرہ کی برکت سے اس حقیر مضمون کو بھی کسی حد تک شرف پذیرائی حاصل ہو جائے، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مفتی صاحب ضلع انک کے ایک غیر معروف گاؤں مل پور میں ۱۲۹۷ھ ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے، یہ گاؤں تاریخی مقام حسن ابدال سے سات میل کے فاصلے پر واقع ہے آپ نے قرآن مجید اور فارسی کی تعلیم محترم جناب قاضی محمد نور صاحب سے روپنڈی کے موضع سنگ جانی میں حاصل کی پھر مولانا قاضی کوہر دین صاحب گھوڑوی سے بھی استفادہ کیا، شرح ملا جامی تک کی تعلیم مکھڑ شریف سے حاصل کر کے ضلع ہزارہ موضع ڈھینڈامولانا محمد معصوم صاحب کے پاس چلے گئے وہاں منطق اور فلسفہ کی کتابیں پڑھیں جب مولانا محمد معصوم صاحب مدرسہ غزنویہ چلے گئے تو انہوں نے آپ کو بھی اپنے ہی پاس بلالیا یہاں آپ نے بقیہ علوم و فنون تفسیر و حدیث فقہ و کلام کی تکمیل کی اور امرتسر میں مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا نور محمد صاحب اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی جیسے اساتذہ سے بھی استفادہ کرتے رہے عربی علوم کی تکمیل کے بعد جب آپ حضرت حکیم الامتہ مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں بیعت کی غرض سے حاضر ہوئے تو حضرت نے بیعت کیلئے تین شرطیں عائد کیں، ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ دارالعلوم دیوبند میں جا کر دوبارہ دورہ حدیث پڑھیں کیونکہ حضرت مفتی صاحب نے امرتسر میں جن اساتذہ سے حدیث پڑھی تھی وہ حنفی المسلك نہ تھے، حضرت تھانوی

رحمہ اللہ کا منشا یہ تھا کہ جس فقہی مسلک کے ہم پیروکار ہیں اس مسلک کے جید علماء سے بھی حدیث پڑھنا ضروری ہے، تاکہ اس مسلک کی وجوہ ترجیح معلوم ہو سکیں تو حضرت نے اپنے پیرومرشد کا منشا پورا کرنے کیلئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور علامہ انور شاہ کشمیری سے حدیث پڑھی، چنانچہ تین سال کی عبادت و ریاضت کے بعد آپ کو ۱۱/ ذوالحجہ ۱۳۴۳ھ میں حضرت تھانوی نے خلعت خلافت عطا کی، حضرت مفتی صاحب نے درس و تدریس کے مبارک مشغلہ کو دسہ نسمانہ امرتسر میں شروع کیا حضرت نے تقریباً ۳۵ سال تک تدریس کی خدمت انجام دی پھر حضرت مفتی صاحب نے اپنے شیخ کی ہدایت پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ ظفر احمد عثمانی، حضرت مفتی محمد شفیع اور دوسرے اور علماء کے ساتھ شانہ بشانہ تحریک پاکستان میں حصہ لیا، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تو ۱۹۴۳ء میں انتقال فرما گئے تھے لیکن حضرت مفتی صاحب نے ۱۹۴۳ء تا ۱۹۴۷ء کے چار سالوں میں قیام پاکستان کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۴۹ء میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے وصال کے بعد جمعیت علماء اسلام کا شیرازہ بکھر گیا تھا پھر اس کی جلد تشکیل عمل میں لانے کیلئے حضرت مفتی صاحب کے گھر میں علماء کا اجتماع ہوا جن میں علامہ سلیمان ندوی، مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا داؤد غزنوی، مولانا محمد متین صاحب شامل تھے اس اجتماع میں حضرت مفتی صاحب کو صدر اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا احمد علی لاہوری صاحب کو نائب صدر منتخب کیا گیا۔

برصغیر کی تقسیم کے بعد پاکستان میں مذہبی درسگاہوں کی شدید کمی محسوس کی گئی، مفتی صاحب بے سروسامانی کی حالت میں امرتسر مدسہ نعمانیہ کو چھوڑ کر لاہور تشریف لائے اور اسی شہر میں ہی اللہ تعالیٰ کے توکل پر جامعہ اشرفیہ کے نام سے ۸/ ذوالقعدہ ۱۳۶۶ھ ۲۴/ دسمبر ۱۹۴۷ء میں ایک دینی ادارے کا اجراء کیا اور اس میں توکل علی اللہ پوری زندگی درس و تدریس کا کام سرانجام دیتے رہے اور ۱۴/ ذوالحجہ ۱۳۸۸ھ یکم جون ۱۹۶۱ء کراچی میں آپ کا انتقال ہوا، نماز جنازہ مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری نے پڑھائی اور سوسائٹی کے قبرستان میں دفن کئے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا علامہ رسول خان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۱۸۷۱ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد مولانا محمد حسن بن محمد گل خان ضلع ہزارہ کے معروف عالم تھے قومیت کے لحاظ سے سواتی پٹھان تھے آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے مدارس میں حاصل کی بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کیلئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے جہاں تین سال کے عرصہ میں باقی ماندہ کتب کی تکمیل کر کے ۱۳۲۳ھ میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی سے دورہ حدیث پڑھ کر سند الفرائغ حاصل کی،

دارالعلوم سے فراغت کے بعد آپ مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں درس و تدریس پر مامور ہوئے اور ۱۳۲۲ھ سے ۱۳۳۲ھ تک اعلیٰ مدرسہ کی خدمات انجام دیتے رہے پھر اکابر دارالعلوم دیوبند کی خواہش پر دارالعلوم تشریف لے گئے اور پہلا آزمائشی درس شرح وقایہ کا ہوا جس میں امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، فخر الہند مولانا حبیب الرحمن عثمانی اور حضرت مولانا محمد احمد قاسمی اہم اکابر و اساتذہ شریک ہوئے آپ نے معرکہ الآراء درس دیا اور دارالعلوم میں آپ کی علمی شخصیت کی دھماک بیٹھ گئی یہاں آپ نے ۱۳۳۲ھ سے ۱۳۵۳ھ تک مدرسہ کی خدمات انجام دیں اور بڑے بڑے جید علماء کرام نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا جن میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، حضرت مولانا شمس الحق افغانی، حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری اور حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی قابل ذکر ہیں، دارالعلوم دیوبند کی مدرسہ کی خدمات کے بعد سر محمد شفیع مرحوم کی درخواست پر آپ اور ٹیبل کالج پنجاب یونیورسٹی تشریف لے گئے اور ۱۹۳۵ء سے ۱۹۵۴ء تک اسی کالج میں جدید تعلیم یافتہ حضرات کو پڑھاتے رہے، پھر مخدوم الامت حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب کی استدعا پر ۱۹۵۴ء سے ۱۹۷۱ء تک مستقل طور پر جامعہ اشرفیہ لاہور میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے مدرسہ کی خدمات انجام دیتے رہے اور ہزاروں تشنگان علوم کو اپنے چشم فیض علمی سے سیراب و شاداب کرتے رہے۔

آپ ایک عظیم محدث و مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کے عارف کامل و شیخ الکل تھے، آپ اولاً حضرت شیخ الہند سے بیعت ہوئے پھر ان کی رحلت کے بعد حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی سے تعلق قائم کیا اور روحانی اسباق کی تکمیل کی، ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ کو حضرت نے آپ کو خلافت سے نوازا آپ نے حضرت تھانوی سے خوب فیض حاصل کیا اور انہی کے مسلک و مشرب پر قائم رہے سیاسی نظریات میں بھی اپنے شیخ معظم کے تابع رہے اور تحریک پاکستان میں دیوبندی نظریہ کی تائید و حمایت کی آپ نے اپنی زندگی میں ہزاروں افراد کی اصلاح فرمائی اور متعدد خوش نصیبوں نے آپ سے خلافت و اجازت حاصل کی، الغرض آپ ساری زندگی درس و تدریس و اصلاح میں مصروف رہے اور اپنے فیض علمی و روحانی سے مستفیض فرماتے رہے، آخری بیس سال جامعہ اشرفیہ میں گزارے اور حسب معمول شعبان کی تعطیلات گزارنے اپنے آبائی گاؤں اچھریاں تشریف لے گئے جہاں یکم رمضان المبارک کو معمولی سا بخار ہوا مگر ذکر و عبادت میں مصروف رہے اور بالآخر ۳ رمضان ۱۳۹۱ھ کو روزہ کی حالت میں سورہ یس پڑھ کر اور پھر یہ کلمات قرآنی فواللہ خیر حافظا و هو ارحم الراحمین پڑھتے ہوئے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ایک بلند پایہ علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں سلسلہ نسب خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے اور والدہ محترمہ کی طرف سے سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے، آپ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ بمطابق ۱۹۰۰ء کو شہر بھوپال میں پیدا ہوئے لیکن آپ کا وطن مالوف کاندھلہ ہے، خاندانی روایات کے مطابق مولانا نے بھی قرآن کریم حفظ کیا، قرآن کریم کی تکمیل کے بعد آپ کے والد مولانا حافظ محمد اسماعیل کاندھلوی آپ کو تھانہ بھون لے گئے اور وہاں حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی کے مدرسہ اشرفیہ میں آپ نے درس نظامی کی ابتدائی کتب پڑھیں وہاں چونکہ صرف ابتدائی تعلیم کا اہتمام تھا اس لئے اعلیٰ تعلیم کیلئے آپ نے سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم میں داخلہ لے لیا، وہاں مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری، حافظ عبداللطیف صاحب، مولانا ثابت علی جیسے جلیل القدر علماء سے استفادہ کیا، ۹ برس کی عمر میں سند فراغت حاصل کی، مظاہر علوم سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد ذوق پیدا ہوا کہ دارالعلوم دیوبند میں بھی جو عالم اسلام کی مقتدرہ ہستیوں کا مرکز تھا وہ رہہ حدیث کیا جائے چنانچہ مظاہر علوم سے سند فراغ حاصل کر کے دوبارہ وہ رہہ حدیث کیا، حضرت نے علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، میاں اصغر حسین دیوبندی اور مفتی عزیز الرحمن جیسے جملہ محدثین کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔

۱۳۳۸ھ ۱۹۲۱ء میں مفتی کفایت اللہ کے قائم کردہ مدرسہ امینیہ دہلی سے آپ نے تدریس شروع کی اور ایک سال بعد دارالعلوم دیوبند کی تدریسی پیش کش کو قبول کر کے دیوبند میں فروکش ہوئے وہاں آپ نے ہدایہ، مقامات حریری، بیضاوی شریف، تفسیر ابن کثیر جہی عظیم کتابیں پڑھائیں، آپ کا یہاں قیام تقریباً نو سال رہا پھر ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم چھوڑ کر حیدرآباد دکن آ گئے اور یہاں بھی آپ کا قیام نو برس ہی رہا اسی دوران آپ نے عظیم الشان کتاب التعلیق علی مشکوٰۃ المصابیح کی تالیف بھی کی، حیدرآباد دکن کے قیام کے دوران علامہ شبیر احمد عثمانی صدر مہتمم اور قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے آپ کو بحیثیت شیخ التفسیر دوبارہ دارالعلوم آنے کی دعوت دی جو آپ نے قبول کر لی حیدرآباد دکن کے ڈھائی سو روپیہ مشاہرہ پر ۷ روپے ماہانہ کی دارالعلوم کی تدریس کو ترجیح دی اور ۱۹۳۹ء میں دوبارہ دارالعلوم دیوبند آ گئے، یہ قیام ہجرت پاکستان تک بیس سال رہا وہاں آپ نے پھر بیضاوی شریف، تفسیر ابن کثیر، سنن ابی داؤد، طحاوی کی مشکل الاثر جہی امہات الکتاب پڑھائیں۔

۱۹۴۷ء مملکت خداداد پاکستان معرض وجود میں آئی مئی ۱۹۴۹ء میں مولانا نے پاکستان ہجرت کرنے کا ارادہ کر کے ہا دل نا خواستہ دارالعلوم دیوبند سے استعفیٰ دے دیا، آپ نے مغربی پاکستان آنے کو

ترجیح دی اور دسمبر ۱۹۴۹ء میں ریاست بہاولپور کی دعوت پر پاکستان آ گئے اور جامعہ عباسیہ بہاولپور میں مدرسہ ریسرچ خدمات کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا، ۱۹۵۱ء کے اوائل میں مولانا جامعہ اشرفیہ کے سالانہ جلسہ میں تشریف لائے اور یہاں خطاب فرمایا، مولانا مفتی محمد حسن کی نظر انتخاب نے مولانا کو جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث کے طور پر منتخب کر لیا، چنانچہ بہاولپور جانے کے بعد ایک خط میں جامعہ اشرفیہ آنے کی دعوت ان الفاظ میں دی ”میں آپ کو پلاؤ اور بریانی چھوڑ کر دال روٹی کی دعوت دے رہا ہوں“ مولانا دال روٹی کی اس مخلصانہ دعوت کو بصرہ خلاص قبول کر کے ۱۶ اگست ۱۹۵۱ء میں جامعہ اشرفیہ آ گئے اور پھر عمر عزیز کے آخری دم تک جامعہ سے اپنے تعلق کو قائم رکھا۔ اور ۲۸ جولائی ۱۹۷۷ء ۸ رجب ۱۳۹۷ھ کو صبح صادق کے وقت طلوع آفتاب سے قبل علم کا یہ آفتاب و ماہتاب اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

درس و تدریس اور وعظ و خطبات کے علاوہ تحریر و تصنیف سے بھی مولانا نے دین متین کی لازوال خدمات سرانجام دیں ہیں، آپ کی تصانیف میں التعلیق الصبیح عربی، سیرت مصطفیٰ، تراجم بخاری، عقائد اسلام، اصول اسلام، خلافت راشدہ، اسلام اور نصرانیت، علم الکلام، تفسیر معارف القرآن وغیرہ شامل ہیں۔

فقیر العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت ۱۳۲۲ھ میں ہوئی آپ کا اصل وطن تھانہ بھون ضلع مظفرنگر تھا سلسلہ نسب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے اصل نام جمیل احمد اور تانجی نام غریب علی رکھا گیا تھا۔

آپ نے قرآن مجید کی ابتداء راجوپور ضلع سہارنپور میں کی والد صاحب کی ملازمت چونکہ علی گڑھ میں تھی اس لئے یہیں ناظرہ قرآن پاک ختم کر کے اسکول میں اردو کی تعلیم حاصل کی ۱۳۲۲ھ میں مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں داخلہ لیا اور حضرت حکیم الامت کی زیر نگرانی فارسی کتب، عربی کتب میزان الصرف سے ہدایت الخواتم پڑھیں، پھر جلال آباد میں حضرت مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی کی زیر نگرانی شرح جامی تک کتابیں پڑھیں، پھر ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ کو مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور ۱۳۴۲ھ میں سند فراغت حاصل کی، یہاں مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا ظہور الحق دیوبندی، مولانا ثابت علی، مولانا حافظ عبداللطیف، مولانا عبدالرحمن کامل پوری جیسے اکابرین سے استفادہ کرتے رہے، بعد فراغت درس و تدریس کا آغاز حیدر آباد دکن کے مدرسہ سے کیا پھر کچھ عرصہ مدرسہ نظامیہ حیدر آباد میں نائب شیخ الادب کے عہدہ پر فائز ہوئے، گیارہ ماہ کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے ارشاد پر مظاہر علوم اشرفیہ لے آئے اور مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے جہاں ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۷۰ھ تک اعلیٰ مدرسہ علمی خدمات سرانجام دیں،

۱۳۵۶ھ میں حج و زیارت کی سعادت حاصل کی پھر ۱۳۶۰ھ میں حضرت حکیم الامت کی علالت و تیمارداری کی غرض سے تھانہ بھون قیام فرمایا امداد العلوم میں فتاویٰ اور درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے، حضرت حکیم الامت تھانوی کے فرمان اور تحریک پاکستان کی اہمیت اور ملکی و ملی اشد ضرورت کے مطابق آپ نے بھی دیگر اکابر علماء کرام کی طرح خدمت دین کے جذبہ سے تحریک پاکستان میں عملی حصہ لیا آپ نے متحدہ قومیت کے نظریہ کی سخت مخالفت کی اور اس کے برعکس اسلام و کفر کی بنیاد پر مسلم اور غیر مسلم دو قومی نظریہ کی سختی کے ساتھ حمایت کی۔

حضرت مفتی صاحب نے ۱۳۷۰ھ میں ہندوستان سے پاکستان کیلئے رخصت سفر باندھا اور یہاں پہنچ کر جامعہ اشرفیہ میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب کی دعوت پر درس و تدریس اور خدمت افتاء کا کام شروع کیا جو ۱۳۹۱ھ تک جاری رہا آپ کے قلم سے جاری کئے ہوئے ہزاروں فتاویٰ کو پاکستان ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد اسلامی آئین کی ترتیب و تدوین میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا، قرارداد مقاصد اور ۱۹۵۱ء کے بانیس نکاتی دستور اسلامی کے مرتب حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی اور حضرت مفتی محمد شفیع کے معاون و مشیر رہے۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت میں تحریر و تقریر کے ذریعے تبلیغ کا حق ادا کیا، ۱۹۶۹ء میں سوشلزم جیسے لادینی نظام کے خلاف تحریک چلائی۔

آپ حضرت حکیم الامت اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے بیعت تھے بعد ازاں مولانا سعد اللہ صاحب رامپوری سے تربیت و اصلاح فرماتے رہے اور اجازت بیعت سے بھی نوازا۔ بہر حال حضرت مفتی صاحب آخر وقت تک دین کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف رہے، آخر کار ۲۱/رجب المرجب ۱۴۱۵ھ بمطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۹۵ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی ضلع مظفرنگر ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۴ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا پھر اعلیٰ تعلیم کیلئے مدرسہ مظاہر علوم میں داخلہ لیا جہاں حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب کی شفقتوں اور عنایتوں سے خوب مالا مال ہوئے اس کے بعد والد گرامی کے حکم پر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، وہاں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا اعجاز علی امروہی، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا محمد ادریس صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے اور دورہ حدیث کی اعلیٰ درجہ میں تکمیل کر کے سند فراغ حاصل کی،

فراغت کے بعد بہاول نگر کے ایک مدرسہ جامع العلوم میں درس و تدریس کا آغاز فرمایا، تدریسی زندگی کا آغاز صحیح مسلم، ابوداؤد، تفسیر جلالین اور ہدایہ سے کیا، دو سال کے قیام کے بعد اپنے استاذ مکرم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے حکم پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ۱۳۶۵ھ میں منتقل ہو گئے پھر قیام پاکستان کے بعد حیدرآباد سندھ کے مضافات ٹنڈوالہ یار میں مولانا احتشام الحق تھانوی نے تدریس حدیث کیلئے آپ کو منتخب فرمایا، اپنی زندگی کے ۲۵ سال وہاں گزارے اس دوران آپ کے والد محترم شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی کا انتقال ہو گیا اور پاکستان کے عظیم ادارہ جامعہ اشرفیہ کی عظیم مسند ”مسند حدیث“ اجڑ گئی جامعہ اشرفیہ کے ارباب حل و عقد کی نگاہ انتخاب اسی کو ہر مایاب پر آ کر ٹھہری اور ۱۳۹۲ھ ۱۹۷۷ء میں عظیم بیٹا اپنے عظیم والد کی عظیم مسند کا صحیح جانشین قرار پایا۔

حضرت کی تمام زندگی دین کی تبلیغ و اشاعت میں گزری آپ اکثر و بیشتر بیرون ممالک دعوت و تبلیغ کیلئے سفر بھی فرماتے رہے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی قائم کردہ خالص تبلیغی و اصلاحی مجلس صیائے المسلمین کے بھی آپ باقاعدہ رکن اور صدر رہے اور حضرت کا سیاسی نظریہ بھی حضرت حکیم الامت اور شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے سیاسی نظریے کے عین مطابق تھا، آپ نے ہمیشہ دو قومی نظریہ کی تائید و حمایت کی قیام پاکستان کے بعد تحریک اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے بھی عملی طور پر حصہ لیا آپ کا مقصد حیات صرف اور صرف علم اور علم کی خدمت تھا اسی لئے ہمیشہ درس حدیث، تصنیف و تالیف میں مصروف رہے یہاں تک کہ ۸/ربیع الاول ۱۴۰۱ھ ۱۲/اکتوبر ۱۹۸۸ء جمعہ المبارک کی بابرکت شب کو صبح صادق سے قبل ۳ بجے دارفانی کو چھوڑ کر دار آخرت کو سدھار گئے، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی نے نماز جنازہ پڑھائی اچھرہ کے قبرستان میں اپنے والد ماجد کے قدموں میں پہلو کی جانب مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب امرتسری مدظلہم

آپ ۱۹۳۳ء ۱۳۵۶ھ امرتسر میں پیدا ہوئے، آپ نے ابتدائی قاعدہ اور حفظ قرآن حضرت قاری کریم بخش صاحب سے پڑھا اور ۹ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا، ابتدائی صرف و نحو اور فارسی کی کتابیں مولانا محمد یوسف سے پڑھیں جو بھاگڑ میں رہتے تھے، پھر کافیہ سے آخر تک تمام کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کیلئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے دورہ حدیث شریف دارالعلوم دیوبند میں کر کے ۱۹۴۱ء میں سند الفراغ حاصل کی، یہاں حضرت مولانا سید حسین احمد دینی، حضرت مولانا اعجاز علی امروہی، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا نافع گل

جیسے اکابر علماء شیوخ سے آپ نے اکتساب فیض کیا، ۱۹۴۲ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا، فراغت کے بعد مدرسہ نعمانیہ میں تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا اور تقسیم ملک تک یہ سلسلہ جاری رہا، پاکستان آنے کے بعد کچھ عرصہ حسن ابدال راولپنڈی میں کاروبار کا بھی مشغلہ رہا پھر والد ماجد کے حکم پر کاروبار چھوڑ کر ۱۹۴۹ء میں جامعہ اشرفیہ میں درس و تدریس میں مصروف ہوئے اور تا حال اسی خدمت میں مصروف ہیں اور اس وقت آپ جامعہ اشرفیہ کے مہتمم اعلیٰ بھی ہیں، آپ کو والد ماجد کی آخری حیات میں انتظامیہ نے باتفاق رائے جامعہ کا مہتمم منتخب کر لیا تھا، اس وقت سے آج تک اسی عہدہ جلیلہ پر ہیں اور انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

یوں تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی ساری اولاد کو ناکوں خصوصیات کی حامل اور ماشاء اللہ ساری ہی عالم فاضل ہیں لیکن حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب کو اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ قرآن پاک ختم ہونے پر ابتدائی کتابوں کی بسم اللہ خود حضرت حکیم الامت تھانوی نے کرائی تھی، بچپن میں آپ کو پڑھائی کا کچھ زیادہ شوق نہ تھا آپ کے والد ماجد نے حضرت تھانوی کو شکایت کی انہوں نے اپنی خدا داد بصیرت سے یہ پیشین گوئی فرمائی کہ ”عبید اللہ ان شاء اللہ بھاگتے بھاگتے ہی عالم ہو جائے گا“ چنانچہ یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور آپ چودہ سال کی عمر میں دورہ حدیث سے فارغ ہو گئے تھے اور آج آپ کا شمار پاکستان کے جید علماء دین میں ہوتا ہے۔

آپ بچپن ہی میں حضرت حکیم الامت سے بیعت ہو گئے تھے، ۹ سال کی عمر سے بالغ ہونے تک حضرت کی خدمت میں تھانہ بھون حاضری کا شرف حاصل کرتے رہے، حضرت نے کتب صحاح کا اول اور آخر تمکیم آپ کو پڑھائیں، حضرت قاری محمد طیب صاحب سے اصلاح و تربیت کا سلسلہ قائم کیا اور خلیفہ مجاز مقرر ہوئے اور تدریس و اہتمام کے ساتھ ساتھ تبلیغ و اصلاح کا کام بھی انتہائی خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں۔

شیخ الحدیث و التفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی باری رحمہ اللہ تعالیٰ

محدث اعظم شیخ الحدیث و التفسیر مولانا محمد موسیٰ روحانی باری ڈیرہ اسماعیل خان کے مضافات میں واقع ایک گاؤں کٹہ خیل میں مولوی شیر محمد کے ہاں پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم عالم و عارف اور زاہد انسان تھے، حضرت شیخ کی عمر پانچ سال تھی کہ والد محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا، پھر آپ کی پرورش والدہ محترمہ نے کی جو کہ بہت ہی صالحہ، صائمہ خاتون تھیں، آپ نے والدہ محترمہ کی نگرانی میں دینی تعلیم حاصل کی یہی آپ کے والد محترم کی وصیت تھی،۔

حضرت شیخ روحانی باری نے ابتدائی تعلیم کتب فقہ اور فارسی کی تمام کتابیں گاؤں کے علماء سے

پڑھیں اس دوران گھر کے کاموں میں والدہ محترمہ کا ہاتھ بھی بٹاتے تھے، گاؤں میں بارش کے علاوہ پانی کے حصول کا اور کوئی ذریعہ نہ تھا آپ بعض اوقات پانی لانے کیلئے تین تین میل کا سفر کرتے، گاؤں میں کتابیں پڑھنے کے بعد تقریباً گیارہ سال کی عمر میں عیسیٰ خیل چلے گئے۔

تحصیل علم کیلئے یہ آپ کا پہلا سفر تھا، یہاں پر چند ماہ میں ہی علم الصرف کی کئی کتابیں زبانی یاد کر لیں، بعدہ ابا خیل ضلع بنوں تشریف لے گئے اور دو سال میں علم الصرف کی تمام کتب فصول اکبری تک اور نحو کی کتابیں کافیہ تک منطق کی ابتدائی کتب مولانا مفتی محمود صاحب کی زیر نگرانی ازبر کیں، اس کے بعد مفتی محمود صاحب کے ہمراہ عبدالنیل آ گئے اور یہاں پر دو سال میں ان سے شرح جامی، مختصر معانی، سلم العلوم تک منطق کی کتابیں، مقامات حریری، اصول الشاشی، مہندی، شرح ہدایۃ الحکمۃ، شرح وقایہ اور تجوید و قراءت کی بعض کتب پڑھیں، مزید علمی پیاس بجھانے کیلئے اکوڑہ خٹک دارالعلوم حقانیہ تشریف لے گئے یہاں آپ نے تقریباً دو سال قیام کیا جس دوران آپ نے منطق کی تمام کتابیں ماسوائے قاضی مبارک اور فلسفہ کی تمام کتب علم میراث اصول فقہ اور ادب عربی کی کتب پڑھیں، اس کے بعد مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں داخلے کیلئے تشریف لے گئے، قاسم العلوم میں داخلے کا امتحان صدرا، حمد اللہ، خیالی جیسی مشکل کتابوں میں زبانی دیا، ممتحن نے حیران ہو کر قاسم العلوم کے صدر مدرس مولانا عبدالحق کو بتلایا کہ ایک پٹھان لڑکا آیا ہے جسے سب کتابیں زبانی یاد ہیں، یہاں آپ تقریباً تین سال حصول تعلیم میں مشغول رہے۔

اعلیٰ دینی علوم کی فراغت کے بعد آپ نے درس و تدریس کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اور مدرسہ مطلع العلوم بلوچستان میں تدریس کا آغاز کیا، ایک عرصہ وہاں پڑھانے کے بعد بورے والا کے مشہور جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ میں شعبہ تدریس سے وابستہ ہوئے اس کے بعد ملتان میں قاسم العلوم میں تدریس کرتے رہے۔

۱۹۷۱ء میں جامعہ اشرفیہ کے نائب مہتمم مولانا عبدالرحمن اشرفی کی درخواست پر آپ جامعہ اشرفیہ میں تشریف لائے اور اسباق کا آغاز کیا، حضرت شیخ الحدیث مولانا رسول خان صاحب کی وفات کے بعد درس و تدریس کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے اور زندگی کے آخری دن تک ترمذی شریف پڑھاتے رہے۔

حضرت شیخ ساری زندگی تصنیف و تالیف درس و تدریس و عطاء و تبلیغ میں عمر کی ۶۳ بہاریں گزار کر ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ / ۱ اکتوبر ۱۹۹۸ء بروز سوموار عصر کی جماعت میں دل کا دورہ پڑنے سے اس پر فتن دنیا سے نجات پا کر دارقرا کی طرف رخت سفر باندھ گئے اس دنیاوی آزمائش میں آپ کی کامیابی اور اپنی رضا کا اعلان اللہ تعالیٰ نے حضرت کی قبر سے پھوٹنے والی جنت کی خوشبو کے ذریعہ دنیا میں ہی کر دیا (البرکات المکیہ)

حضرت مولانا عبدالرحمن اشرفی صاحب دامت برکاتہم

آپ حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب کے صاحبزادے ہیں، آپ کی ولادت امرتسر میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد اور دیگر اساتذہ سے مدرسہ نعمانیہ امرتسر ہی میں حاصل کی، پھر تقسیم ملک کے بعد لاہور آ گئے اور جامعہ اشرفیہ میں ہی باقی تمام دینی تعلیم حاصل کی، دورہ حدیث شریف حضرت مولانا رسول خان ہزاروی، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی اور اپنے والد ماجد سے پڑھ کر ۱۹۵۲ء سند فراغت حاصل کی۔

فراغت تعلیم کے بعد آپ نے جامعہ اشرفیہ میں ہی درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور اونچے درجہ کی کتب آپ کے زیر درس ہیں، حضرت مفتی صاحب کی رحلت کے بعد آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب جامعہ کے مہتمم اعلیٰ اور آپ نائب مہتمم مقرر ہوئے تا حال اسی منصب پر فائز ہیں، حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی کی وفات کے بعد آپ جامعہ کے شیخ الحدیث منتخب کئے گئے، آپ ایک بلند پایہ عالم دین اور مفتی بزرگ ہیں، مشکوٰۃ شریف اور مسلم شریف جیسی اہم کتابیں پڑھاتے ہیں، جامعہ اشرفیہ میں خطبہ جمعہ آپ ہی دیتے ہیں، مولانا موصوف اپنے علم و عمل میں اپنے والد مکرم کا عین نمونہ ہیں اور آپ جامع المعقول و المقول ہیں، آپ کا انداز درس نہایت دلکش مؤثرانہ اور عالمانہ ہوتا ہے، آپ ایک عظیم محدث، محقق، مدیر، مفسر اور خطیب ہیں، آپ نے نکات القرآن کے نام سے تفسیر بھی لکھی ہے جو بہت مقبول ہے، آپ کا روحانی سلسلہ حضرت حکیم الامت کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا رسول خان صاحب ہزاروی سے منسلک ہے، آپ نے اصلاح و تربیت پہلے اپنے والد صاحب سے حاصل کی پھر حضرت مولانا رسول خاں سے تعلق بیعت قائم کیا اور خلافت حاصل کی ان کے بعد حضرت مولانا فقیر محمد صاحب سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور ان کی طرف سے بھی آپ کو اجازت و خلافت حاصل ہے، آپ حضرت حکیم الامت کے مسلک و شرب کے مطابق دینی و علمی تدریسی، تبلیغی و اصلاحی خدمات میں مصروف ہیں اور اپنے والد ماجد کے لگائے ہوئے گلشن کو آباد و شاداب کئے ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد ممتاز صاحب تھانوی رحمہ اللہ

آپ جامعہ اشرفیہ کے نائب مفتی جید عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے، آپ کے والد حضرت خلیفہ جی حضرت حکیم الامت کے خادم خاص تھے، آپ بچپن ہی سے حضرت حکیم الامت کے زیر تربیت رہے، آپ نے مدرسہ اشرفیہ امداد العلوم تھانہ بھون اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے اساتذہ سے

شرف تلمذ حاصل کیا اور مکمل درس نظامی کی تعلیم حاصل کر کے سند انفرارغ حاصل کی، پھر حضرت حکیم الامت کی زیر نگرانی مدرسہ اشرفیہ میں علمی و تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور حضرت کی مجالس روحانیہ سے خوب خوب استفادہ کیا، حضرت ہی سے تعلق بیعت و ارادت قائم کیا اور اصلاح باطنی میں حضرت کے ارشادات و تعلیمات پر عمل پیرا رہے، قیام پاکستان کے بعد آپ نے جامعہ اشرفیہ لاہور سے وابستگی قائم رکھی اور آخر دم تک جامعہ اشرفیہ میں درس و افتاء کی خدمت میں مصروف رہے۔

آپ بڑی خوبیوں کے مالک تھے، حسن خلق، ہنس مکھ، پیار و محبت، عزم و احترام، شفقت و الفت ان کی ایسی امتیازی صفات تھیں جو رتی دنیا تک یا درکھی جائیں گی، آپ حکیم الامت کے تربیت یافتہ تھے اس لئے حضرت کے خلفاء کے منظور نظر رہے، آپ نے ساری زندگی علمی، فقہی و تدریسی خدمات میں گزاری، آپ نے زندگی کی تقریباً ستر بہاریں گزار کر ۲۶ جون ۱۹۸۷ء شوال ۱۴۰۷ھ بوقت چاشت دارالبقاء کی طرف رحلت فرمائی۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب دامت برکاتہم

آپ ۱۹۳۰ء میں حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پیدا ہوئے جو اپنے وقت کے ایک بلند پایہ عالم و مدرس تھے، آپ نے ابتدائی کتب اپنے والد گرامی عالم باعمل حضرت مولانا محمد یوسف سے پڑھیں اس کے بعد جامعہ اشرفیہ لاہور تشریف لے آئے اور حضرت کا شمار جامعہ کے متقدمین طلبہ میں ہوتا ہے، ۱۳۷۲ھ میں آپ نے جامعہ اشرفیہ لاہور ہی سے دورہ حدیث کا امتحان درجہ علیا میں پاس کر کے سند انفرارغ حاصل کی۔

دوران طالب علمی آپ اساتذہ کے منظور نظر پابند اوقات نہایت محنتی طالب علم تھے، ۱۳۷۳ھ میں بانی جامعہ اشرفیہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب کے حکم پر آپ نے تدریس کا آغاز جامعہ ہی سے کیا، آپ کی ذہانت، قابلیت اور علمیت کا اندازہ خاتم المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے اس ارشاد سے لگایا جاسکتا ہے ”مولوی محمد یعقوب چلتا پھرتا کتب خانہ ہے“۔

آپ جامعہ اشرفیہ کے مایہ ناز استاذ اور عظیم محقق ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو علوم نبوت کے خزانوں میں سے وافر حصہ عنایت فرمایا ہے، آپ کے مشہور اساتذہ میں مفتی محمد حسن صاحب، حضرت مولانا رسول خان، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی جیسے اساتذہ کرام شامل ہیں، دیگر علوم کے علاوہ عروض علم فلسفہ و منطق میں بھی اللہ نے آپ کو خصوصی مہارت دی ہے، آپ ان فنون کے اپنے زمانہ میں امام تصور کئے جاتے ہیں، تا حال جامعہ میں ہی آپ شفقت و محبت سے وارثان علوم نبوت کو سرفراز فرما رہے ہیں۔

حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم العالیہ

آپ ۷ دسمبر ۱۹۳۳ء کو پیدا ہوئے اور آپ کا وطن مالوہ کوہ در شاہ کوٹ تحصیل ضلع شیخوپورہ ہے، اسکول کی تعلیم میٹرک تک اپنے علاقہ میں مکمل کی، دینی کتب کی تعلیم آپ نے جامعہ خیر المدارس ملتان اور جامعہ اشرفیہ لاہور میں حاصل کی، آپ نے حضرت اقدس مفتی محمد حسن صاحب، حضرت مولانا رسول خان ہزاروی، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، حضرت مولانا محمد شریف کشمیری، حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب جیسے عبقری اور مشاہیر علماء سے اکتساب فیض کیا، ۱۹۵۲ء کے لگ بھگ سند فراغ حاصل کی، آپ نے کچھ عرصہ جامعہ خیر المدارس ملتان اور دارالعلوم عید گاہ کبیر والا میں تدریس کے فرائض انجام دیئے، بعد ازاں جامعہ اشرفیہ لاہور میں مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے اور اس وقت آپ بخاری شریف، ابوداؤد شریف کی مسند تدریس پر رونق افروز ہیں، سلوک و تصوف میں حضرت اقدس مفتی محمد حسن صاحب کی خدمت میں اعلیٰ مقام حاصل کیا اور اپنے شیخ عالی مقام کی طرز پر ایک خانقاہ قائم کی جہاں سینکڑوں طالبان راہ حق بیعت و سلوک کی منازل طے کر رہے ہیں، آپ نہایت متواضع، ہنس مکھ، ملنسار شخصیت کے مالک ہیں، آپ جب اپنے مخصوص انداز میں حدیث رسول ﷺ کا درس دیتے ہیں تو انوارات و برکات کی بارش ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، آپ کا جو مسعود اس وقت جامعہ اشرفیہ کے طلباء اور تمام مسلک کے لوگوں کیلئے باعث رحمت و برکت ہے، حضرت اقدس مفتی محمد حسن صاحب کے خلفاء میں اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ آپ نے متعدد کتابیں بھی تصنیف کی ہیں جن میں تحسین المبانی، الخیر جاری، حسن المعبود، الدرر الغدی، اغراض جلالین وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا نور محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

استاذ العلماء بدرالافتیاء یا دگار اسلاف حضرت مولانا نور محمد صاحب جامعہ اشرفیہ کے بزرگ اساتذہ میں سے تھے، آپ نے جن علماء سے علمی استفادہ کیا ان میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا رسول خان جیسے بزرگوں کے اسماء شامل ہیں، حضرت مولانا کا آبائی تعلق ضلع انک سے تھا آپ نے جامعہ میں ۳۵ سال سے زائد عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ مشکوٰۃ شریف، حسامی، ہدایہ ثالث جیسی عظیم کتب کی تدریس فرمائی۔ حضرت نہایت متقی، شفیق، کم کواور صاحب علم، ہستی تھے، اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

جناب محمد فیروز الدین شاہ کھگہ
لیکچرر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

جامعہ حقانیہ سے جامعہ اشرفیہ تک

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا ایک عظیم الشان ادبستان دین علم کی حیثیت سے نہ صرف ملک کے اطراف و اکناف میں بلکہ بیرون ملک بھی اپنی مخصوص تعلیمی، فقہی اور روحانی روایات کے ساتھ پہچانا جاتا ہے، اس عظیم دینی درسگاہ کی نسبت ایک طرف خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون سے ہے تو دوسری طرف ازہر ہند دارالعلوم دیوبند سے جالمتی ہے۔ قاسمی، اشرفی اور مدنی علوم و معارف کی حامل عبقری شخصیت فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ اس کے بانی اور نصف صدی سے زائد عرصہ تک بذات خود اس کے روح رواں رہے۔

میری خوش بختی ہے کہ مجھے حضرت کے فیض صحبت اور آپ کے فیضان نظر سے جہاں قرآن اور قرآنی علوم سے ادنیٰ مناسبت اور دینی کتابوں کے سرورق دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی وہاں اکابرین اور بزرگوں سے عقیدت و محبت کے جذبات بھی پیدا ہوئے جو یقیناً کسی نعمت سے کم نہیں۔

اسی طرح استاذ محترم حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی دامت برکاتہم سے بھی استفادہ کا موقع نصیب ہوا، حضرت الاستاذ مدظلہم کی صحبت سے جہاں تمام اکابر دیوبند سے عموماً اور حکیم الامتہ مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی مجددانہ شخصیت سے خصوصاً متعارف ہوا وہیں جامعہ اشرفیہ کے عظیم اور نابغہ روزگار اساتذہ کرام کے مبارک تذکار اور ان کے علمی و روحانی معارف سے بھی شناسائی حاصل ہوئی، جزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء واللہ الحمد والشکر۔

جامعہ اشرفیہ اپنی خاص روحانی نسبتوں کی روایات کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کے معاشرتی اور سماجی مسائل کے حل کیلئے بھی اپنی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔

دین صرف چند اعمال اور رسوم و عبادات کا ہی نام نہیں ہے بلکہ اس کی جامع تعریف یہ ہے کہ ”دین دنیا میں اچھے انداز سے زندگی گزارنے کے طریقے کا نام ہے“ اس لحاظ سے وارثین علوم انبیاء علیہم السلام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ افراد کی ہر سطح اور ہر مشکل پر رہنمائی کریں، اللہ تعالیٰ کا بے شمار شکر ہے کہ جامعہ کی خدمات بڑی وسیع، ہمہ گیر اور جامعیت کے پہلو سے لہریں ہیں۔

اصل یہ ہے کہ نظام نبوت کا مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی جماعت وجود میں آئے جو اپنی ترکیب اور ہیئت

وخصوصیت کے اعتبار سے پوری دنیا میں امتیازی حیثیت کی حامل ہو، اسی طرح وہ جماعت قیادت و سیادت کے ساتھ ساتھ دنیا میں شریعت الہیہ کو نافذ کرنے کا فریضہ بھی انجام دے تاکہ انسانیت کو ان مصائب و آلام سے نجات ملے جو گمراہ قیادتوں، غلط نظاموں اور جہالت سے معمور بھٹکے ہوئے تصورات و نظریات کی وجہ سے انسانوں کو بھگتنا پڑے۔

جامعہ اشرفیہ اسی نظام نبوت کو اس کے حقیقی منہج پر نافذ کرنے کیلئے کوشاں ہے اور اس کا مقصد بھی اسی عظیم اسلامی نظریہ اور مزاج کی ترویج ہے جو زندگی کے تمام مسائل اور مشکلات کا جامع حل پیش کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نظام قرآن و سنت کے فیضان کا محتاج ہے اس لئے قرآن و سنت کی صحیح تعلیم و تفہیم اس کیلئے لازمی اور ضروری جز قرار پائی، جامعہ اشرفیہ عرصہ ۶۰ سال سے قرآن و سنت کی اسی روح کو پھیلانے میں ایک کلیدی کردار ادا کر رہا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن و سنت کے مطالب و مدلولات کو سمجھنے میں اصل مسئلہ اس کے الفاظ و عبارات کے معانی کو سمجھنے کا نہیں بلکہ آج کے دور کا اہم مطالبہ یہ ہے کہ انسان ان معانی اور مدلولات کو اپنے محسوسات و ادراکات میں اس طرح راسخ کرنے میں کامیاب ہو جائے کہ اس کے سامنے انہی واردات اور خیالات کا صدور ہونے لگ جائے جو دوسری اور خیر القرون میں صحابہ و تابعین کو حاصل تھے، گویا اصل چیز وہ مزاج ہے جو آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وحی اور عمل کے ذریعے سکھانا چاہتے تھے جس کی ایک جھلک صفحہ میں نظر آتی ہے تو دوسری زندگی کے میدان عمل میں۔ گویا آنحضور ﷺ کی بعثت انسانوں میں راست فکری اور صالح عمل جیسے بنیادی عناصر پیدا کرنے کیلئے ہوئی جن کا خلاصہ تین لفظوں میں نکلتا ہے:

(۱) علم و حکمت (۲) تزکیہ و تربیت (۳) کردار و عمل

جامعہ اشرفیہ انہی تین لفظوں کی ترویج کا عملی مظاہرہ پیش کر رہا ہے، یہاں کی تعلیم اپنے مختلف پہلوؤں اور متنوع مضامین کی بدولت ملک بھر میں عظیم شہرت رکھتی ہے اور یہ یقیناً اپنے نام کی طرح Leader of the universities (جامعات میں سب سے معزز) کہلوانے کی بجائے طور پر حقدار ہے۔ جامعہ کا ایک خصوصی پہلو تربیت روحانی ہے، جو جامعہ کا ایک امتیازی وصف ہے، ہانی جامعہ حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری قدس سرہ ان عظیم المرتبت شخصیات میں سے تھے جنہوں نے مجدد ملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہ کر روحانیت و تصوف کی حقیقت کو حاصل کیا اور للہیت کا وہ درجہ حاصل کیا جو کم از کم پچھلی صدی میں عدیم النظیر ہے۔

جامعہ ہذا میں تربیت کے تین پہلو خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

(۱) تربیت کا اصلاحی پہلو، عبادات و عمل کی ترغیب، معاشرت کی درستگی، بات میں سچائی اور تواضع و مثبت فکری کے پہلوؤں پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔

(۲) تربیت کا روحانی پہلو، جامعہ کے اساتذہ کرام کی اعلیٰ نسبتیں ایسی نعمتیں ہیں جو اس کو دیگر جامعات سے ممتاز کرتی ہیں۔ الحمد للہ کہ جامعہ کے بڑے اساتذہ میں اکثر صاحب نسبت اور کسی نہ کسی شیخ کامل کے خلیفہ مجاز ہیں جس کی وجہ سے جامعہ بیک وقت متعدد خانقاہوں کا منظر پیش کرتا ہے اور آج جبکہ عالم اسلام میں خانقاہی نظام خال خال نظر آتا ہے یہ جامعہ خانقاہی نظام کے احیاء میں کلیدی کردار ادا کر رہا ہے۔

(۳) تربیت کا عصری پہلو، طلباء میں فکری توازن اور اعتدال، عقیدت و محبت کے ساتھ ساتھ یقین و ایمان کی دولت لئے جدید علوم و فنون کا سہارا اور ان کا صحیح منہج پر استعمال و اطلاق کا درس بھی جامعہ کے کمیزات میں سے ایک ہے۔

جامعہ کے عظیم اساتذہ و تالیق جن میں نابغہ روزگار حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری، حضرت مولانا علامہ رسول خان ہزاروی، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی اور شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی باری رحمہم اللہ جیسے مشاہیر شامل ہیں، اپنی ذات میں آسمان علم کے تابندہ ستارے تھے، ان جلیل القدر حضرات کی سیرت، خدمات اور علمی کارنامے اس قدر کثیر ہیں کہ ان کا احاطہ کسی ایک انسان کے بس کی بات نہیں، ان شخصیات کی جامعہ اشرفیہ میں موجودگی نے جامعہ کو دور حاضر کا مرکز علم و عمل اور مرجع خلافت بنا دیا۔

ع خدا رحمت کن دایں عاشقان پاک طینت را

سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ ان اکابر کے خوشہ چیں آج بھی موجود ہیں اور علم دین و شرع متین کی تمام سرحدوں کی حفاظت ایک آہنی دیوار کی صورت میں کر رہے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمہم اللہ کی ذات اقدس سے براہ راست فیض یافتہ مخدوم المملۃ یادگار اسلاف حضرت مولانا محمد عبید اللہ قاسمی المفتی مدظلہم کی ذات والاصفات کے علم و عمل، اخلاص و للہیت اور تواضع و انکساری سے کون واقف نہیں، حضرت کی زندگی وسیع انظری اور اعلیٰ فکری کا نایاب نمونہ ہے، میری خوش قسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جیسے وقت کے عظیم ولی اللہ سے استفادہ کا موقع نصیب کیا، اور راقم پر حضرت الاستاذ کے احسانات اور شفقتیں بے انتہا ہیں۔

اسی طرح صاحبزادہ جامع المعقول والمعتول حضرت مولانا عبدالرحمن اشرفی صاحب دامت برکاتہم جو بیک وقت ایک عظیم عالم شریعت، رہبر طریقت اور جامع الصفات شخصیت ہیں، آپ کی دینی، علمی، سیاسی اور سماجی خدمات بے شمار اور بے مثال ہیں، حضرت کے مزاج میں اعتدال و توازن، استدلال و برہان اور اسلامی اصولوں کی روشنی میں جدید و قدیم کا حسین و دلکش امتزاج موجود ہے۔

اسلام کے بارے میں مجموعی اور عمومی حیثیت سے جس طرز فکر اور ذوق و جذبہ کا اظہار آپ کی شخصیت میں ہے وہ سوچ موجودہ دور کے علماء میں خال خال ہی ملتی ہے۔

مخدوم العلماء والصلیٰ حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم علم و تصوف کی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں، آپ بلا شک و شبہ ایک عبقری شخصیت ہیں، رشد و ہدایت، اصلاح و تربیت اور فقہ و حکمت میں حضرت تھانوی کے اصولوں پر کامل طور پر کاربند ہیں، آپ کے فیوض و برکات سے ایک خلق کثیر منتفع ہو رہی ہے۔

آخر میں اس مرد ملت اور بطل جلیل کا تذکرہ کرتا ہوں جس کی زندگانی کا ہر لمحہ سوزدروں سے عبارت ہے دین کی سربلندی اور اس کی تبلیغ و ترویج کیلئے ہمہ جہت کاوشیں جس قدر حسن و خوبی سے آپ سرانجام دے رہے ہیں وہ فقید المثال ہیں میری مراد اپنے استاذ محترم حضرت مولانا حافظ فضل الرحیم صاحب دامت برکاتہم ہیں۔

آپ علم و عمل کے جامع اور فہم و بصیرت کے حامل عالم دین ہیں، عالمی رابطہ ادب اسلامی پاکستان کے صدر اور جامعہ اشرفیہ کے نائب مہتمم ہیں، آپ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر دین کا آفاقی تصور پیش کرنے میں قابل تحسین کردار ادا کر رہے ہیں۔

حضرت الاستاذ مدظلہم نے راقم کو مختلف فورمز پر جامعہ اشرفیہ کی نمائندگی کا موقع بھی عطا کیا، جو ان کی شفقت و محبت کا عکاس ہے۔

حضرت الاستاذ بے مثال اخلاق، ظریف مزاج، سادہ و پروقا اور معتدل شخصیت کے مالک ہیں۔ ساٹھ سالہ تاسیسی اجتماع کے انعقاد پر اراکین جامعہ مبارک باد کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ اس اجتماع کو ملک و ملت کی فلاح و صلاح اور تجدید عزم کا سبب بنائے، آمین۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جامعہ اشرفیہ اور اس کے تمام متعلقین کو شاد و آباد، زندہ و تابندہ اور پابندہ رکھے، آمین۔

فقیر العصر حضرت مفتی عبدالشکور رزندی رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارے دینی مدارس

بَعْدُ (الحمد لله) : گزارش آنکہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں شائع شدہ مضامین ”اسلام کا ابتدائی نظام تعلیم“ اور ”قدیم نظام تعلیم کی ایک جھلک“ نظر سے گزرے، اپنی افادیت اور ضرورت زمانہ کے لحاظ سے یہ دونوں مضامین بہت ہی اہم اور وسیع معلوم ہوئے مگر بہت طویل اور متفرق قسطوں میں شائع ہونے کی وجہ سے عام طور پر ان سے استفادہ مشکل تھا اس لئے خیال آیا کہ ان مضامین میں سے مختصر طریقہ پر انتخاب کر کے بعض ضروری اور مناسب مضامین کے اضافہ کے ساتھ ایک مختصر مجموعہ مرتب کر دیا جائے، تاکہ اس کا نفع عام ہو اور اس سے استفادہ کرنا بھی آسان ہو اور متفرق مضامین کی کج دستیاب ہو سکیں، چنانچہ یہ کتابچہ ”ہمارے دینی مدارس“ انہی مضامین بالاسے منتخب اور مرتب کیا گیا ہے اور کہیں کہیں ”نبوی نظام تعلیم“ مرتبہ مفتی عبدالرحمن صاحب چہلیک ملتان سے بھی اس میں استفادہ کیا گیا ہے اور کتب تاریخ وغیرہ کے حوالہ جات کے متعلق ان مضامین میں دیئے ہوئے حوالہ جات پر ہی اعتماد کیا گیا ہے۔

آج کل علوم دینیہ اور مدارس دینیہ کی طرف سے مسلمانوں میں عام طور پر جو بے اعتنائی اور بے توجہی پائی جا رہی ہے وہ تو قابل شکایت ہے ہی مگر زیادہ تر افسوس اس کا ہے کہ اب بعض ایسے حضرات بھی دینی مدارس کو عموماً بے کار اور عضو معطل کی طرح ہی سمجھنے لگے ہیں جن کا ذہن دینی اور تبلیغی ہے، اور ان کے اکابر و اسلاف نے ہمیشہ ان مدارس دینیہ کی سرپرستی فرمائی اور اگر ان قدر خدمات انجام دی ہیں۔

اس کتابچہ کے پڑھنے کے بعد عہد نبوت اور زمانہ خلافت راشدہ سے لے کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستان پر تسلط کرنے تک عام مسلمانوں اور سلاطین اور امراء اسلام کے علوم دینیہ اور مدارس دینیہ کے ساتھ تعلق اور شغف کے حالات اور چیدہ چیدہ واقعات معلوم ہو کر ان حضرات کی غلط فہمی دور ہوگی، امید ہے کہ مدارس دینیہ کی طرف رغبت و شوق اور علوم دینیہ کے بقاء و تحفظ کی ضرورت اور اہمیت کا احساس پیدا ہوگا۔

ماظرین کو اس کتابچہ کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ قدیم زمانہ میں دینی مدارس کی ضروریات کے پورا کرنے کیلئے بڑی بڑی زمینیں وقف ہوتی تھیں اور امراء اسلام اس نیک مقصد کیلئے اپنی املاک کو وقف کرنا بڑی سعادت سمجھتے تھے، اسی لئے زمانہ قدیم میں دینی مدارس کیلئے تحصیل چندہ کا موجودہ طریقہ رائج نہ تھا۔

اور اس سے یہ سوال بھی حل ہو جائے گا کہ جب قدیم زمانہ سے دینی مدارس کی کفالت کا سامان بڑی بڑی جائیدادوں اور اوقاف کی آمدنیوں کی صورت میں موجود تھا تو پھر انگریزی حکومت کے دور میں مدارس دینیہ کے احیاء اور علوم دینیہ کے تحفظ و بقاء کیلئے تحصیل چندہ کا موجودہ طریقہ کیوں اختیار کیا گیا تھا، جس کو اس وقت عام طور پر سطحی نظر سے دیکھنے والے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں حالانکہ ابتداء اسلام میں جس وقت تک سلاطین اور امراء کے ایسے اوقاف معرض وجود میں نہیں آئے تھے جن سے دینی ضروریات کو پورا کیا جاتا تھا تو علوم دینیہ اور تمام امور خیر کی انجام دہی مسلمانوں کے عمومی چندہ سے ہی ہوتی تھی خود آنحضور سرور کائنات ﷺ نے بعض امور خیر کیلئے اصحاب خیر کو چندہ کی رغبت دلائی ہے اور آج بھی قومی اور ملکی ضروریات کیلئے چندہ کرنے کو نہ صرف یہ کہ عیب نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس کو بہت بڑی قومی اور ملکی خدمت سمجھا جاتا ہے، مگر افسوس کہ علوم دینیہ کیلئے تحصیل چندہ جس سے ”ملت اسلام“ کی حفاظت ہوتی ہے جو بنیاد ہے ”ملک اسلام“ کی حفاظت کی، شرفاء اسلام اور معززین قوم کی نگاہ میں خار ہے۔

چندہ کا رائج الوقت طریقہ تو شرفاء اسلام کی نگاہ میں قابل ترک ہے مگر وہ اس پر غور نہیں فرماتے کہ اگر یہ طریقہ اس وقت اختیار نہ کیا جاتا یا اب اس کو ترک کر دیا جائے تو ”دین“ اور ”علوم دینیہ“ کی حفاظت کی اس وقت اور کیا صورت تھی؟ یا اب کیا صورت ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ طریقہ اختیار کر کے علماء کرام نے ”ملت اسلام“ کو مٹنے سے بچالیا، کیا یہی وہ ”گناہ عظیم“ ہے جس کی پاداش میں علوم دینیہ کے حاملین اور ملت اسلامیہ کے ان محافظین قوم کی نگاہ میں عضو معطل کی طرح سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ گروہ اور دینی مدارس قوم پر بلا ہے کا ایک بوجھ ہیں اور ان پر قوم کا روپیہ خرچ کرنا اپنے سرمایہ کا ضائع کرنا ہے، فالہی اللہ المشتکی۔

بہر حال اس کتابچہ سے معلوم ہوگا کہ کن ضرورتوں اور مجبور کن حالات میں علماء کرام نے چندہ کے اس مروجہ طریقہ کو اختیار اور برداشت کر کے علوم دینیہ کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا تھا اور اب بھی اس فرض کی انجام دہی میں مشغول ہیں، یہ بات بھی اہل نظر کیلئے قابل غور ہے کہ کیا اب وہ اسباب اور حالات باقی نہیں رہے جن کی وجہ سے چندہ کا یہ مروجہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ احقر کی دینی مدارس کی اس مایہ ناز خدمت کو قبول فرما کر نافع اور مفید فرماویں، آمین۔ فقط

سید عبدالشکور رزمی عفی عنہ

خادم مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

۲۶ رمضان المبارک ۱۴۸۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً : قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما بعثت معلماً ،
”میں تو صرف معلم و استاذ کی حیثیت سے آیا ہوں۔“

نبی کریم ﷺ کے ارشاد دہا لاسے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت اور دنیا میں تشریف آوری کا مقصد ہی انسانی دل و دماغ میں ایسی دینی تعلیم کی روشنی کا پیدا کرنا ہے جس کے ذریعہ انسان دنیا میں اپنے مالک حقیقی خداوند عالم کی مرضی کے موافق زندگی بسر کر سکے اور وہ تعلیم انفرادی، اجتماعی، دنیاوی اور اخروی تمام حالات میں اس کی رہنمائی اور ہدایت کر سکے، اسلامی تعلیم کی اس ہمہ گیر جامعیت کے پیش نظر فطری اور طبعی طور پر اسلام میں تعلیم و تعلم، علم سیکھنے اور سکھانے کو جتنی اہمیت حاصل ہے اتنی کسی مذہب میں نہیں ہے اس اہمیت کا اندازہ لگانے کیلئے اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر حکومت اسلامیہ کے ترقی اور عروج کے زمانہ تک کے عام مسلمانوں کی اسلامی تعلیم کے ساتھ دلچسپی اور وابستگی کے چیدہ چیدہ مختصر حالات اور امراء اور حکام اسلام کی علوم دینیہ کے اندر سعی اور کوشش کے چند واقعات پر ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

عہد رسالت اور مکی زندگی

رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے بعد کی بارہ سالہ مکی زندگی میں صحابہ کرام اور مددگار ان رسول ﷺ پر اگرچہ رات دن حوادث و افکار کا جہوم رہتا تھا لیکن اس آزمائشی دور میں بھی جس قدر پرسکون لمحے مسلمانوں کو مل جاتے تھے ان میں بھی وہ قرآن پاک کی تعلیم کا خصوصی اہتمام کر لیا کرتے تھے اس دور کے ایسے تمام مقامات کو جن میں مسلمانوں نے (خواہ تھوڑے عرصہ کیلئے ہو) بیٹھ کر پڑھنے پڑھانے کا خصوصی انتظام کیا تھا، ہم ان کو ”دینی مدرسہ“ سے موسوم کرتے ہیں۔

مدرسہ صحیح ابو بکر رضی اللہ عنہ

سب سے پہلے جس مقام کو ہم اس دور میں تعلیم کا مرکز اور مدرسہ کہہ سکتے ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ چہرہ ہے جو آپ کے گھر کے سامنے تھا جس پر آپ نماز اور قرآن پڑھا کرتے تھے اور کفار کے لڑکے اور عورتیں آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور قرآن کو سنتے تھے۔ یہ بات کفار مکہ کو مارہوئی اور انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس جگہ کے چھوڑنے پر مجبور کیا (بخاری باب بدء الخلق)

مدرسہ دارالرقم

مکی زندگی میں ایسی خاص مرکزی جگہ جس میں مسلمان تعلیم کیلئے بلا روک ٹوک آتے جاتے ہوں اور

اس میں طلبہ کیلئے خورد و نوش، کھانے پینے اور قیام کا بھی انتظام ہو اس پریشانی اور بے سرو سامانی کے دور میں بظاہر اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا مگر حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جب ہم ارباب تاریخ و سیر کی ”دار ارقم“ کے متعلق بتلائی ہوئی تفصیلات کو دیکھتے اور پڑھتے ہیں، یہ مقام کوہ صفا کے دامن میں تھا جس میں رسول اللہ ﷺ تقریباً چالیس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ قیام پذیر تھے جن میں مرد اور عورتیں سب ہی شامل تھے اس گھر کے زمانہ قیام میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا اس مکان میں حضور ﷺ مع صحابہ کرام قیام پذیر تھے اور باقاعدہ تعلیم و تعلم میں مشغول رہے اور حضرت ابو بکر، حضرت حمزہ، حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام اس مکان میں رہتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے ان کا تعلیمی مشغلہ جاری تھا۔

اس مدرسہ ”دار ارقم“ کے نظام پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیان سے بھی روشنی پڑتی ہے ان کے فرمان کا ترجمہ حسب ذیل ہے :

مسلمان ہونے والوں کو ایک ایک دو دو کر کے رسول اللہ ﷺ کسی صاحب حیثیت کے پاس بھیج دیتے تھے اور یہ لوگ اس کے پاس رہ کر کھانا کھاتے تھے چنانچہ میرے بہنوئی کے گھر بھی دو آدمی موجود تھے ان میں سے ایک خباب بن ارت تھے، خباب میرے بہنوئی اور بہن کے پاس جا کر قرآن کریم کی تعلیم دیا کرتے تھے یہ ”مدرسہ دار ارقم“ حضرت عثمان بن ارقم کے مکان میں قائم تھا یہ مکان اس زمانہ میں ”دار ارقم“ کی بجائے اسلام کا مرکزی تعلیمی مقام ہونے کے وجہ سے ”دار الاسلام“ کے نام سے مشہور ہو گیا تھا (سیرت حلبیہ) مدرسہ دار ارقم کا نظام

اسلام کے ابتدائی دور کے اس مختصر مدرسہ کا نظام ناظرین کرام کے سامنے ہے کہ (۱) طلبہ کی تعداد چالیس کے لگ بھگ تھی (۲) یہی جگہ پڑھنے کی بھی تھی اور رہائش کی بھی (۳) طعام کا انتظام یہ تھا کہ طلبہ مالدار صحابہ کے گھروں پر بطور وظیفہ کے کھانا کھایا کرتے تھے۔

اس دور ابتلاء اور آزمائش کے زمانہ میں تعلیم کے اس قدر انتظام اور اہتمام سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام میں تعلیمی مراکز اور مدارس دینیہ کے قیام کی کتنی ضرورت اور اہمیت ہے، اس کے علاوہ مکہ معظمہ میں ہجرت کے قبل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی اور بہن کے مکان پر یعنی ”مدرسہ بیت فاطمہ“ میں حضرت خباب کے قرآن پڑھانے کا ذکر اوپر آچکا ہے، نیز ”مدرسہ شعب ابی طالب“ (جس میں رسول اللہ ﷺ نے مع اپنے ساتھیوں کے سن ۷ نبوی سے لے کر سن ۱۰ نبوی تک قریش مکہ کے ظالمانہ مقاطعہ کرنے کی وجہ

سے تین سال کا زمانہ اسارت گزارا ہے) وغیرہا میں بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا، اس کے نتیجہ میں فضلاء مکہ کی ایک جماعت تیار ہو گئی اور دوسرے مقامات پر بھی وہ تعلیمی کام کرنے لگی چنانچہ جب کفار مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر بعض صحابہ کرام کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی تو انہوں نے وہاں پر بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اس کو ”مدرسہ ارض حبشہ“ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

مدنی زندگی

اور حضرت رسول اللہ ﷺ نے اپنی ہجرت سے بھی پہلے تعلیم دینے کیلئے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ روانہ فرمایا، انہوں نے سعد بن خزارہ کے مکان پر تعلیم قرآن کا باقاعدہ سلسلہ جاری فرمایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معدودے چند کے علاوہ تقریباً تمام انصار مدینہ مسلمان ہو گئے اور اپنے بت توڑ دیئے اور جب حضرت مصعب رضی اللہ عنہ مدینہ سے لوٹ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو ان کا خطاب مقرر یعنی معلم پڑ چکا تھا (جمع الفوائد)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے پہلے مقرر استاذ کا لقب حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے نصیب میں تھا جس سے وہ معزز ہوئے اور انصار مدینہ کی ”مسجد بنی زریق“ میں حضرت رافع بن مالک اور ”مسجد بنی بیاضہ“ میں حضرت سعد بن خزارہ پڑھایا کرتے تھے اور ”دار سعد بن خثیمہ، نیز بنو نجار، بنو عبد اللہ، بنو ظفر اور بنی عمرو بن عوف“ وغیرہم کے محلوں میں حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے ہی تعلیمی مراکز اور مدارس قائم ہو چکے تھے، اور ”مدرسہ قبا“ کا تو ایک مستقل نظام تھا جو حضرت اقدس ﷺ کی ہجرت سے بھی پہلے ہی قائم ہو چکا تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے پہلے ہی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ہجرت کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور مہاجرین عموماً ”قبا“ ہی میں قیام پذیر ہوتے تھے۔

مدرسہ صفہ

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد مسجد نبوی کی بنا رکھی گئی اور حجرہ شریف کی پشت پر جانب شمال باب جبرئیل اور باب النساء کے درمیان ایک وسیع چبوترہ ”دکۃ الاغوات“ کے نام سے موسوم تھا اس پر جو حضرات فروکش ہوتے تھے وہ ”اصحاب صفہ“ کہلاتے تھے اور یہی چبوترہ کبھی اصحاب صفہ کا صفہ تھا یہاں پر طلبہ کا جھوم رہتا بعض اوقات سینکڑوں کی تعداد ہو جاتی، تمام اصحاب صفہ کی مجموعی تعداد چار سو تک پہنچتی ہے، مختلف اوقات میں اس صفہ کے طالب علموں کی تعداد اسی تک پہنچ جاتی تھی، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہ کام سپرد تھا کہ جو امداد اصحاب ثروت کی طرف سے ان طلبہ کیلئے آوے اس کی حفاظت کریں اور

بھٹہ مساوی اس کو ان پر تقسیم کر دیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ذمہ طعام کا انتظام ہوتا تھا، کھانے کے سلسلہ میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ کھجوروں کے گچھے مالدار صحابہ بھیج دیا کرتے تھے اور بعض مالدار صحابہ ان طلباء کو اپنے ساتھ لے جاتے اور انہیں کھانا کھلا دیتے، ان میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نہایت فیاضی سے کام لیتے تھے حتیٰ کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اسی طلباء کو اپنے ہمراہ گھر لے جا کر ان کو کھانا کھلاتے (زرقانی)

”جامعہ صفہ“ کے فاضلین ”قراء“ کہلاتے تھے، یہیں کے طلبہ نے دنیا میں اسلام کے علوم کو پھیلایا اور وہی حضرات باہر تعلیمی خدمات کیلئے بھیجے جاتے تھے۔ عہد رسالت میں ”جامعہ صفہ“ کے علاوہ مدینہ منورہ کے اندر دوسرے مدارس کا ذکر بھی علامہ سمہودی نے کیا ہے بعض کا ذکر اوپر اجمالی طور پر ہو چکا ہے۔

عہد خلافت راشدہ

عہد رسالت کے بعد خصوصیت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حجاز اور ہر اسلامی آبادی میں قرآن مجید کی تعلیم کیلئے مستقل حلقے اور مکاتیب قائم فرمائے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو دمشق شام کی جامع مسجد میں قرآن پاک کی تعلیم کیلئے مقرر فرمایا، ایک مرتبہ طلبہ کا شمار کرایا گیا تو معلوم ہوا کہ سولہ سو (۱۶۰۰) طالب علم ان کے حلقہ درس میں شریک ہیں (طبقات القراء للذہبی ص ۶۰۶)

قرآن مجید کے ساتھ ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درس حدیث کے حلقے بھی قائم فرمائے، اس کام کیلئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایک گروہ کے ساتھ کوفہ اور معقل بن یسار، عبداللہ بن معقل اور عمران بن حصین کو بصرہ اور عبادہ بن صامت اور ابوالدرداء کو شام میں مقرر فرمایا اور لوگوں کو تاکید کی کہ ان سے حدیث کی تحصیل کریں (ازالۃ الخفاء) علامہ ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو مکاتیب قائم کئے تھے ان میں معلمین کی تنخواہیں مقرر تھیں اور ہر معلم کو پندرہ پندرہ درہم بیت المال سے ملتے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان مدارس کو اور زیادہ وسعت حاصل ہوئی اور تمام ممالک مفتوحہ میں جا بجا مکاتیب اور مدارس قائم ہو گئے۔

عہد خلفاء و امراء اسلام

عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے بعد اسلامی آبادی اور فتوحات میں اضافہ ہونے کے ساتھ تعلیمی مکاتیب میں بھی ترقی ہوتی گئی یہاں تک کہ خلفاء و امراء اور ارباب ثروت نے اپنے اپنے گھروں پر بھی تعلیمی انتظام کیا اور کوئی قابل ذکر اسلامی آبادی ایسی نہیں ملتی جس میں درس و تدریس کا انتظام نہ ہو، تعلیم مفت ہوتی تھی غریب طلباء کے کھانے، کپڑے اور لکھنے پڑھنے کی ضروریات بغیر کسی معاوضہ کے پوری کی جاتی تھیں۔

عہد قدیم کے علمی حلقوں کی اب صرف دو یادگاریں باقی ہیں، پہلی ٹیونس کی ”جامع زیتون“ ہے جو تیسری صدی ہجری میں قائم ہوئی تھی، یہ درسگاہ اس زمانہ کے عام طرز کے مطابق ٹیونس کی جامع اعظم میں قائم ہے اور شروع سے اب تک خاص عظمت و شہرت کی مالک ہے۔ دوسری یادگاہ مصر کا ”جامع ازہر“ ہے، یہ عظیم الشان جامع مسجد فاطمی سلاطین مصر کے زمانہ کی یادگار ہے جامع ازہر کی تکمیل ۳۶۱ھ میں ہوئی ہے، مگر اس کی علمی زندگی کی ابتداء چوتھی صدی کے اواخر سے ہوئی ہے، مسجد کا وسیع صحن اور اندرونی حصہ قدیم طرز کے علمی حلقوں کی درسگاہوں کے طور پر کام آتا ہے، جامع ازہر اسلامی دنیا کی سب سے بڑی اور قدیم یونیورسٹی ہے جو ایک ہزار سال سے جاری ہے اور آج جبکہ تقریباً تمام قدیمی مدارس صفحہ ہستی سے محو ہو چکے ہیں یہ یونیورسٹی اپنی اسی قدیم شان و شوکت کے ساتھ باقی ہے، دس پندرہ ہزار طلبہ اس کے اندر تعلیم حاصل کرنے والے اور سینکڑوں اساتذہ اس میں تعلیم دینے کیلئے اس میں موجود رہتے ہیں۔

جامع ازہر کے مصارف و اخراجات کیلئے مصر کے مختلف سلاطین نے جو جاگیریں وقف کی ہیں ان کی سالانہ آمدنی لاکھوں پونڈ ہے ابھی قریبی زمانہ میں دوسری جنگ سے کچھ پہلے کی بات ہے کہ مصر کے سابق شاہ فاروق نے اپنی جیب خاص سے ساٹھ ہزار مصری پونڈ جامع ازہر کو عطا کئے تھے، حکومت کی سرپرستی اور اوقاف کی آمدنی کی بدولت آج بھی یہ جامع ازہر اپنے اقتدار اور عظمت کے لحاظ سے اس درجہ اونچا اور بلند ہے کہ ”شیخ الازہر“ کے منصب کو مصر کی وزارت عظمیٰ سے بڑھ کر سمجھا جاتا ہے۔

علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ ”مدرسے کے بانی اول اہل نیثاپور ہیں جہاں سب سے پہلے مدرسہ جہتیہ کی بنیاد ڈالی گئی“ (ج ۲ ص ۶۳) اور تاریخ فرشتہ میں ہے کہ ”۴۱۰ھ میں سلطان محمود غزنوی نے اپنے پایہ تخت غزنی میں ایک جامع مسجد عربوں الفلک کے نام سے تعمیر کروائی اور اس کے ساتھ ایک عظیم الشان مدرسہ بھی تعمیر کرایا تھا، مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ بھی تھا جو مال و موجود کتب سے معمور تھا، مسجد اور مدرسہ کے اخراجات کیلئے سلطان نے بہت سے دیہات کی آمدنی وقف کر دی تھی“۔

سلطان محمود کی اس مثال سے تھوڑے ہی دنوں میں غزنی کے اطراف و جوانب میں بے شمار مدرسے قائم ہو گئے اور سلطان کے فرزند سلطان سعود نے تو اپنے عہد سلطنت میں اس کثرت سے مدرسے قائم کئے کہ تاریخ فرشتہ کے بیان کے مطابق زبان ان کا شمار کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔ اسی زمانہ میں ابن خلکان کی روایت کے مطابق علامہ ابو اسحق اسفرائینی (المتوفی ۴۱۸ھ) کیلئے نیثاپور میں ایک مدرسہ قائم ہوا۔

ان مدارس کے قیام کے کچھ عرصہ کے بعد دولت سلجوقیہ کے مشہور علم دوست وزیر نظام الملک طوسی

(المتوفی ۱۸۵ھ) نے نیشاپور اور بغداد میں دو دارالعلوم قائم کئے، جن کو تاریخ کے اوراق میں ”نظامیہ“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس دارالعلوم کیلئے جو بغداد ۱۵۹ھ میں قائم ہوا تھا چھ لاکھ دینار (تیس لاکھ روپے) کی گرانقدر رقم تو شاہی خزانہ سے مقرر تھی اور نظام الملک نے خود اپنی جاگیر کا دسواں حصہ اس کیلئے وقف کر دیا تھا، طلباء کیلئے وظائف کا انتظام کیا گیا اور اساتذہ کیلئے پیش قرا مشاہیرے مقرر کئے گئے، نظام الملک نے نہ صرف نیشاپور اور بغداد ہی میں دارالعلوم قائم کئے بلکہ اس نے حکم دے دیا کہ تمام ملک کے اندر جس جگہ بھی کوئی ممتاز عالم موجود ہو وہاں اس کیلئے ایک مدرسہ اور مدرسہ کے ساتھ ایک کتب خانہ قائم کر دیا جاوے، چنانچہ اس کے زمانہ میں ہزاروں مدارس اور کتب خانے قائم ہوئے۔ اس کے قبل سلطان محمود غزنوی اور اس کے بیٹے سلطان مسعود غزنوی نے اپنے اپنے عہد میں بکثرت مدرسے قائم کئے تھے، نظامیہ کے قیام سے قبل بھی اسی نیشاپور میں سعیدیہ اور بہیقیہ کے نام سے دو بڑے دارالعلوم موجود تھے، سعیدیہ سلطان محمود غزنوی کے بھائی امیر نصر نے قائم کیا تھا، امام الحرمین (امام غزالی کے استاذ) نے بہیقیہ میں تعلیم پائی تھی جب نظامیہ قائم ہوا تو امام الحرمین کو اس کا صدر بنا دیا گیا، امام غزالی جیسے یکتائے زمانہ نظامیہ کے خوشہ چینوں میں ہیں۔

نظامیہ کے علاوہ بغداد میں تیس اور بڑے بڑے دارالعلوم قائم تھے جن کے متعلق علامہ ابن جریر نے لکھا ہے کہ ”ہر مدرسہ بجائے خود ایک مستقل آبادی معلوم ہوتا ہے۔“

اور نظام الملک کے بعد خلیفہ المستنصر باللہ عباسی نے بغداد میں ۶۳۱ھ میں ایک دارالعلوم ”المستنصریہ“ کے نام سے قائم کیا طلباء کے قیام و طعام، کاغذ، قلم، دوات وغیرہ اشیاء بھی مدرسہ سے ملتی تھیں اس کے علاوہ ایک ایک دینار (تقریباً پانچ روپے) ہر طالب علم کو ماہانہ وظیفہ ملتا تھا، خلیفہ المستنصر باللہ نے ان مصارف کیلئے جو وقف کیا تھا اس کی آمدنی آج کل کے حساب سے تقریباً چار لاکھ روپیہ سالانہ تھی۔

ہندوستان

ہندوستان میں اسلامی حکومت کا مستقل قیام ساتویں صدی ہجری کے شروع میں قطب الدین ایبک ۶۰۲ھ، ۶۰۶ھ سے شروع ہوتا ہے اس پر بمشکل ایک صدی گزری تھی کہ ہندوستان علوم و فنون کا گہوارہ بن چکا تھا، علامہ مقریزی نے کتاب الخطط میں سلطان محمد تغلق کے زمانہ کی دہلی کی نسبت لکھا ہے کہ ”سلطان محمد تغلق کے عہد میں دہلی کے اندر ایک ہزار اسلامی مدارس قائم تھے جن میں مدرسین کیلئے شاہی خزانہ سے تنخواہیں مقرر تھیں تعلیم اس قدر عام تھی کہ کنیریں تک حافظ قرآن اور عالمہ ہوتی تھیں، فیروز شاہ تغلق کے تعمیر کرائے ہوئے ”مدرسہ فیروز شاہی“ کے متعلق ضیاء برنی نے لکھا ہے ”مدرسہ کی عمارت نہایت وسیع ہے اور

ایک بہت بڑے باغ کے اندر تالاب کے کنارے پر واقع ہے ہر وقت سینکڑوں طلبہ اور علماء و فضلاء یہاں موجود رہتے ہیں، باغ کے کنجوں میں سنگ مرمر کے فرش پر نہایت آزادی کے ساتھ علمی مشاغل میں منہمک نظر آتے ہیں۔ عالمگیر اور نگ زیب کے عہد کے متعلق ایک مغربی سیاح نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے ”سندھ کے ایک مشہور شہر ٹھٹھہ میں مختلف علوم و فنون کے چار سو مدرسے قائم تھے۔“

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی فرماتے ہیں کہ نواب نجیب الدولہ کی سرکار سے نو سو علماء کو وظائف ملتے تھے (ملفوظات) روہیل کھنڈ جیسے غیر معروف خطہ میں پانچ ہزار علماء مختلف مدارس میں درس دیتے تھے اور حافظ رحمت علی خان کی ریاست سے تنخواہ پاتے تھے۔ مختصر یہ کہ ہر زمانہ میں مسلمانوں نے علم کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اور سلاطین اور امراء بھی علمی فیاضی اور علماء و طلباء کی خدمت کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کو نجات اخروی کا ذریعہ سمجھتے تھے سلاطین اور امراء کی جانب سے علماء اور طلباء کیلئے جائدادیں وقف تھیں ان کی آمدنی ان کے خورد و نوش اور تعلیمی مصارف کیلئے کفیل تھی اور اس طرح ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک تمام تعلیم عام اور مفت ہوتی تھی اور علماء اور طلباء بھی اپنے اپنے متعلقین کیلئے کسب معاش سے مطمئن ہو کر فراغت و سکون خاطر کے ساتھ درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے نہ تو منتظمین مدارس کو چندوں کی اپیل کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی نہ ہی طلباء کو دست نگر سمجھ کر طالب علمی کو عزت نفس کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے آنے سے پہلے تک یہی نظام تعلیم جاری تھا، دہلی، آگرہ، لاہور، ملتان، جوہپور، لکھنؤ، خیر آباد، پٹنہ، اجمیر، سورت، دکن، مدراس، بنگال اور کجرات وغیرہ کے بہت سے مقامات علم و فن کے مرکز تھے صرف ایک صوبہ بنگال کے متعلق انگریز مصنف کبیری ہارڈی نے نیکس مولر کے حوالہ سے یہ کیفیت بیان کی ہے ”انگریزی عملداری سے قبل بنگال میں اسی ہزار مدارس تھے“ اس طرح ہر چار سو آدمیوں پر ایک مدرسہ کا اوسط لگتا ہے، اسی صوبہ بنگال میں سلاطین و امراء نے مدارس کیلئے جو جائدادیں وقف کی تھیں ان اوقاف کا مجموعی رقبہ ستر جیمین گرانٹ کے بیان کے مطابق بنگال کے چوتھائی رقبہ سے کم نہ تھا، اوقاف کے علاوہ سلاطین و امراء وظائف کے ذریعہ سے بھی اہل علم کی اعانت کرتے تھے۔

مدارس اور درسگاہوں کا ملک میں پھیلا ہوا یہ عظیم الشان سلسلہ کیونکر ٹوٹا اور یہ مدارس و مکاتب کیونکر تباہ کئے گئے اس سوال کے جواب کیلئے بارہویں صدی ہجری اور اٹھارہویں صدی عیسوی کی ہندوستانی سیاسی تاریخ کا جائزہ ضروری ہے۔

ہندوستانی سیاسی تاریخ

ایسٹ انڈیا کمپنی جو ابتداء میں صرف تجارتی اغراض و مقاصد کے لئے ہندوستان میں داخل ہوئی تھی ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی مشہور جنگ نے اس کو ایک نئی اور زبردست طاقت میں تبدیل کر دیا یہ نئی طاقت جس زمانہ میں ظہور پذیر ہوئی اس وقت بدقسمتی سے ہندوستان کی مرکزی طاقت پارہ پارہ ہو چکی تھی اور ملک میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا ہندوستان کی اسی سیاسی کمزوری سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا اور وہ آہستہ آہستہ اپنی دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں سے ملک پر قابض ہوتی چلی گئی تا آنکہ انیسویں صدی عیسوی کے اوائل تک پنجاب کے علاوہ پورے ہندوستان پر اپنا تسلط قائم کر لیا پرانے قانون اور قدیم نظام تعلیم و تہذیب کو منسوخ کر دیا جن قدیم مصارف کیلئے سلاطین و امراء نے طویل مدت سے بڑے بڑے اوقاف مقرر کئے تھے (جن کی کچھ تفصیل اور راق گزشتہ میں گزر چکی ہے) کمپنی کی حکومت نے ان تمام اوقاف کو ۱۸۳۸ء میں ضبط کر لیا و طائف حکومت کی تہذیبی کے ساتھ ہی موقوف ہو چکے تھے اس وقت تعلیم کا تمام تر دار و مدار ان ہی اوقاف پر تھا جو اس مقصد کیلئے مخصوص کئے گئے تھے۔

ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے جو بنگال میں ایک بڑے سول عہدہ پر فائز تھا ۱۸۷۱ء میں ”ہمارے ہندوستانی مسلمان“ نامی کتاب لکھ کر اس سلسلہ کے تاریخی حقائق کو سرکاری کاغذات سے واشگاف کیا ہے، ہنٹر لکھتا ہے کہ ”صوبہ بنگال پر جب ہم نے قبضہ کیا تو اس وقت کے قابل ترین افسر مال جیمز گرانٹ کا بیان ہے کہ اس وقت صوبہ کی آمدنی کا تخمینہ ایک چوتھائی حصہ جو معافیات کا تھا حکومت کے ہاتھ میں نہیں تھا“ ۱۷۷۲ء میں وارن ہسٹنگز نے اور ۱۷۹۲ء میں لارڈ کالونو اس نے ان معافیات کی واپسی کی مہم شروع کی مگر کامی رہی، ۱۸۱۵ء میں حکومت نے پھر اس معاملے کو زور سے اٹھایا مگر عمل کی جرأت نہ ہو سکی، آخر ۱۸۳۸ء میں ۸ لاکھ پونڈ کے خرچ سے مقدمات چلا کر ان معافیات اور اوقاف پر حکومت نے قبضہ پالیا، صرف ان معافیات کی آمدنی سے حکومت کی آمدنی میں تین لاکھ پونڈ یعنی تقریباً ۲۵ لاکھ روپے کا اضافہ ہو گیا۔

اس کارروائی کا مسلمانوں کی علمی زندگی پر کیا اثر پڑا، اس کی نسبت ہنٹر لکھتا ہے کہ ”سینکڑوں پرانے خاندان تباہ ہو گئے اور مسلمانوں کا تعلیمی نظام جس کا دار و مدار ان ہی معافیات پر تھا تہ و بالا ہو گیا، مسلمانوں کے تعلیمی ادارے ۱۸ سال کی مسلسل لوٹ کھسوٹ کے بعد یک قلم مٹ گئے۔“

اندازہ کیجئے جب ایک دو رافتاہ صوبہ بنگال میں جس کو اس زمانہ کے لحاظ سے کوئی خاص تعلیمی فوقیت اور مرکزیت حاصل نہ تھی تعلیمی اخراجات کیلئے پینتالیس لاکھ روپے سالانہ آمدنی کے اوقاف موجود تھے تو ہندوستان کے

دوسرے صوبوں میں بالخصوص ان مقامات میں جن کو تعلیمی مرکزیت اور تفوق حاصل تھا کس قدر اوقاف ہوں گے؟۔ اوقاف کی ضابطی نے مسلمانوں کے نظام تعلیم پر ایک کاری ضرب کا کام کیا علماء اور اساتذہ جو اب تک ان ہی اوقاف کی آمدنی کی بدولت فکر معاش سے مطمئن اور بے فکر ہو کر درس و تدریس میں مصروف تھے وہ منتشر اور پراگندہ ہو گئے، مدارس اور درسگاہوں پر سناٹا چھا گیا، چنانچہ برک اپنی اس یادداشت میں جو برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کی گئی تھی لکھتا ہے ”ان مقامات میں جہاں علم کا چہ چا تھا اور جہاں دور دور سے طالب علم پڑھنے کیلئے آتے تھے آج وہاں علم کا بازار ٹھنڈا پڑ گیا۔“

مگر ان حوادث زمانہ اور گردش ایام کے باوجود بھی ہندوستان میں کچھ ایسے سخت جان علماء موجود تھے جن کا علمی فیضان کسی مالی اعانت و امداد کا چنداں محتاج نہ تھا، دہلی میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کا خاندان اور لکھنؤ میں ملا نظام الدین کا گھرانہ اور خیر آباد کا مشہور علمی خانوادہ سینکڑوں میں چند ممتاز مثالیں ہیں، ایسے حضرات ہر قسم کے حوادث و مصائب کو برداشت کر کے اپنے کام میں مصروف اور علمی خدمت میں ہمہ تن لگے ہوئے تھے کہ ۱۸۵۷ء کی دواگیر کا قیامت خیز ہنگامہ پیش آ گیا گئے چنے جو علماء باقی رہ گئے تھے ان پر برطانوی گورنمنٹ نے بغاوت کا جرم عائد کر دیا ان میں سے بعض کو پھانسیاں دی گئیں بعض کالے پانی بھیج دیئے گئے اور کسی کو جلاوطن کر دیا گیا جو بچے ان میں سے اکثر ممالک اسلامیہ کی طرف ہجرت کر گئے، حضرت شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی جو اس وقت ولی اللہی مسند علم کے جانشین تھے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے۔

۱۸۳۸ء میں اوقاف کی ضابطی نے جو قدیم مدارس کو نقصان عظیم پہنچایا تھا انیس سال کے بعد ۱۸۵۷ء کے حادثے نے اس کی تکمیل کر دی اب رہا سہا تعلیمی نظام بھی درہم برہم ہو گیا قدیم مدارس اور مذہبی تعلیم کے ذرائع آمدنی اور اس کے متعلقہ لاکھوں روپیوں کے ان اوقاف کے تباہ اور برباد کرنے کے علاوہ (جن پر مذہبی تعلیم کا دارومدار تھا) کمپنی کی حکومت کو ۱۸۱۳ء کے ایک قانون کے ذریعہ یورپ کے پادریوں کو ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کیلئے مشن اسکول کھولنے کا موقع ہاتھ آ گیا، پادریوں کی سرگرمیاں جاری تھیں مشن اسکول کھولے جا رہے تھے جن میں حصول تعلیم کیلئے سہولتیں مہیا کی جا رہی تھیں کمپنی کے حکام پشت پناہ تھے اور ہر قسم کی لہذا و اعانت بہم پہنچاتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ملازمتوں کا لالچ تھا، دوسری طرف کمپنی کی سکیم یہ تھی کہ ہندوستان کے بسنے والوں بالخصوص مسلمانوں کو مفلس بنا کر اور ملازمتوں کے حصول کی ترغیب دلا کر مشن اسکولوں میں تعلیم پانے پر مجبور کر دیا جاوے جو اس وقت عیسائیت کی تبلیغ کیلئے سب سے بڑے ذریعے سمجھے جاتے تھے۔

اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹیں مسلمانوں کے علوم اور ان کا دینی شعور اور مذہبی شغف تھا اس لئے ۱۸۳۵ء کا تعلیمی نظام مرتب کیا گیا جس کی روح اور مقصد لارڈ میکالے (جو کہ ۱۸۳۵ء کی تعلیمی کمیٹی کے صدر تھے) کے نزدیک یہ ہے: ”وہ لکھتا ہے ”ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہئے جو ہمارے اور ہماری رعایا کے درمیان مترجم کا کام دے سکے اور ایسی جماعت ہونی چاہئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق، رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو“۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کمپنی کی سکیم اور اس کا یہ نظام تعلیم مسلمانوں کی مذہبی زندگی، قومی روایات اور علوم و فنون کیلئے سخت تباہ کن اور مہلک ترین حربہ تھا اسی دوران میں ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ پیش آ گیا جس کی بے پناہ تباہ کاریوں ہولناکیوں نے دلوں کو ہیبت زدہ، دماغوں کو مایوس اور روحوں کو پشیمردہ اور پوری قوم کو مغلوب کر دیا، حالت یہ ہو گئی تھی کہ مسلمانوں کو ذرائع معاش سے یکسر محروم کر دیا گیا تھا، تعلیم سے بے رغبتی اور مذہب سے بیگانگی میں روز افزوں ترقی اور اضافہ ہو رہا تھا اور یہ وقت قریب تھا کہ علماء کی وہ نسل جو سابقہ درسگاہوں کی تعلیم یافتہ اور مذہبی شعور و احساس اپنے اندر رکھتی تھی رفتہ رفتہ ختم ہو جائے، ایسے حالات تھے جن کی وجہ سے ملک کے ارباب علم و فضل نے یہ محسوس کیا کہ سیاسی زوال و انحطاط اور حکومت سے محرومی کے ساتھ اب مستقبل میں مسلمانوں کا علم اور مذہب اور قومی زندگی بھی سخت خطرہ میں ہے ان کی دور بین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ فاتح قوم کے اثرات اور اس کے خصائص مفتوح قوم کے دل و دماغ اور علم و فکر پر اثر انداز ہو کر اس کے ملی شعائر، قومی خصائص اور فکر و عمل کی صلاحیتوں کو مٹا کر رکھ دیں گے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ اسلامی روایات اور اسلامی طور و طریقہ سے نفرت کرنے لگے گی اور اس کیلئے صرف فاتح قوم کی نقالی اور کورانہ تقلید و اتباع ہی سرمایہ افتخار و اعزاز بن کر رہ جائے گی اس وقت مذہبی تعلیم کے سوا اور کوئی چیز فائدہ مند اور کارگر نہ تھی جس سے اس خطرہ کا سدباب ہو سکے، ایک یہی ایسی چیز تھی جس کے ذریعے سے مسلمان اپنے مذہبی شعائر اور قومی خصائص کا تحفظ کر سکتے تھے اور مغلوب و محکوم ہونے کے باوجود وہ بحیثیت مسلمان قوم کے زندہ رہ سکتے تھے اسی لئے اس وقت علماء کرام اور مذہبی رہنماؤں نے گرد و پیش کے غیر مساعد حالات اور زمانہ کے دنیوی تقاضوں سے بے نیاز ہو کر فاتح قوم کے ارادوں اور سکیموں کے علی الرغم مسلمانوں کو اسلامی علوم و فنون کی تعلیم کی طرف زیادہ توجہ دلائی جس کے ذریعہ ان میں آئندہ مذہبی شعور کو برقرار رکھا جاسکتا تھا، اور اس کیلئے قدیم مذہبی مدارس کی ”نشأۃ ثانیہ“ کو ضروری سمجھا گیا اور اس مقصد کے حصول کیلئے مدارس عربیہ قائم کئے گئے۔

مدارس عربیہ کی نشأۃ ثانیہ کا یہ کام ایسے ماحول اور دور میں شروع ہوا جب کہ قوم مسلم بحیثیت قوم

مفلس و نادار اور حکومت منسلطہ کی دست نگر تھی اور وہ تمام اوقاف وغیرہ پہلے ہی ضبط کر لئے گئے تھے جن پر دینی تعلیم کی کفالت کھدا تھا اسی مفلسی اور ناداری سے متاثر ہو کر بعض ہمدردان قوم نے محض دنیوی خیر خواہی کو مد نظر رکھتے ہوئے حکومت منسلطہ کی زبان اور علوم و فنون کے پڑھنے کو ضروری سمجھانا کہ اس کے ذریعہ سے ملک میں منصب و عہدے بھی حاصل کئے جاسکیں اور اس سے معاشی ضروریات بھی پوری کی جاسکیں، اسی لئے انہوں نے اس مقصد کیلئے لارڈ میکالے کی تجویز کردہ تعلیمی سکیم کی ہمنوائی کرتے ہوئے ایسے سکولوں اور کالجوں کی طرف رخ کیا جن کی ڈگریوں اور سرٹیفکیٹوں کے حصول پر ہی ملازمتوں اور عہدوں کے ملنے کا دارومدار تھا۔

مگر اس کسمپرسی بے بسی اور بے سروسامانی کی حالت میں بعض اہل دل اللہ والوں کے قلوب میں مدارس دینیہ کے احیاء کا داعیہ پیدا ہوا اور ایک مرد حق آگاہ اور درویش کامل عالم ربانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ السامی نے ۱۸۶۷ء میں تو کلا علی اللہ دیوبند ضلع سہارنپور کی تاریخی مسجد چھتہ میں ”دارالعلوم“ کی بنیاد رکھ دی اور تعلیم و تبلیغ کا نبوی نظام پھر سے قائم کر دیا۔

الحمد للہ ایک مسجد میں شروع ہونے والا یہ دارالعلوم بہت جلد دنیاۓ اسلام کی بہت بڑی دینی درسگاہ بن گئی اور دور و دراز ممالک اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے نہ صرف یہ کہ لوگ جوق جوق علوم دینیہ اور فنون علمیہ کے حاصل کرنے کیلئے یہاں جمع ہونے لگے بلکہ ملک کے کونے کونے شہر شہر قریہ قریہ میں اس کی شاخیں قائم ہو گئیں اور شجرہ طوبی کی شاخوں کی طرح ہر طرف پھیل گئیں، اس دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل حضرات میں سے بہت سے حضرات آسمان علم پر مہر و ماہ کی طرح چمکے، جیسے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ وغیرہم، ان میں سے صرف حضرت تھانوی کی دینی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ پرانے قصبہ تھانہ بھون کی پرانی مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر اس زندہ دل مرد درویش نے اصلاح امت کیلئے تعلیمی اور تبلیغی کتنا عظیم الشان کام کیا ہے حضرت والا کی تقریباً نو سو تصنیفات و تالیفات مواعظ اور ملفوظات کے اوراق کو اگر آپ کے ایام زندگی پر پھیلا لیا جائے تو اوراق کی تعداد ایام زندگی سے بڑھ جاتی ہے۔

ہندوستان میں ان دینی مدارس سے کیسے کیسے علماء حق پیدا ہوئے اور انہوں نے مذہب و ملک کی کیا کیا گرانقدر خدمات انجام دیں یہ ہمارے موضوع میں داخل نہیں اس وقت صرف اتنی بات کا عرض کر دینا ضروری سمجھا گیا کہ علماء حق نے یہ دینی مدارس ایسے وقت میں قائم کئے جس وقت ان مدارس کے نظام تعلیم و تبلیغ کو نہ کسی حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اور نہ قومی خزانے کی پشت پناہی اور نہ ملک کے لاکھوں

روپیوں کی اوقاف کی آمدنی سے ان کو لدا حاصل ہوتی تھی بلکہ یہ نظام بظاہر صرف ملک کے دینی شعور و احساس رکھنے والے اہل خیر کی مالی امداد و تعاون اور قومی چندوں سے چل رہا تھا اور یہ درحقیقت بے سرو سامانی اور محض اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر اس نظام کی بنیاد تھی غرضیکہ قومی چندے کا طریقہ مروج کیا گیا اور اس پر ملک میں جا بجا مدارس قائم کر دیئے اس وقت سے یہ نیا نظام مدارس جاری ہو گیا۔

علماء نے قوم کے سامنے دست سوال دراز کیا مدارس کیلئے چندے مانگے ہر طرح کے طعنے سننے کئی قسم کے اعتراضات برداشت کئے مگر تعلیم مذہب کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور فاتح قوم انگریز کے منصوبے کو کامیاب نہ ہونے دیا، مدارس نے نہ صرف یہ کہ کمپنی کی تجویز کردہ لامذہب بنانے والی مذکورہ تباہ کن سکیم اور مہلک ترین حربہ کی زد سے علم و مذہب کو بچالیا اور عیسائیت کے تیز و تند طوفان اور بڑھتے ہوئے سیلاب عظیم کی لپیٹ سے محفوظ کر لیا بلکہ مسلمانوں کو بحیثیت قوم مسلم کے مٹنے اور ختم ہونے سے بھی بچالیا ورنہ یہ نظام تعلیم اور مشن اسکول اور عیسائیت کی اشاعت کیلئے پادریوں کی سرگرمیاں جس کے پیچھے حکومت وقت کی بے پناہ قوت کام کر رہی تھی ہندوستان کے مسلمانوں کو اسی طرح اپنی لپیٹ میں لے لیتے اور ہندوستان کے مسلمانوں کا وہی حال ہو جاتا جس طرح اسپین کے مسلمانوں کا حال ہو چکا تھا کہ وہاں کی عیسائی حکومت کی بدولت وہاں کے تمام باشندے عیسائی ہو چکے تھے (نعوذ باللہ منہ)

ان مدارس کا ملت و مذہب اور قوم مسلم کو انگریزوں کے حملوں سے بچالینا ہی کیا ایسا ناقابل معافی جرم عظیم ہے جس کی پاداش میں سب سے بڑی اسلامی سلطنت پاکستان کے بسنے والے بعض طبقے یہ کہتے نہیں جھکتے کہ تعلیم جدید کے اس دور میں دینی مدارس کا کیا فائدہ ہے ان پر قوم کی دولت اور وقت کیوں ضائع کیا جا رہا ہے؟ قوم کے ان ہمدردوں اور رہی خواہوں سے کیا یہ عرض کیا جاسکتا ہے کہ اگر ان مدارس کو قائم نہ کیا جاتا اور لارڈ میکالے کا مرتب کردہ نظام تعلیم اور عیسائیت کی تبلیغ کیلئے حکومت منسلطہ کی مساعی کے سامنے علماء حق بھی گھٹنے ٹیک دیتے اور بڑے بڑے منصبوں، عہدوں اور تنخواہوں کے لالچ میں آ کر انگریزی اسکولوں اور کالجوں کا رخ کر لیتے تو کیا ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزی دور کے تقریباً سو سالہ زمانہ میں مذہب کے تحفظ اور اس کے بقاء کی کوئی صورت باقی رہ گئی تھی۔

غور فرمایا جائے کہ جب مذہب ہی باقی نہ رہتا اور مسلمانوں کو بحیثیت قوم مسلم کے ختم کر کے عیسائیت اور لادینیت میں جذب کر لیا جاتا تو پھر پاکستان کے مطالبہ کرنے اور اس کی عمارت قائم کرنے کیلئے مسلم قومیت کا بنیادی نظریہ کہاں سے دستیاب ہوتا۔

یہ مدارس اسلامیہ کیا اسی لئے بے ضرورت ہیں اور ان پر قوم کی دولت اور وقت کا خرچ کرنا قومی سرمایہ کا ضیاع ہے کہ ان مدارس نے ”مسلم قومیت“ کا تحفظ کیا اور اس کو حکومت وقت کی پوری کوشش کے باوجود مٹنے نہیں دیا، جس کے نتیجہ میں دنیا نے اسلام کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت پاکستان قوم مسلم کو خداوند قدوس کی طرف سے عطا کی گئی ہے، مگر ہم نے اس کی قدر نہیں کی اور اس میں اسلامی نظام جاری نہیں کیا جس کی وجہ سے اس کا ایک بہت بڑا حصہ علیحدہ ہو گیا اور باقی حصہ بھی خطرہ میں ہے، جس قوم کو ان مدارس کی مساعی جمیلہ کی بدولت اتنی عظیم الشان حکومت حاصل ہوئی ہو اور جو مدارس حکومت کی بنیاد ”مذہب“ کے محافظ ہوں کیا اس قوم کا سرمایہ ان مدارس پر صرف کرنا بے فائدہ اور ضائع کرنا ہے؟

یا درکھئے جس طرح دینی مدارس سے مذہب اور اسلامی قومیت کی حفاظت ہوتی ہے اسی طرح ملک کی حفاظت اور اس کے استحکام کا دار و مدار بھی ان ہی مدارس پر ہے اور جس طرح مطالبہ پاکستان کیلئے مسلم قومیت اور مذہب اسلام مستحکم اور مضبوط چٹان کی طرح ثابت ہوئے جو ان سے نکلایا پاش پاش ہو گیا اسی طرح آج بھی پاکستان کے بقاء اور استحکام کیلئے ان کو وہی حیثیت اور مقام حاصل ہے جس کا ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں مشاہدہ بھی ہو چکا ہے۔

اور اسلام اور مسلم قومیت کے بقاء اور حفاظت کی ضامن چونکہ صرف یہی دینی تعلیم ہے جو مدارس دینیہ میں حاصل ہوتی ہے اس لئے جتنی اہمیت اور ضرورت انگریزی دور میں دینی مدارس کے قیام اور بقاء کی تھی اس سے بڑھ کر ان مدارس کی آج پاکستان میں ضرورت ہے، اس لئے کہ یہ مدارس جس طرح ملت اسلام اور دینی تعلیم کی حفاظت کے واسطے مضبوط قلعے ہیں اسی طرح ملک پاکستان کو اغیار کے حملوں سے بچانے کیلئے بھی یہ مستحکم مورچے اور اڈے ہیں۔

ان مدارس کی طرف سے غفلت برتنا اور حسب استطاعت ان کی ترقی میں حصہ نہ لینا ملت اسلام اور ملک پاکستان دونوں کی بنیاد سے بے پرواہی برتنے اور چشم پوشی کرنے کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ملت اسلام اور ملک پاکستان کے پاسبان و محافظ، ان مدارس دینیہ کی امداد و حفاظت اور ان کے ساتھ تعاون کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں آمین۔

وما علینا الا البلاغ المبین واخرد عوانا ان الحمد لله رب العلمین۔

۱۴ رمضان المبارک ۸۶ھ

حضرت اقدس مفتی سید عبدالشکور رزمی رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدارس دینیہ

اور ان کا نظام تعلیم

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی کیں راہ کتومی روی پترکستان است
سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینے کی ضرورت ہے کہ ملک کے طول و عرض میں جو مدارس دینیہ
پھیلے ہوئے ہیں اور ان میں درس نظامی زیر تعلیم ہے ان مدارس کا مقصد کیا ہے؟
مدارس دینیہ کا مقصد

ان مدارس کا اصل مقصد یہ ہے کہ ان کے ذریعہ دین اسلام کی تعلیمات اور احکامات کا علم حاصل کیا
جائے اور علوم اسلامیہ قرآن و سنت اور فقہ و تفسیر میں کامل مہارت اور دین میں تفقہ کا معیاری درجہ حاصل کیا
جائے، اس لئے ان مدارس میں ایسے ہی علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی ہے جو قرآن و سنت اور فقہ و تفسیر میں
مہارت و کمال پیدا کرنے اور تفقہ کا معیاری درجہ حاصل کرنے کیلئے ضروری یا مفید ہیں۔

مسائل و احکام کے صرف معلوم کرنے کو ہی تفقہ نہیں کہا جاتا اور بہت سے معلومات جمع کرنے کا
نام معیاری درجہ کا علم نہیں ہوتا بلکہ تفقہ اس سے آگے کی چیز ہے جو قرآن و سنت میں حذاقت و بصیرت حاصل
ہو کر ایسی مہارت نامہ حاصل ہو کہ ہر حکم اور مسئلہ کو دلائل صحیحہ اور اصول عربیت سے ثابت کیا جاسکے۔

مدارس دینیہ میں قرآن و سنت اور فقہ و تفسیر کے علاوہ جتنے بھی علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی ہے وہ انہی
میں کمال و مہارت پیدا کرنے کیلئے دی جاتی ہے، اس لئے اصل علوم مقصودہ یہی تین علوم قرار پائے اور ان کو
علوم عالیہ کا درجہ حاصل ہے اور باقی علوم و فنون ان علوم عالیہ کے اسباب و آلات کے درجہ میں علوم عالیہ کہلاتے
ہیں جو ان علوم عالیہ کے سمجھنے اور ان میں مہارت حاصل کرنے کے ذریعہ اور وسیلہ کے طور پر درس نظامی میں
شامل ہیں، مگر یہ سمجھ لینے کی بات ہے کہ ان فنون کو بطور فن کے داخل نصاب نہیں کیا گیا بلکہ علوم عالیہ کیلئے ممد
و معاون اور مفید ہونے کی حیثیت سے داخل کیا گیا ہے، اس لئے ان فنون کی اتنی ہی مقدار داخل نصاب کی گئی
ہے جس قدر کہ ان علوم عالیہ کے فہم اور ان میں مہارت کیلئے درکار تھی۔

قرآن و سنت کے احکام کو صرف اس کے ترجمہ دیکھ یا پڑھ لینے سے پوری طرح نہیں سمجھا جاسکتا جب تک کہ ہر ہر لفظ مفردات اور مرکبات کے مفہوم کو اصول عربیت کے مطابق شرح صدر کے ساتھ اس طرح نہ سمجھ لیا جائے کہ اس پر وارد ہونے والے ہر قسم کے شکوک و شبہات کو اصول صحیحہ سے دلائل کے ساتھ دفع کر سکے، ایسی معیاری قابلیت حاصل کئے بغیر کسی مفہوم کے یقینی اور پختہ ہونے کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہو سکتا۔

بہر حال قرآن وحدیث کی زبان چونکہ عربی ہے اور ان کو سمجھنا اور وہ بھی استدلالی طریقہ سے سمجھنا ضروری ہے اس لئے علم لغت کے ساتھ علم صرف و نحو اور بلاغت کی تعلیم بھی درس نظامی میں ضروری قرار پائی، علم صرف سے مفرد لفظوں میں تبدیلی بیانات اور صیغوں کے بدلنے سے جو مفہوم میں تفاوت اور معنی میں تبدیلی ہوتی ہے اس کا علم حاصل ہوگا اور ایسے قواعد حاصل ہوں گے جن سے ان تبدیلیوں کی وجوہات معلوم ہو کر استدلالی طور پر ثابت کیا جاسکے گا کہ لفظوں میں تبدیلی سے معنی میں تفاوت کیوں پیدا ہوا۔

علم نحو سے مرکبات یعنی ایک لفظ کے دوسرے لفظ سے تعلق کے سبب سے جو مفہوم میں تبدیلی ہوتی ہے اس تعلق کا علم ہوگا، علم نحو کے بغیر نہ تو استدلالی اور صحیح تعلق معلوم ہو سکے گا اور نہ ہی غلط معنی کرنے والے کی غلطی دلائل کے ساتھ واضح کی جاسکے گی۔

فن بلاغت یعنی معانی و بدیع کے ذریعہ الفاظ کے مقدم و مؤخر ہونے اور ان کی مختلف ہیئتوں اور شکلوں اور بعض الفاظ کے کم و بیش ہونے اور ایک مضمون کو مختلف تعبیروں کے ساتھ ادا کرنے اور طرح طرح کی تشبیہات واستعارات اور عجیب عجیب صنعتوں اور رعایتوں سے کلام کا حسن خصوصاً قرآن کریم کا اعجاز معلوم ہوتا ہے اس فن کے قواعد سے یہ حسن کلام دلیل کے ذریعہ اور استدلالی طریقہ سے حاصل ہوگا۔

درس نظامی میں ان تینوں علوم کی تو مستقل کتابیں داخل ہیں اور لغت کی کتابوں کی بجائے ادب کی کتابوں سے اس کا کام لیا جاتا ہے کیونکہ لغت کا مستقل یاد کرنا اور رٹنا بہت ہی مشکل معلوم ہوتا ہے اور ادب کی کتابوں میں عبارات کے ضمن میں لغات سہولت کے ساتھ یاد ہو جاتی ہیں۔

ان علوم کی مہارت کے بعد طالب علم ہر عربی کلام کے مفہوم کو پوری طرح سمجھنے پر قادر ہو جاتا ہے اور جس قدر مہارت زیادہ ہوگی اسی قدر کامل فہم اور تحقیقی استدلالی فہم حاصل ہوگا۔ چونکہ ایک ایک لفظ پر حکم الہی اور قانون خداوندی کا مدار ہے اس لئے ایک ایک حرف اس طرح تحقیق و استدلال کے طریقہ پر حاصل کرنا ضروری ہے۔

مجتہدین کرام نے قرآن وحدیث کے مفرد الفاظ اور مرکب جملوں سے احکام ومسائل کو حاصل

کر کے تمام ضروری کام انجام دے دیا ہے اور اس طرح علم فقہ اور علم کلام مرتب ہو کر علیحدہ علیحدہ دو ناموں سے موسوم ہیں، اعمال سے متعلق احکام کلام فقہ اور عقائد سے تعلق رکھنے والے مسائل کا نام عقائد ہے۔ علم فقہ میں جہاں جہاں سے اور جس جس طرح سے مسائل و احکام کو حاصل کیا گیا ہے ان ماخذوں اور اصول اخذ کا علم حاصل کرنے کے واسطے اصول فقہ کے فن کی بھی بہت ضرورت ہے۔

چونکہ قرآن مجید میں جگہ جگہ حضور ﷺ کی اتباع و اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور آیات کی شرح و بیان حضور ﷺ کے متعلق قرار دیا گیا ہے اس لئے احادیث کی بھی ضرورت پیش آتی ہے اور ان کے مراتب و اقسام اور اسباب ترجیح وغیرہ کیلئے اصول حدیث کا فن ضروری ہوتا کہ جو احادیث مسائل و احکام کی سند اور ماخذ بنتی ہیں ان کی بھی کیفیت معلوم ہو کر مزید اطمینان حاصل ہو، ورنہ ائمہ مجتہدین ان اصول سے کام لے کر اور مسائل کو ان سے استنباط کر کے یہ خدمت انجام دے چکے ہیں۔

بعض مسائل کلامیہ کا تعلق دلائل عقلیہ قرآن و حدیث وغیرہ کے علاوہ دلائل عقلیہ سے بھی ہوتا ہے اس لئے کہ غیر مذہب والوں کو بھی ان سے مخاطب کیا جاتا ہے اس لئے فقہ کا یہ جز علیحدہ شمار ہو کر فقہ کی طرح ہی ضروری ہوا۔

اسی طرح میراث کے احکام بھی جو فقہ کا ہی ایک جز ہے زیادہ اہتمام کی وجہ سے الگ فرائض کے نام سے موسوم ہو گیا ہے، پھر اس کیلئے حساب کی ضرورت ہے اس لئے حساب کا فن بھی بقدر ضرورت ضروری ہوا۔ بعض فقہی احکام خصوصاً نماز، روزہ کیلئے اوقات اور جہت قبلہ کی تحقیق کرنا ضروری ہے اس لئے ہندسہ اور ہیئت کی ضرورت ہوتی ہے۔

تاریخ پر کو کوئی بات موقوف نہیں مگر اکابر اسلام کے حالات سے واقفیت میں خاصا ہے محبت کے زیادہ کرنے اور عمل کے اندر شوق بڑھانے کا اس لئے ایک دو کتاب تاریخ کی بھی مناسب سمجھی گئیں۔ اور گاہے گاہے مناظرہ کا اتفاق ہو جاتا ہے اس کے قواعد معلوم کرنے کیلئے ایک کتاب تجویز کر دی گئی۔ اور چونکہ لغات عرب کا اثبات زبان سے ہوتا ہے اور زبان کے دو شعبے ہیں، ایک نثر دوسرا نظم، نثر کیلئے انشاء ادب اور نظم کیلئے دیوان وغیرہ ادب کا جز قرار پائے، مگر نظم میں وزن ہوتا ہے اس کیلئے علم عروض و قافیہ کا کوئی رسالہ بھی مستحسن ہے تاکہ وزن کی وجہ سے ضبط حرکات و سکنات واضح ہوتا رہے۔

غرضیکہ صرف ونحو، ادب و بلاغت، اصول فقہ، اصول حدیث یہاں تک کہ علم حساب اور ہیئت وغیرہ کے جو فنون بھی درس نظامی میں داخل ہیں وہ سب ان ہی علوم عالیہ قرآن و حدیث اور فقہ و تفسیر کے سمجھنے

سمجھانے کیلئے بطور آلہ اور معاون کے داخل ہیں اور ان سب کا کسی نہ کسی طرح ان علوم عالیہ کے ساتھ ربط و تعلق ہے جیسا کہ آپ نے اوپر کی تفصیل سے واضح طور پر سمجھ لیا ہوگا۔

غرضیکہ دینی علوم کیلئے جس قدر فنون ضروری اور مفید تھے آپ دیکھیں گے کہ ان سب کو درجہ درجہ نظامی میں شامل کیا ہوا ہے اور ہر علم و فن کی کئی کئی کتابیں زیر تعلیم ہیں پھر ان میں درجہ دار ایسی ترتیب قائم کی گئی ہے کہ طالب علم کے ذہن پر بوجھ نہیں پڑتا بلکہ ہر پہلے درجہ کے بعد دوسرے درجہ کی کتابوں کے سمجھنے کی استعداد و قابلیت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے اور طالب علم کا ذہن و دماغ ان کو قبول کرنے کیلئے آمادہ ہوتا چلا جاتا ہے، ہر علم و فن کی کتابوں میں پہلے ایسی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن میں سادہ طریقہ پر صرف مسائل کا بیان کیا گیا ہے پھر ایسی کتابوں کا نمبر آتا ہے جن میں ان مسائل کے مختصر دلائل ہوں پھر مفصل دلائل کی کتابوں کو پڑھایا جاتا ہے۔ پہلے درجوں میں آسان آسان کتابیں رکھی گئی ہیں اوپر کے درجوں میں دقیق اور مشکل کتابوں کا درس نہایت عمدہ ترتیب کے ساتھ اس نصاب میں رکھا گیا ہے۔

نصاب میں تبدیلی کا مسئلہ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مذکورہ بالا نصاب دینی مقاصد کے حصول میں نہایت ہی کامیاب اور صدیوں کا تجربہ شدہ ہے اور کسی تبدیلی کا چنداں محتاج نہیں ہے اس کو پڑھ کر علم و فضل کے بڑے بڑے ماہتاب و آفتاب بنے جن سے ایک دنیا نے دینی نور و عرفان کی شمعیں روشن کیں اور اپنے دلوں کو نور و روشن کیا، لیکن اس کے باوجود زمانہ کے بدلنے سے ذہنوں اور دماغوں کی صلاحیتوں اور قابلیتوں میں جو تفاوت ہوتا جا رہا ہے اور روز بروز قویٰ اور اعصائے انسانی میں جو انحطاط رونما ہو رہا ہے اس کے پیش نظر ہر دور اور ہر زمانہ میں اس نصاب میں ماہرین تعلیم اور تجربہ کار اساتذہ کرام کے تجربوں کی روشنی میں ترمیم بھی ہوتی رہتی ہے، البتہ اس تبدیلی اور ترمیم کا بنیادی نقطہ نظر ہمیشہ یہی رہتا ہے کہ علوم دینیہ کے افہام و تفہیم اور علوم مقصودہ کی تحصیل میں سہولت و آسانی پیدا ہو کر ان کا حصول سہل اور قریب الفہم ہو جائے اور دینی مدارس کے ان مقاصد کو بہتر سے بہتر انداز میں حاصل کیا جاسکے جن کیلئے ان مدارس کا قیام عمل میں آیا ہے، ایسی ترمیم کا نہ کسی نے پہلے انکار کیا ہے نہ ہی اب اس پر کسی کو اعتراض ہو سکتا ہے۔

تعب بلکہ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اس قسم کی ترمیم کی جائے جس سے دینی مدارس کے اصل مقاصد کے حصول میں آسانی مقصود نہ ہو بلکہ دینی مقاصد کو پس پشت ڈال کر دوسرے دنیوی امور کو مقصود بنالیا جائے، اس طرح کی ترمیم نصاب میں ترمیم نہیں ہے بلکہ ان دینی مدارس کے مقصد کی تحریف اور ان کی افادیت

کی تہدیلی ہے، اور دینی مدارس کو دنیوی مدارس میں تبدیل کرنے کی ایسی تجویز ہے کہ طالب دین طالب دنیا بن جائیں گے، اس کو صرف وہی عناصر پسند اور قبول کر سکتے ہیں جو دینی مدارس کے مقصد قیام اور ان کی افادیت سے یا تو قطعاً ناواقف ہیں یا پھر وہ علوم اسلامیہ کی تحصیل کو لغو و فضول سمجھتے ہیں، ایسی تجویزیں اور سکیمیں اول ایسے ہی ذہن رکھنے والوں کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں، اور بعض ایسے اہل علم بھی ان کے ہموار ہو جاتے ہیں جنہوں نے اپنے زمانہ تحصیل علم میں درس نظامی کی کتابوں کو سطحی انداز میں پڑھا ہو یا پھر پڑھنے کے بعد درس و تدریس کا مشغلہ ان کو حاصل نہیں ہو سکا۔

بعض لوگ اپنی سادہ لوحی سے ایسی تجویزوں کی حقیقت تک رسائی نہ رکھنے کی وجہ سے بھی اس دام فریب میں آ جاتے ہیں کہ اس طرح دینی مدارس کے فضلاء کا مقام معاشرہ میں بلند ہوگا اور ان کو بھی بڑی بڑی تنخواہیں ملیں گی وغیرہ وغیرہ۔

اول تو یہ دیکھنا چاہئے کہ ہمارے اکابر علماء کرام و مشائخ عظام رحمہم اللہ نے اس برصغیر پاک و ہند میں جن مشکلات اور نا مساعد حالات میں دینی مدارس قائم کئے تھے کیا اس زمانہ میں ان کیلئے سرکاری مدارس کی ملازمتوں اور بڑی بڑی تنخواہوں کے مواقع میسر نہیں تھے اور کیا ان کیلئے یہ بات کچھ مشکل تھی کہ اپنے نصاب میں سرکاری مدارس کے چند مضامین شامل کر کے اور معمولی سی ترمیم کر کے بڑی بڑی تنخواہوں کے حاصل کرنے کے مواقع فراہم کر لیتے، پھر کیا وجہ ہے کہ انہوں نے مان شبینہ پر قناعت کئے رکھی ان دینی مدارس میں رہ کر ہی علوم دینیہ قرآن و سنت کی خدمت میں اپنی عمریں صرف فرمادیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ علماء دین کا معاشرہ میں بڑا مقام صرف بڑی تنخواہوں سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ ان کا اصل زیور علم دین کے ساتھ اس پر عمل اور تقویٰ و قناعت ہے جن سے مزین ہو کر آرائش ظاہر اور جہ وقبا کے بغیر ہی وہ خدا داد حسن ان کو حاصل ہوتا ہے کہ معاشرہ کی نگاہ میں ان سے بڑھ کر کسی وزیر و امیر کا مقام نہیں ہوتا۔

دل فریباں نباتی ہمہ زیور بستند لہر ما است با حسن خدا داد آمد

اور گویا یہ حضرات بزبان حال یوں نغمہ سراہتے ہیں۔

اے دل بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی بے ز رنج بھد حشمت قاروں باشی

اب بھی تجربہ کر لیا جائے کہ جن اہل علم نے دنیا والوں کی نقالی اختیار کر لی اور فیشن پرستی کی مسموم فضا سے متاثر ہو گئے ان کو معاشرہ میں نہ صحیح مقام حاصل رہا اور نہ ان پر اعتماد کا وہ حال باقی رہا جو تقویٰ شعار

اور مجسمہ اخلاص و عمل ان اہل علم کو حاصل ہے جو اپنی پرانی سادہ وضع اور بزرگان اسلاف کے طور طریق پر زندگی گزار رہے ہیں۔

پھر غور طلب بات یہ ہے کہ دینی مدارس اور اہل مدارس اگر اپنی سادہ اور خاص ثقہ وضع قطع کو ترک کر کے دوسروں کی نقالی اختیار کرنے لگیں گے تو پھر وہ علماء کا مقام کہاں بلند ہوا، اور ایسے علماء کیا علماء کہلانے کے مستحق رہیں گے؟ تو یہ علماء کے وقار اور معاشرہ میں اعلیٰ مقام کا مسئلہ ہوا یا علماء کو غیر علماء کے زمرہ میں داخل کرنا ہوا، اور جس کام کیلئے یہ دینی مدارس علماء کو تیار کرتے ہیں کیا پھر ان میں اس کام کی اہلیت باقی رہ جائے گی؟ اور کیا اس وقت ان فضلاء کی حالت اس شاہی باز کے مانند نہیں قرار پائے گی جو عاقبت اندیشی سے بجائے شاہی محل کے ایک بڑھیا کے مکان پر جا پڑا تھا اور اس کے حال سے ناواقف بڑھیا نے اپنی طرف سے اس کی خیر خواہی کا حق اس طرح ادا کیا تھا کہ اس کے وہ بازو اور چونچ کاٹ ڈالے تھے جن سے وہ اپنا شکار کرتا تھا اور کمال دکھاتا تھا، جب اس کا حلیہ بالکل تبدیل ہو گیا اور گویا وہ بے دست و پا ہو کر بے کار ہو گیا تو ہذا جزاء من اوقع نفسه عند غیر اہلہ کی عبرت آموز مثال کی تصویر بن گیا۔

اسی طرح اس خیر خواہی کے نتیجہ میں ہمارے دینی مدارس کے فضلاء جب بے ہال و پر اپنے اصلی کمال سے خالی رہ جائیں گے اور اپنے کار منصبی کے بجالانے کی صلاحیت سے تہی دامن ہو جائیں گے تو پھر عقلاء کے نزدیک ملامت کے قابل قرار پائیں گے مگر اس وقت پشیمانی سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟

لیکن مثال مذکور میں تو وہ باز اپنے مجازی مربی اور محسن کے انعامات کی بے قدری کر کے اپنی نادانی سے ناواقف حال بڑھیا کے گھر پر خود جا پڑا تھا اس لئے اس کو ناقد رشناسی کی یہ سزا بد وقت و بد محل تھی مگر اہل مدارس دینیہ سے تو یہ توقع نہیں کی جانی چاہئے کہ وہ حضرات اپنے حقیقی مربی اور محسن کی احسان فراموشی کر کے اس کے احسانات کی بے قدری کریں گے اور کارساز حقیقی کی بجائے کسی دوسرے پر اپنے کاروبار کی انجام دہی میں تکیہ کریں گے رعایاں خیال است و محال است و جنوں۔

دینی مدارس کا اصل سرمایہ تو کل علی اللہ ہے اور علماء دین کا اصل مقام اور ان کا وقار اخلاص و عمل اور تقویٰ کے ساتھ متصف ہونے اور دین میں تہلب اور پختہ روی کے ساتھ وابستہ ہے، ظاہری وضع قطع اور ٹیپ ٹاپ سے مصنوعی طریقہ سے علماء کا مقام بلند نہیں کیا جاسکتا بلکہ اپنے ظاہر کو اعمال صالحہ اور اپنے باطن کو اخلاق حسنہ سے آراستہ و پیراستہ ہونے کے بعد ہی ان کو اس کا صحیح مقام نصیب ہوتا ہے اور جن کو یہ دولت متعلق باخلاق اللہ کی میسر آگئی ان کو ٹھوٹے ”ہنقاش احتیاجیست دیوار گلستاں را“ کسی ظاہری نقش و نگار

کی قطعاً حاجت نہیں رہتی وہ اپنی بوسیدہ پچٹی پرانی گدڑیوں میں ہی اپنے باطنی کمالات اور تعلق مع اللہ کی دولت کو لئے ہوئے فرحان شاداں بزبان حال کہتے ہیں۔

ما اگر فلاش و گرد و پو اندامیم مست آں ساقی و آں پیاندامیم

اب جو یہ کہا جا رہا ہے کہ دینی مدارس کے نصاب کو جدید تقاضوں کے مطابق بنایا جانا چاہئے تو غور طلب بات یہ ہے کہ ایسا کہنے والوں کا جدید تقاضوں سے مقصود کیا ہے یعنی وہ جدید تقاضہ مال و متاع، ہر کاری ملازمتوں اور دنیوی ترقی کے حصول کے طالب ہیں یا وہ دینی مقاصد کے حصول اور ان میں ترقی کا مطالبہ کر رہے ہیں، اگر دنیا کی عیش و آرام اور دنیوی سامان راحت کے حصول کے متقاضی ہیں تو ان کیلئے یہ دینی مدارس موضوع نہیں ہیں ان کی تحصیل کیلئے ملک میں دوسرے ذرائع کے علاوہ اسکولوں اور کالجوں کی بھی کمی نہیں ہے ایسے اداروں کیلئے حکومت کی طرف سے ہر سال کروڑوں روپیہ قومی خزانہ میں مختص کیا جاتا ہے، جو شخص چاہے اس میدان میں سعی و کوشش کر کے اپنی دنیوی آرام و راحت کا سامان کما سکتا ہے لیکن ایسے شخص کیلئے دینی مدارس موزوں جگہ نہیں ہے ان مدارس کی خدمت تو وہی شخص کر سکتا ہے جس نے اپنی زندگی کو دین کی خدمت کیلئے وقف کر دیا ہو اور وہ بزرگان اسلاف کے طریقہ پر گامزن ہو کر سادہ طرز زندگی اختیار کر لے اور قوت لایموت پر قناعت کر سکتا ہو۔ البتہ دینی مقاصد کے حصول اور ان میں سہولت کیلئے نصاب میں کسی قدر تبدیلی کی جائے تو یہ مسئلہ ضرور قابل غور ہو سکتا ہے اور درس و تدریس میں مشغول تجربہ کار ماہرین علماء کرام کے مشورہ سے نصاب کو دینی جدید تقاضوں کے مطابق بنایا جاسکتا ہے۔

جدید عربی زبان کا سیکھنا قرآن و سنت وغیرہ علوم مقصودہ کے حاصل کرنے کیلئے ضروری تو کیا ہوتی مفید بھی نہیں بلکہ الٹا مضر اور قدیم عربی قرآن و سنت کی زبان سے بعد پیدا کرنے کے مترادف ہے اور اس میں وقت و محنت کا صرف کرنا دماغ و ذہن پر غیر ضروری بوجھ ڈالنا اور اضاعت وقت ہے۔

یہی حال عربی تحریر و تقریر کا ہے کہ تقریر و تحریر کا تعلق مشق سے ہے ان مدارس کے موجودہ نصاب سے بھی فارغ شدہ طلبہ میں بہت سے طلبہ عربی تحریر و تقریر میں مہارت رکھنے والے نکل رہے ہیں اور اپنے مافی الضمیر کو عربی میں ادا کرنے پر ایسی قدرت رکھتے ہیں کہ بڑی بڑی تصانیف ایسی شستہ اور سلیس عربی میں لکھی ہیں کہ ان کی زبان دانی پر جدید طرز کے بڑے بڑے ماہر عربیت بھی عیش و عشرت کراٹھے اور بڑے بڑے فضلاء عرب و مصران کی تحقیقات کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

قریب زمانہ کے فضلاء میں درس نظامی کے فارغ عربی کتابوں کے مصنفین میں سے حضرت

مولانا محمد انور شاہ، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا شمس الحق افغانی رحمہم اللہ وغیرہ وغیرہ بلند پایہ مصنفین کے علاوہ سینکڑوں علماء اور طلباء تحریر و تقریر کے ماہر مل سکتے ہیں پھر یہ کہ علوم قرآن و سنت میں مہارت عربی کوئی سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ عربی فہمی اور زبان دانی سے اس کا تعلق ہے اور یہ بات اس سے بدرجہ اتم حاصل ہوتی ہے۔

سائنس اور فلسفہ جدیدہ

سائنس میں مادیات کی تحلیل و ترکیب کا عمل سکھایا جاتا ہے دین کی کسی بات کا سمجھنا اس پر موقوف نہیں ہے اسی طرح فلسفہ جدیدہ بھی علوم دینیہ کا موقوف علیہ نہیں ہے لیکن فلسفہ قدیم میں تو اصول کو عقلی دلائل سے ثابت کیا جاتا ہے اس لئے وہ قابل توجہ ہے اور جدید فلسفہ میں فروعی مسائل سے بحث کی جاتی ہے یہ راستہ بہت خطرناک ہے اس لئے کہ غیر مذاہب کے لوگوں کے مقابلہ میں اصول مذہب کو عقلی دلائل سے ثابت کیا جانا چاہئے اس کے بعد فروعی مسائل تابع ہو کر خود بخود وثاہت ہو جائیں گے ان کے ثابت کرنے کیلئے عقلی دلائل کو ضروری سمجھنے سے تو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حکم الہی کو ہلکا سمجھا جا رہا ہے اور اس کو بجائے حکم کے ایک فلسفی بات سمجھ کر تسلیم کیا جا رہا ہے اس سے حکم الہی کی وقعت کم ہو جانے کا خطرہ بھی ہے کہ اگر وہ حکمت و فلسفہ جس پر حکم کی بنیاد سمجھی گئی ہے اس حکم کے بغیر کسی دوسری جگہ پایا جائے گا تو اس حکم کو چھوڑنے کا خیال پیدا ہو سکتا ہے۔

تکمیلی درجہ کی ضرورت

البتہ دینی بڑے مدارس مثلاً جامعہ اشرفیہ لاہور، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور، دارالعلوم کراچی اسی طرح کے دو تین مدارس میں فارغ التحصیل طلبہ کیلئے ایک مستقل درجہ تکمیل کا انتظام کیا جاسکتا ہے اور اس میں ایسا نصاب تجویز کیا جاسکتا ہے جس سے ایسے علماء تیار ہو سکیں جو دوسرے ممالک عربی غیر عربی میں تبلیغ کے فرائض انجام دے سکیں، ان کو عربی زبان اور عربی تحریر و تقریر کی مشق بھی کرائی جائے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے شکوک و شبہات کے حل کرنے کیلئے فلسفہ جدیدہ کی تعلیم بھی پختہ اہل علم اور متدین علماء کی نگرانی میں دی جائے تاکہ وہ اس کے مضراثرات سے محفوظ رہ سکیں ورنہ تو قوی خطرہ ہے کہ غیر عالم دین اساتذہ سے فلسفہ جدیدہ کو حاصل کر کے وہ خود ہی اس کے دام میں نہ پھنس جائیں۔

ضمیمہ

دعاء امرا بھی میں جن امور کا ذکر فرائض نبوت کے طور پر کیا گیا ہے یعنی تلاوت، تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت (جن کی بقدر ضرورت تفصیل اور پرگزرجی ہے) وہی فرائض ورثۃ الانبیاء کے ہونے ضروری ہیں۔ مدارس دینیہ کا مقصد صرف اور صرف رجال آخرت تیار کرنا ہے جو علوم نبوت کے حامل بن کر ان کی ترویج و اشاعت کریں اور داعی الی الحق ہوں، دنیا ان کا منظر نظر نہ ہو، محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ان کا مقصد و حید ہو، باطل طاقتوں کا حسب استطاعت تقریر اور تحریر سے مقابلہ، بدعات و محدثات سے دین کی حفاظت اور آئے دن نئے فتنوں اور ملت اسلامیہ پر طاغوتی حملوں سے ملت کو محفوظ رکھنا، بس یہ دینی مدارس کا اصل مقصد ہے۔

مدارس دینیہ میں علوم عصریہ کی پیوند کاری

آج کل مدارس دینیہ میں علوم عصریہ کی پیوند کاری پر خاصا زور دیا جا رہا ہے حالانکہ امت کی دینی رہبری اور اصلاح کیلئے علوم دینیہ میں ٹھوس استعداد کے علماء کے تیار کرنے کی ضرورت ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ دوسرے علوم میں اشتغال سے اصل مقصد کا فقدان یا کم از کم اس میں اختلال ضرور آئے گا تجربہ اس کا شاہد ہے، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور جامعہ ملیہ دہلی وغیرہ اس کی قدیم مثالیں سامنے ہیں اور اب پاکستان میں جامعہ اسلامیہ بہاولپور وغیرہ تازہ مثال ہے علوم دینیہ کی قدیم درسگاہوں دارالعلوم (دیوبند) مظاہر العلوم (سہارنپور) وغیرہ سے جس قدر بلند پایہ معیاری علماء تیار ہوئے اور انہوں نے جس قدر امت کی رہنمائی کا کام انجام دیا اس کی مثال دوسرے ممالک اسلامیہ میں بھی مآدر اور کیا ہے۔

عام طور پر دیکھنے میں آ رہا ہے کہ جو لوگ علوم دینیہ کے ساتھ دنیوی علوم و فنون کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ رفتہ رفتہ بعد چند عرصے ان ہی علوم کے ہو رہتے ہیں کیونکہ نوکریوں اور بڑے بڑے عہدوں کا لالچ ان کیلئے جاذب ہوتا ہے جب مال اور حب جاہ کا مرض عام طور پر طبائع میں موجود ہی ہوتا ہے اعمال تو درکنار خیالات و افکار تک میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور کم از کم یہ ذہنی فساد تو آ ہی جاتا ہے کہ عصری علوم کو اولیت اور علوم دینیہ کو ثانوی حیثیت دی جانے لگتی ہے۔ حالانکہ اسلامی تعلیمات میں فکر آخرت کو اولی حیثیت اور فکر دنیا کو ثانوی حیثیت دی گئی ہے، قرآن کریم کے واضح احکامات اور احادیث طیبہ کی ہدایات اس پر شاہد ہیں، اس اعتبار سے علوم دینیہ کو مسلمانوں کی زندگی میں اول حیثیت حاصل ہونی چاہئے اور جو علوم ذریعہ معاش ہیں انہیں بہر حال ثانوی درجہ پر رکھنا چاہئے اسلام جائز ذریعہ معاش اختیار کرنے کا مخالف نہیں ہے البتہ اس کو مقصود و زندگی بنانے کا مخالف ہے۔

علماء پر الزام

علماء پر یہ بہت بڑا الزام ہے کہ وہ علوم عصریہ یعنی ذریعہ معاش کے مخالف ہیں، کوئی عالم اس کا مخالف نہیں البتہ اس کو قصود بنا کر علوم دینیہ کو پس پشت ڈالنے یا ثانوی حیثیت دینے کے مخالف ہیں۔

شریعت کی نگاہ میں علم کی تعریف

شریعت اسلامی کی نظر میں علم ان معلومات کا نام ہے جس کے ذریعہ آخرت کی کامیابی اور اللہ رب العزت کی رضامندی حاصل ہو اور جس کا ثمرہ صاحب علم پر خشیت خداوندی کی صورت میں ظاہر ہو چنانچہ سورہ زمر آیت ۳۸ میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

علم کا اطلاق اصطلاحاً اور حقیقتہً صرف ان علوم پر کیا جاسکتا ہے جن کی وراثت حضرت نبی کریم ﷺ چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں، اسی وجہ سے علماء کو وارثین انبیاء علیہم السلام کا خطاب دیا گیا ہے (مشکوٰۃ) نصوص قرآن و سنت میں جہاں بھی علم سیکھنے سکھلانے کی ترغیب آتی ہے اس سے علم دین ہی مراد ہے جو آخرت کی کامیابی اور فلاح کا ذریعہ ہے اور اسی خصوصیت کی بنا پر اس کی فرضیت کا حکم دیا گیا ہے اور تحصیل کی تاکید کی گئی ہے۔

ذریعہ معاش

علم دین کے علاوہ جتنے بھی علوم کہلائے جاتے ہیں وہ درحقیقت علم نہیں بلکہ ہنر اور ذریعہ معاش ہیں یعنی ان کا فائدہ صرف دنیا تک محدود ہے آخرت میں وہ علوم علم ہونے کے اعتبار سے قطعاً کسی کام نہیں آئیں گے۔ شریعت کی نگاہ میں جس طرح تجارت، صنعت و حرفت، لوہاری، بڑھئی وغیرہ کا کام کرنا دنیا کمانے اور کسب معاش کے ذرائع ہیں، بعینہ یہی حیثیت ان علوم عصریہ کی بھی ہے جو صرف دنیا کمانے کیلئے پڑھے اور پڑھائے جاتے ہیں، اس لئے انہیں علم نہیں ذریعہ معاش اور ہنر کہنا چاہئے، ان پر حقیقتہً علم کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا، علم تو وہی ہے جو دنیا اور آخرت دونوں جگہ علم ہونے کی حیثیت سے کام آئے اور یہ صفت قرآن و حدیث اور اس سے متعلقہ علوم ہی میں پائی جاتی ہے البتہ اگر کسی علم کو قرآن و حدیث سمجھنے کیلئے ذریعہ بنایا جائے یا اخروی نفع کیلئے اس کی تحصیل کا ارادہ کیا جائے تو اسے بھی حقیقی علم کے ساتھ ملحق سمجھا جاسکتا ہے (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ماہ اکتوبر ۱۹۹۴ء)

مدارس کا تناسب

ہمارے دانشوروں اور صحافیوں کا محبوب مشغلہ دینی مدارس میں جدید علوم داخل کرنے کیلئے شور مچانا ہے حالانکہ دینی مدارس کی تعداد عصری اسکولوں کے مقابلہ میں حد درجہ کم ہے بمشکل ایک فیصدی دینی مدارس میں

پڑھنے آتا ہوگا، جبکہ اسکولوں کالجوں میں تقریباً پچیس فیصدی پڑھنے جاتا ہے، تعجب کی بات ہے کہ اسکولوں میں جانے والی اکثریت کے دین و ایمان کی فکر کرنے اور ان کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنے کی بجائے جو ایک فیصد آخرت کی فکر کرتا ہے اس کا تشخص مٹانے کیلئے طرح طرح کے حربے استعمال کئے جاتے ہیں۔

ع بریں عقل و دانش: باید گریست

مولویوں کے معاش کی فکر

ہمارے دانشوروں اور صحافیوں کو مولویوں کے معاش کی بڑی فکر رہتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ”سارے مدارس کا درد ہمارے دل میں ہے“ اور معاشرہ میں ان کے اعزاز اور بلندی مقام کی خواہش کا بڑھ چڑھ کر تذکرہ کیا جاتا ہے حالانکہ علوم نبوت کے حاملین بڑے سکون و اطمینان کے ساتھ دین کی خدمت میں مشغول ہیں اور بقدر ضرورت معاش کا انتظام بھی اپنی مدد آپ کے اصول پر ہو رہا ہے نہ اس میں کسی سفارش کی ضرورت پیش آتی ہے نہ رشوت کی لعنت سے واسطہ پڑتا ہے اور الحمد للہ معاشرہ میں ان حقانی علماء کو خدا داد حقیقی عزت و مقبولیت کا وہ مقام حاصل ہے جو کسی بڑے سے بڑے مصنوعی عزت والے عہدہ دار کو ہرگز نصیب نہیں ہو سکتا، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ مخلص علماء دین کی مسلمانوں کے دلوں میں عزت اور ان کے اثر و رسوخ کو مٹانے کیلئے ان کے خلاف یہ تحریک چلائی جا رہی ہے اور ان کو اعلیٰ مقصد خدمت دین سے ہٹا کر دنیا کی طرف مائل کیا جا رہا ہے تاکہ دین کی وجہ سے جن مسلمانوں کے دلوں میں ان کی عزت و محبت ہے وہ نہ رہے اور ان کا بھی ان مسٹروں کی صف میں شمار ہونے لگے۔

معاشرے کا جائزہ

معاشرہ کا جائزہ لے کر دیکھئے کہ اتنے ”مولوی“ آپ کو روزگار کی تلاش میں گھومتے ہوئے نہیں ملیں گے جتنے گریجویٹ بے روزگار قدم قدم پر ملیں گے کہ ان کا شمار مشکل ہو جائے گا اور ایم اے، بی اے کو ٹیچری اور ان کی تعلیم کے مطابق نوکری تو کیا ملتی وہ چہڑی کی نوکری کیلئے بھی ترس رہے ہیں بلکہ مظاہروں اور جلوسوں کے نکالنے پر مجبور ہو رہے ہیں حالانکہ اس طبقہ کی تعلیم کا مقصد ہی نوکریوں کا حاصل کرنا اور دنیا کمانا ہے اب جب نوکری بھی نہ ملی تو پھر ان کے حسب حال کسی کا یہی قول ہوگا ع نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم جبکہ علماء علوم دینیہ روزگار کیلئے نہیں پڑھتے اگر ان کو نوکری نہ ملے تو ان کیلئے یہ کوئی عیب نہیں ہے۔

ملت پر بڑا احسان

مسلمانوں پر قومی حیثیت سے جتنا بڑا احسان مدارس دینیہ کا ہے اور تحریک مدارس نے ملت اسلامیہ

کو تحفظ کا جو مقام دیا ہے وہ کسی اور تحریک کے حصہ میں نہیں آیا۔ یہ مدارس اگرچہ بظاہر محض علوم اسلامیہ کے محافظ ہیں لیکن درحقیقت تحفظ شریعت کے قلعے اور حفاظت اسلام کی محفوظ چھاؤنیاں ہیں آج برصغیر میں دینی اور اسلامی تبلیغی اور اصلاحی جتنی بھی سرگرمیاں جاری ہیں بظاہر اسباب وہ سب انہیں دینی اداروں کی خاموش خدمات کی رہن منت اور انہی کے ثمرات ہیں اس ملک میں مسلمانوں کا جو دو بقا اور اسلامی تعلیمات و اقدار کا تحفظ انہیں مدارس سے وابستہ ہے بلکہ دنیا کے جس خطہ میں بھی بنیادی دینی تعلیم کے ادارے ہوں گے وہاں مخالف تیز و تند ہواؤں کے باوجود اسلامی زندگی کے واضح نقوش باقی رہیں گے اور مسلمانوں میں اسلامی شعور زندہ اور تابندہ رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص و للہیت کے ساتھ دینی خدمات کی انجام دہی کی توفیق بخشیں اور ہمارے لئے دینی مدارس کے اصل مقصود فکر آخرت کے حامل افراد کی تیاری کو ملحوظ خاطر رکھنا آسان فرماویں، آمین، برحمتک یا ارحم الراحمین۔

۸ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ

چند اہم تجاویز

گرامی خدمت جناب اراکین قومی نصاب کمیٹی برائے دینی مدارس

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون! دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں تبدیلی اور سرکاری مدارس کے نصاب کے ساتھ اس کی ہم آہنگی کا مسئلہ بڑا غور طلب اور اہم مسئلہ ہے، اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر چند گزارشات پیش کی جاتی ہیں جن کا اس مسئلہ کے طے کرتے وقت پیش نظر رکھنا اشد ضروری ہے۔

(۱) دینی مدارس کا اصل مقصد قرآن وحدیث اور تفسیر وفقہ دینی علوم میں کامل مہارت کا پیدا کرنا اور علوم دین میں تفقہ کا درجہ حاصل کرنا ہے اور اس معیاری علم کے حاصل کرنے کیلئے بڑی محنت اور یکسوئی کی ضرورت ہے، اس لئے ماہرین تعلیم اور تجربہ کار علماء دین نے طلباء علوم دین کیلئے علم کے اکتساب و تحصیل کے زمانہ میں کسی ایسی چیز کی طرف توجہ کرنے کو سخت مضرت رسا سمجھا ہے جس سے طالب علم کی توجہ طلب علم سے ہٹ کر دوسری کسی جانب لگ جانے کا احتمال اور اکتساب علم میں خلل انداز ہونے کا اندیشہ ہو۔

(۲) عقل اور تجربہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ایک وقت میں دو کاموں کی طرف پوری توجہ نہیں کی جاسکتی جب دینی علوم کے ساتھ دنیاوی علوم و فنون بھی حاصل کئے جائیں گے تو توجہ تقسیم ہو کر یکسوئی فوت ہو جائے گی اس طرح علوم دینیہ میں کمال اور مہارت پیدا کرنے کی طرف پوری دلچسپی باقی نہیں رہ سکتی اور دینی مدارس کے قیام کا مذکورہ اصل مقصد کما حقہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

(۳) عالم دین کیلئے منشی فاضل، مولوی فاضل کے امتحان کو بھی ماہرین علوم دینیہ نے اسی لئے پسند نہیں کیا تھا کہ پھر وہ اسکولوں کی تلاش اور وہاں کے محدود نصاب کی تعلیم میں مشغول ہو کر اپنی علمی استعداد اور اس میں روز افزوں ترقی اور اضافہ سے محروم ہو جائے گا، اس کی ایک دو نہیں سینکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ دینی مدارس کے ذی استعداد فضلاء نے سرکاری امتحان دے کر اپنی تمام عمر سرکاری اسکولوں میں گزاری اور اس طرح اپنی علمی استعداد اور قابلیت کو وہاں کے محدود نصاب میں گم کر دیا اگر وہ دینی مدارس میں کام کرتے تو یقیناً ان کی استعداد و قابلیت کہیں زیادہ ترقی کر جاتی اس مشاہدہ کے خلاف کوئی شاذ و نادر ہی مثال مل سکے گی۔

(۴) ہمارے دینی مدارس میں جو نصاب درس نظامی کے نام سے رائج ہے اس میں قرآن وحدیث اور تفسیر وفقہ کی کتابیں ہی اصل مقصود ہیں اور باقی دوسرے علوم و فنون کی کتابیں ان علوم مقصودہ کی معاون اور مددگار ہیں اگرچہ بعض کو سطحی نظر سے بعض کتابوں کا علوم دینیہ سے تعلق ظاہر نہیں ہوتا، غور سے دیکھا جائے تو درس نظامی کی سب کتابوں کو ان علوم مقصودہ سے کسی نہ کسی قسم کا تعلق حاصل ہے۔

(۵) یہ نصاب برہنہ سہارس سے دینی مدارس میں رائج ہے اس کی افادیت و جامعیت کا عرصہ دراز سے تجربہ ہو رہا ہے اور دینی مقاصد کے حصول میں یہ نصاب بے حد و حساب مفید ثابت ہو رہا ہے، مدارس دینیہ کے مقاصد کے حصول اور دینی علوم میں مہارت پیدا کرنے کیلئے یہ نصاب اپنی نظیر نہیں رکھتا اور اس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے اس کا کافی اور بدل کوئی نہیں ہو سکتا، گزشتہ صدیوں کے وہ تمام علماء و صلحاء جنہوں نے اس نصاب کے ذریعہ اپنی علمی تکمیل کی اور پھر تمام عمر اسی کی خدمت میں گزار دی اس نصاب کے کامیاب اور مفید مقصد ہونے کی وہ واقعاتی اور تجرباتی دلیل ہے جس کو چھٹلایا نہیں جاسکتا، ماضی قریب میں بھی اس نصاب سے استفادہ کرنے والوں میں شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا عبدالرحیم رائے پوری، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا محمد یوسف بنوری رحمہم اللہ وغیرہ وغیرہ کے چند اسماء گرامی نمونہ مشتے از ثروارے کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہیں، متذکرہ علماء کرام کے معیاری علم و فضل کی نظیر نہ یہ کہ صرف پاک و ہند میں دستیاب نہیں ہو سکتی بلکہ

پوری دنیا اسلام میں بھی بہت ہی کیا ہے، اس درجہ کے علم و فضل کا حاصل ہونا اسی نصاب کا مرہون منت ہے جس کا دنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا ہے اور جو صدیوں سے آزمایا ہوا اور تجربہ شدہ ہے۔

(۶) ہمارے سامنے ایسے دینی مدارس عربیہ کی مثالیں موجود ہیں جن میں دینی مقاصد کے حصول کے ساتھ دنیاوی مقاصد کے حصول کیلئے درس نظامی میں ترمیم کر کے زمانہ حاضرہ کی بعض ضروریات کی تحصیل کیلئے بعض نئے فنون کی کتابیں داخل نصاب کر دی گئی ہیں مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیاوی مقاصد غالب آ گئے اور دینی مقاصد مغلوب ہو کر رہ گئے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ ایسے نصاب کے ذریعہ دینی علوم کے ماہر معیاری ایسے علماء تیار نہیں ہو سکے جس طرح سے درس نظامی سے تیار ہوتے رہے ہیں۔

(۷) ان مفاسد اور مضرتوں کے علاوہ اصولی طور پر یہ بات ذہن نشین رہنی بہت ضروری ہے کہ یہ مدارس دینی ہیں اور ان کا قیام خالصتہً دینی مقاصد کے حصول کیلئے عمل میں لایا گیا ہے، اس لئے ان کے نصاب کو ایسے علوم و فنون سے قطعی طور پر محفوظ رکھنا ضروری ہے جن سے دینی مقاصد کے حصول میں کمی اور خلل کا خطرہ ہو اور دنیاوی فنون کے داخل نصاب ہونے سے یہ قوی خطرہ ہے کہ دینی تعلیم میں نقصان واقع ہو گا اس لئے کہ دینی ترقی کی بجائے دنیوی ترقی کی طرف عام طور پر زیادہ میلان ہوتا جا رہا ہے اس طرح یہ درس گاہیں بھی دینی تعلیم کی بجائے دنیوی تعلیم گاہوں میں تبدیل ہو کر رہ جائیں گی اور طالب دین طالب دنیا بن جائیں گے پھر جو شرکالوں میں دینیات کا ہو رہا ہے وہ ان مدارس میں ہونے لگے گا۔

(۸) جس طرح ملک میں ماہرین تعلیم کے مشوروں کے مطابق تعلیم کے مختلف شعبوں ڈاکٹری انجینئرنگ اور قانون وغیرہ کی تعلیم کیلئے الگ الگ کالج قائم کئے ہوئے ہیں اور سب شعبوں کیلئے تعلیم کا یکجا انتظام ممکن نہیں اور نہ ہی ہر شخص کیلئے ہر شعبہ میں تعلیم کا حاصل کرنا ضروری ہے بلکہ جس شخص کو جس شعبہ کے فن کے ساتھ طبعی مناسبت اور دلچسپی ہوتی ہے وہ اپنے پسند کے کالج میں داخلہ لے لیتا ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ملک و ملت کی بقاء اور اسلام و اسلامیات کے تحفظ کیلئے دینی مدارس کا تشخص اور ان کا موجودہ علیحدہ نظام اور طریق تعلیم مع اپنے مخصوص نصاب کے قائم رہنا بہت ضروری ہے تاکہ ان میں قانون اسلام کے ایسے ماہرین پیدا ہوتے رہیں جو تمام عمر یکسوئی کے ساتھ ہمہ تن مشغول رہ کر دین کے شعبہ میں کام کرتے رہیں اور اپنی خدمات کیلئے اسی دین کے شعبے کو مخصوص کر لیں۔

حضرت اقدس مفتی عبدالشکور رزمی رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ قرآن کریم اور دینی مدارس

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مکرمی!..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مؤرخہ ۲ ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ ۹ اپریل ۱۹۹۷ء کو روزنامہ نوائے وقت میں ایک مضمون ادارہ کے نیچے ”ترجمہ قرآن کی عملی تکمیل کیسے ہو؟“ نظر سے گزرا، اس کے آخر میں ”باقی صلائے عام ہے یا ران نکتہ داں کیلئے“ دیکھ کر جرأت ہوئی کہ اس سلسلہ میں کچھ معروضات پیش کر دی جائیں۔ شاید کہ ترجمہ قرآن کے متعلق ان کی افادیت کو کم کرنے یا ان کو بے کار قرار دینے کیلئے پھیلائی جا رہی ہے کہ بغیر ترجمہ قرآن کریم پڑھانے کا کیا فائدہ ہے؟

ماشاء اللہ اس زیر نظر مضمون میں یہ بات نہیں ہے بلکہ قرآن کریم کے حفظ کرنے اور پڑھنے کی ترغیب دلائی گئی ہے اور لکھا ہے کہ ”قرآن کریم کی اصل خدمت اس کے معجزانہ کردار یعنی حفظ قرآن کریم کے سلسلہ کو نہ صرف جاری و ساری رکھنا ہے بلکہ اسے مزید آگے بڑھانا ہے..... حکومت کو چاہئے کہ حفظ قرآن کے موجودہ مدارس کی سرپرستی کرے اور ہر بستی اور محلہ میں حفظ قرآن کے مدارس قائم کرے الخ (نوائے وقت)

مضمون نگار نے بہت اہم ضرورت اور تقاضائے وقت کی طرف توجہ دلانے کا فرض انجام دیا ہے وزیراعظم کو قرآن کریم صحیح پڑھانے کیلئے ماہر اساتذہ کا انتظام کرنا چاہئے کیونکہ اب تک جو قرآن کریم کی تعلیم سرکاری مدارس میں ہو رہی ہے وہ قونہ ہونے کے برابر ہے اکثر اساتذہ خود بھی قرآن کریم پڑھے ہوئے نہیں ہوتے اور جو پڑھے ہوئے ہوتے ہیں وہ اس کیلئے وقت نہیں دیتے پھر ان میں اکثر صحیح پڑھے ہوئے نہیں ہوتے وہ صحیح کیسے پڑھا سکتے ہیں؟

واقعی اس زمانہ میں جبکہ قرآن کریم کی طرف رغبت کا کوئی سامان نہیں، نہ اس کے حفظ کرنے والوں کو سرکاری ملازمتوں اور عہدوں کا لالچ ہے پھر بھی قرآن کریم کے اس قدر حفاظ موجود ہیں کہ ان کا شمار نہیں

کیا جاسکتا، بچے بھی حافظ ہیں اور مرد بھی اور بعض جگہ عورتیں بھی حافظ ہیں یہ قرآن کریم کا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟

پھر اس کے ساتھ ہی یہ حفظ کرنا قرآن کریم کی حفاظت کا بھی بہت بڑا ذریعہ ہے، جو لوگ قرآن کریم کے معنی سمجھے بغیر الفاظ پڑھنے کو فضول سمجھتے اور کہتے ہیں کیا وہ قرآن کریم کی حفاظت کرنے کو فضول اور بے کار سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو یاد اور حفظ کرنے کیلئے ایسا آسان کر دیا ہے کہ اس کو بہت جلد یاد کر لیا جاتا ہے اور یہ حفظ کرنا اس کی حفاظت کا بہت بڑا معجزانہ ذریعہ بھی ہے، کیا یہ لوگ اس کو مٹانا چاہتے ہیں؟

تجربہ شاہد ہے کہ حفظ قرآن چھوٹی عمر میں اچھا ہوتا ہے بلکہ اصل عمر حفظ کرنے کی چھوٹی ہی ہوتی ہے اور اس عمر میں بچہ قرآن کریم کے معنی سمجھنے کے قابل نہیں ہوتا ایسی حالت میں وہ ترجمہ کو بھی صرف زبانی ہی یاد کرے گا کیونکہ سمجھنے کی تو ابھی نہ اس کی عمر ہے اور نہ اس میں قابلیت ہے یہ بچہ ہر مشقت ہوگی کہ الفاظ کو بھی یاد کرے اور اس کے ساتھ ہی اس کے ترجمہ پر بھی محنت کرے، اس طریقہ سے خطرہ ہے کہ بچے حفظ کی بجائے ناظرہ پڑھنے کو ترجیح دینے لگیں اور رفتہ رفتہ حفاظت قرآن کا یہ سب سے بڑا اور اہم ذریعہ مایاب یا کمیاب ہو جائے۔

پھر بھی یاد رہے کہ جس طرح قرآن کریم کے معنی کو سمجھنا اور احکام پر عمل کرنا فرض ہے اسی طرح اس کے الفاظ کی حفاظت بھی مستقل فرض ہے یہ خیال غلط ہے کہ الفاظ قرآن کریم کو بغیر سمجھے پڑھنا فضول ہے۔ دنیا کی کتابوں میں یہ امتیاز صرف قرآن کریم کو ہی حاصل ہے کہ اس کے الفاظ بھی معنی کی طرح ہی مقصود ہیں اور دونوں کی حفاظت ضروری ہے۔

طبعی طریقہ بھی یہی ہے کہ اس کی عمر و استعداد کے مطابق پہلے بچہ کو قرآن کریم کے الفاظ حفظ یا ناظرہ پڑھا دیئے جائیں معنی کا بوجھ اس پر نہ ڈالا جائے، اس کے بعد جب عمر و استعداد بڑھ جائے پھر معنی کی طرف توجہ دلائی جائے اس وقت وہ سمجھ دار ہو جائے گا اور کچھ تعلیم میں بھی ترقی کر جائے گا۔

قواعد عربیت صرف و نحو وغیرہ کے بغیر صرف ترجمہ زبانی یاد کر لینے سے نہ تو یاد رہ سکتا ہے اور نہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ ترجمہ کونسے عربی لفظ کا ہے اور کیوں کیا گیا ہے، مثلاً کوئی شخص ”یعلّمون“ کا ترجمہ ”وہ جانتے ہیں“ کی بجائے ”وہ کرتے ہیں“ کرنے لگے تو عربی مدارس کا ادنیٰ طالب علم اس کی غلطی اور بچہ بتا سکتا ہے کہ ”یعلّمون“ علم سے بنا ہے اور علم کے معنی لغت میں جاننے کے ہیں اس لئے ”یعلّمون“ کے معنی بھی ”وہ جانتے ہیں“ ہوں گے اور ”وہ عمل کرتے ہیں“ ترجمہ ”یعلّمون“ کا ہے کیونکہ یہ عمل سے بنا ہے۔

دینی مدارس میں اس طرح مکمل قرآن کریم کا ترجمہ تین سال میں پڑھایا اور سمجھایا جاتا ہے، عربی

نصاب کے دوسرے سال میں پہلے تیسویں پارہ کا ترجمہ پڑھایا جاتا ہے اس میں وہ چھوٹی سورتیں ہیں اور اکثر نماز میں پڑھی جاتی ہیں اگر اس سے آگے کوئی بچہ نہ چل سکا تو ضروری سورتوں کا ترجمہ تو ذہن نشین ہو ہی جائے گا اور نماز پڑھنے پڑھانے کا کام چل سکتا ہے پھر ہر سال میں دس دس پارے کا ترجمہ پڑھایا جاتا ہے اور ایک سال میں نو پارہ کا کیونکہ پارہ نمبر ۳۰ کا ترجمہ تو پہلے پڑھایا جا چکا ہے، پھر نہ معلوم ایسی خلاف حقیقت بات مضمون نگار نے کس طرح لکھ دی کہ ”تمام قرآن کریم تو ایک سمندر ہے اس کا مکمل ترجمہ تو ہمارے دینی مدارس کے نصاب میں بھی کبھی نہیں پڑھایا گیا“ (نوائے وقت ۲ ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ)

”وفاق المدارس العربیہ“ کے نصاب سے مکمل طور پر باواقفیت سے شاید یہ غلط فہمی مضمون نگار کو ہوئی ہو اس لئے یہ لکھ دیا کہ ”رہا مکمل قرآن کریم کا ترجمہ و تفسیر تو اس کیلئے تو دینی مدارس کے لوگ بھی الگ سے ایک مستقل دورہ رکھتے ہیں الخ“ (۲۲)

حالانکہ یہ نصاب کے علاوہ تفسیر میں تخصص کا درجہ حاصل کرنے کیلئے مستقل انتظام ہے اس کو غلط ملط کر کے پیش کرنا حقیقت ما شناسی اور مدارس دینیہ پر انزام تراشی ہے اور کئی غلط فہمیوں کے پیدا کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے، اس سے احتیاط ضروری ہے اور دوسرے نصاب پر قلم اٹھانے سے پہلے اس کا بغور مطالعہ ضروری ہے۔ اوپر کی تحریر سے معلوم ہو چکا دینی مدارس میں مکمل قرآن کریم کے ترجمہ کا اس قدر اہتمام ہے کہ اس سے زیادہ تو کیا اس کے برابر بھی کسی دوسری تعلیم گاہوں میں اس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

پھر جب طالب علم کی علمی استعداد میں ترقی ہوتی جاتی ہے اور شرح جامی اور مختصر معانی پڑھ کر صرف، نحو اور علم معانی میں درک حاصل ہو جاتا ہے اور متنبی، حماسہ وغیرہ عربی لغات کی بڑی کتابیں پڑھ لیتا ہے جو دینی مدارس کے نصاب میں درجہ وارد داخل ہیں تو قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اس کے رموز و اشارات کے سمجھنے کی اس قدر اہلیت پیدا ہو جاتی ہے کہ احکام اور استنباط احکام کے طریقوں کے سمجھنے کی قابلیت حاصل ہو جاتی ہے۔

اس وقت چھٹے سال میں تفسیر جلالین مکمل پڑھائی جاتی ہے اور اب اس کو پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت آتی ہے، پھر طالب علم کو جلالین کے مختصر جملوں اور اشاروں کی قدر ہوتی ہے کہ مفسر علام نے کس قدر شرف نگاہی اور عمیق نظری اور دیدہ ریزی سے قرآن کریم کو حل کرنے کی کوشش کی ہے جو شخص ان علوم میں مہارت حاصل نہیں کرتا اس کو تفسیر جلالین کی قدر نہیں ہو سکتی اس کے نزدیک کوزہ میں دریا بند کرنے کی کوشش قابل تحسین نہیں ہو سکتی۔

امید ہے کہ قرآن خواں بچوں کو ناظرہ خواں ہوں یا حفظ پڑھتے ہوں جبر یہ تعلیم سے مستثنیٰ رکھا جائے گا کیونکہ ایک وقت میں دو قسم کی تعلیم میں کامیابی عام طور پر نہیں ہوتی ویسے بھی جبر یہ تعلیم انگریزوں کے زمانہ کی یادگار ہے جو انہوں نے اپنی تعلیم میں کامیابی کیلئے جاری کی تھی اور قرآنی مکاتب اور دینی مدارس کے بچوں کو جبراً سرکاری مدرسوں میں لے جایا جاتا تھا۔

خدا کرے ہمارے وزیراعظم کی سکیم کا یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش نہ کی جائے جس سے دینی مدارس میں قرآن کریم کی اور دوسرے دینی علوم کی تعلیم پر اثر پڑے، جبکہ دینی مدارس کے نصاب میں بھی ضروری اردو لکھنا پڑھنا اور معاشرتی علوم داخل ہیں اور قرآن کریم کی تعلیم کے ساتھ ہی ان سے کسی قدر واقفیت حاصل ہو جاتی ہے، پھر بلاوجہ دینی مدارس سے تقابل اور مخالفت مول لینے کی کیا ضرورت ہے؟۔

ہماری تحریر سے واضح ہو گیا ہوگا کہ دینی مدارس میں حفظ قرآن کریم کی خدمت صحیح حروف کے ساتھ بہتر طریقہ پر انجام دی جا رہی ہے، اس کے ساتھ ہی مکمل قرآن کریم کے ترجمہ پر بھی خصوصی توجہ دی جا رہی ہے اس کا لفظی ترجمہ تین سالوں میں بڑی محنت اور قواعد صرف و نحو اور اصول بلاغت کو ملحوظ رکھتے ہوئے پڑھایا جاتا ہے۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ وزیراعظم صاحب کی سکیم کہ (تعلیمی اداروں میں ترجمہ قرآن کریم لازمی طور پر پڑھایا جائے گا) کی سرکاری مدارس میں کس طرح تکمیل کی جائے گی کیونکہ وہاں تو ابھی تک لفظی صحیح کے ساتھ مکمل قرآن کریم کی تعلیم کا فرض بھی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ پاتا تاہم معنی چہ رسد۔

اگر واقعہً وزیراعظم صاحب تعلیمی اداروں میں قرآن کریم کے مکمل ترجمہ کو لازم قرار دینا ضروری سمجھتے ہیں تو پھر انہیں دینی اداروں اور جامعات کے طرز پر ہی وہاں اس کا انتظام کرنا ہوگا جس کی تفصیل اس مضمون میں اوپر لکھ دی گئی ہے ورنہ اس طرح لفظی ترجمہ پڑھانے سے بجائے فائدہ کے نقصان کا سخت خطرہ ہے کہ اگر خدا نخواستہ یہ روش چل پڑی تو قرآن کریم کے ترجمہ کے نام پر تحریف قرآن کا بازار نہ گرم ہو جائے، اس صورت میں تو کسی طرح بھی یہ سکیم قابل تکمیل نظر نہیں آتی بلکہ اس پر یہی کہنا مناسب ہوگا:

ع مرابتو امید خیر نیست بدمرساں۔

۴ رذوالحجہ الحرام ۱۴۱۷ھ

مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی

اخبار الجامعہ

- ۲۸/ محرم: جامعہ میں سہ ماہی تحریری امتحان کا آغاز ہوا جبکہ ۲/ صفر کو چھ حفظ اور درجہ کتب کا تقریری امتحان ہوا۔
- ۱۱/ صفر: بعد مغرب صدر جامعہ نے خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ غفوریہ ملکہ ہانس پل نورجنگ میں بیان فرمایا۔
- ۱۲/ صفر: صدر جامعہ نے سلطان المشائخ حضرت خواجہ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی اور مدرسہ اسلامیہ پاپٹن میں جمعہ سے خطاب فرمایا۔
- ۱۵/ صفر: جامعہ کے سہ ماہی امتحان کا نتیجہ سنایا گیا جو محمد اللہ 100% رہا۔ ممتاز: 52.5%، جید جدا: 38.5%، جید: 4.5%، مقبول: 4.5%، راسب: x صدر جامعہ نے اول، دوم آنے والے طلبہ میں کتب تقسیم فرمائیں۔
- ۲۹/ صفر: صدر جامعہ نے مدرسہ تعلیم القرآن حقانیہ روڈ سلطان میں سات بچوں کی تکمیل حفظ قرآن کی تقریب سے مختصر اور انتہائی مؤثر بیان فرمایا، پھر اڈہ ہال ضلع جھنگ میں ایک جلسہ سے مفصل خطاب فرمایا۔
- ۳/ ربیع الاول: جامع مسجد انوری فیصل آباد میں جمعہ پڑھایا اور مغرب کے بعد خانقاہ بیت السالکین میں بیان کیا۔
- ۴/ ربیع الاول: جامعہ میں حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہم مہتمم جامعہ ابو ہریرہ نوشہرہ صوبہ سرحد کا عصر کی نماز کے بعد ایمان افروز بیان ہوا۔
- ۶/ ربیع الاول: صدر جامعہ نے صبح دس بجے مدرسۃ البنات اور بعد ظہر مدرسہ عبداللہ بن مسعود کوٹ مومن میں عوام و خواص سے خطاب کیا اور عصر کے بعد کچھ دیر کیلئے ٹانگووالی میں جانا ہوا۔
- ۸/ ربیع الاول: جامعہ میں عارف باللہ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم اور مناظر اسلام حضرت علامہ محمد عبدالغفار تونسوی مدظلہم کی تشریف آوری ہوئی، بعد ظہر صدر جامعہ اور مہمان گرامی نے مدرسہ خدیجہ الکبریٰ مبارک خان تحصیل ساہیوال کے سالانہ جلسہ سے خطاب فرمایا۔
- ۹/ ربیع الاول: حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب دامت برکاتہم نے جامعہ کے طلباء سے تین گھنٹے مفصل بیان فرمایا اور عصر تا مغرب حضرت کا عمومی اصلاحی درس بھی ہوا۔
- ۱۰/ ربیع الاول: حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب دامت برکاتہم نے جامع مسجد حقانیہ میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب فرمایا اور عصر کے بعد جامعہ حقانیہ میں اصلاحی درس بھی ارشاد فرمایا۔
- ۱۲/ ربیع الاول: جامعہ فحیہ امدادیہ سلاوالی میں ماہانہ درس دیا اور بعد مغرب روڈ سلطان ضلع جھنگ میں بھی بیان فرمایا۔

۱۵/ربیع الاول: صدر جامعہ نے شکارپور جامعہ حقانیہ للبنات، فاضل پور اور راجن پور میں بیان فرمایا۔
 ۱۶/ربیع الاول: صدر جامعہ نے مسجد عثمانیہ جام پور اور حاجی پور میں بیان فرمایا اور مولانا عبدالحی صاحب مدظلہم فاضل دارالعلوم دیوبند سے بھی ملاقات فرمائی۔

۱۷/ربیع الاول: مرکزی مسجد محمدیہ ڈیرہ غازیخان اور جامعہ اشرفیہ کالاکالونی ضلع ڈیرہ غازیخان میں بیان فرمایا۔
 ۱۸/ربیع الاول: صدر جامعہ نے بعد نماز ظہر شادان گند ضلع ڈیرہ غازیخان میں بیان فرمایا۔
 ۲۰/ربیع الاول: اشرف المدارس صاحبہ بلوچاں تحصیل ساہیوال کے طلبہ میں اسناد تقسیم فرمائیں اور بیان فرمایا۔

نوٹ: بھم اللہ تعالیٰ شعبہ بنات دوسری منزل کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے، جبکہ مختصصین کی کثرت کے پیش نظر شعبہ تخصّص کی دوسری منزل کی تعمیر ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب شروع ہونے والی ہے، قارئین سے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔

مولانا محمد زکی کیفی رحمہ اللہ

خراج عقیدت

حضرت اقدس مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ

تیرا کرم ہے، فضل ہے، اے رب ذوالہمنن!

دیکھا ہے میری آنکھ نے بھی جلوۂ حسن

عارف، فقیہ، عالم بے مثل، نکتہ داں

کہنے کو ایک فرد، حقیقت میں انجمن
 دربار اشرقی کا نشان جس کی بزم تھی
 فیضان اشرقی سے وہ خود اشرف زمن
 وہ ذکر شیخ کر کے جو آجائے وجد میں
 جس کا خیال شیخ سے دل تھا چمن چمن
 گم تھا جو ذکر و یاد خدا و رسول میں
 حاصل تھی جس کے قلب کو خلوت در انجمن
 کا نسا اگر چبھا کوئی ملت کے جسم میں
 محسوس اس کو اپنے ہی دل میں ہوئی چھین
 آتی تھی دل میں یاد خدا جس کو دیکھ کر
 محفل سے جس کی دور تھی اوہام کی گھٹن
 اس کی ہدایتوں پہ عمل کر کے دیکھئے
 منزل رہی ہے دور، نہ رستہ رہا کٹھن
 صبر و رضا کے جام سے سرشار زندگی
 ہر غم سے بے نیاز مصائب پہ خندہ زن
 ہر وقت جس کے لب پہ تھی حمد و ثنا کی بات

ہر آن جس کے دل میں غم یار کی لگن

راہِ سفر میں اس سے شہادت نے یہ کہا

اے نفسِ مطمئنہ چل اب جانبِ وطن

چھوڑی ہیں یادگار میں یہ دو نشانیاں

ہے علمِ جامعہ تو عملِ مسجدِ حسن

جس کے طفیل اس کو ملا قلبِ مطمئن

یا رب! مجھے عطا ہو اسی درد کی کرن

منزل بنائے سب کی خدا اسوۂ رسول

اور اس کا سنگِ میل بنے اسوۂ حسن